دینی اخلاقی اور معاشرتی معاملات کے بارے
میں چالیس احادیث مبارکہ کی تشریح

جنّت کا راستہ

از رشحات فکر

حضرت مولانا علامہ محمد ارشد قادری رضوی

مکتبہ تعلیم و تربیت اسلامی

دینی، اخلاقی اور معاشرتی معاملات کے بارے میں چالیس احادیث مع ترجمہ

جنت کا راستہ

از رشحاتِ فکر

حضرت مولانا علامہ محمد ارشد قادری رضوی

مکتبہ تعلیم و تربیت ۔ لاہور
عزیز ٹاؤن مین بازار چنا ٹاؤن شاہدرہ لاہور

نام کتاب ـــــــــ جنّت کا راستہ

مصنّف ـــــــــ حضرت مولانا علامہ محمد ارشد قادری رضوی

ناشر ـــــــــ مکتبہ تعلیم و تربیت
الادریس مرکز ستا ہوٹل دربار مارکیٹ لاہور

پروف ریڈنگ ـــــــــ مولانا محمد عثمان قادری، مولانا محمد صفدر شاکر
مولانا اختر علی ۔

کتابت ـــــــــ عبدالرحمٰن

طباعت ـــــــــ ایل جی پرنٹرز لاہور

سن اشاعت ـــــــــ بار دوم دسمبر 2005ء، ذی القعدہ ۱۴۲۶ھ

تعداد ـــــــــ گیارہ سو

قیمت ـــــــــ 350 روپے

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو

مبلغِ اسلام، نازشِ اہلسنت، عاشق رسول، پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت

حضرت مولانا علامہ الٰہی بخش قادری ضیائی

کے نام کرنے کی سعادت

حاصل کر رہا ہوں اشاعتِ اسلام کے لیے جن کی خدمات جلیلہ ناقابل فراموش ہیں جن کی زندگی احقاقِ حق اور ابطال باطل میں صرف ہو رہی ہے مجھے ان کی رہنمائی میسّر ہے۔ مَیں نے حق گوئی و بے باکی انہیں سے سیکھی ہے۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

رانا محمّد ارشد قادری

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَىٰ لِلّٰهِ دَاعِ

بَلَغَ الْعُلٰى بِكَمَالِهٖ كَشَفَ الدُّجٰى بِجَمَالِهٖ
حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهٖ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَآلِهٖ

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

فہرست

جمعہ کے روز کثرتِ درود شریف

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اپنی جگہ سے اُٹھنے سے پہلے اسّی ۸۰ مرتبہ یہ درود شریف پڑھے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا

اس کے اسّی سال کے گناہ معاف ہوں گے اور اسّی سال کی عبادت کا ثواب اس کے لیے لکھا جائے گا۔

مناظرِ اسلام حضرت مولانا علامہ عبد التواب صدیقی دامت برکاتہم العالیہ

تقریظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

امابعد ابلاشک وشبہ اللہ کریم ہی کل کائنات کے ذرّے ذرّے کا خالق ہے ہر نوع ہر جنس ہر نسل اسی کی مخلوق ہے۔ وہ خدا جو بلاشک وشبہ واحد خالق ہے۔ یقیناً وہ اپنی مخلوق کی ہر کیفیت کو جانتا ہے اور ہر چیز کو پہچانتا ہے۔ دنیا چاہے کتنی بھی ترقی کر جائے، مخلوقِ خدا کو خدا سے بڑھ کر کوئی نہیں جان سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اس کے نفع نقصان سے آگاہ کرنے کے لیے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی مبعوث فرمائے اور سب سے آخر میں اپنے سب سے پیارے اور سب سے افضل واعلیٰ نبی حضرت سیّدنا سیّد المعلّیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر آپ کے ذریعے بنی نوع انسان کو اس کی تمام کیفیات محبوب کریم کے عمل وارشاد کی شکل میں لوگوں تک پہنچائیں اور ارشاد فرمادیا کہ "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃٌ حسنۃ" یعنی بنی نوع انسان کی بقا اور اس کی معراج اسی بات میں ہے کہ وہ اسوۂ حسنۂ کو اختیار کرے۔ انسان کی ہر قسم کی جسمانی، روحانی، فلاح اور ترقی اسی میں مضمر ہے۔ اسوۂ حسنۂ کو چھوڑ کر دوسری طرف جانے والا کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

آپ کے اسوۂ حسنہ میں انسان کے جسمانی فوائد پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَور کا واقعہ بہترین شہادت ہے جب کہ آپ کے دَورِ خلافت میں ایران کا تقریباً نصف حصہ فتح ہوا اور وہاں حضور کے صحابہ نے تبلیغ فرمائی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے تو وہاں کے ایک طبیب کو شوق پیدا ہوا کہ وہ مدینہ طیبہ جاکر اہلِ مدینہ کی خدمت کرے۔ حاضر ہو کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجازت لے کر مطب کھول کر بیٹھ گیا اور کم و بیش چھ ماہ رہا اور حیران ہوا کہ چھ ماہ میں ایک بھی مریض علاج کی غرض سے مطب میں نہیں آیا۔ دوبارہ حاضر ہو کر واپسی کی اجازت مانگی کہ اس طرح تو میری پریکٹس ختم ہو جائے گی۔ آپ نے ارشاد فرمایا تم آئے تو میں نے منع نہیں کیا اب جانے لگے ہو تو میں پھر بھی منع نہیں کرتا، حکیم نے عرض کی کہ اے خلیفۃ المسلمین کیا وجہ ہے یہاں لوگ بیمار نہیں پڑتے۔ حضرت عمر فاروق نے جواب دیا کہ ہمیں ہمارے آقا نے زندگی بسر کرنے کے بارے میں جو ارشادات فرمائے ہیں ہم اس اسوہ حسنہ پر عمل کرتے ہیں اس لیے ہم جلدی بیمار نہیں پڑتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کا اسوہ حسنہ نہ صرف انسان کی روحانی بلکہ جسمانی بہتری کے لیے پیدا فرمایا تاکہ اس پر عمل کر کے انسان جسمانی و روحانی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

آپ کے بعد نبوّت کا دروازہ تو بند ہو گیا اور آپ کے بعد کوئی نبی، نبی ہونے کی حیثیت سے نہیں آ سکتا مگر وہ مشق جاری و ساری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ کام جو پہلے انبیاء کے سپرد کیا تھا، نبی آخر الزماں کی اُمّت کے علمائے ربانیین کے سپرد کر دیا ہے۔ اسی لیے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد پاک ہے "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل"

علمائے ربانیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو لوگوں تک پہنچانے میں مصروف ہیں اور اب جبکہ پندرویں صدی آجانے کے باوجود ابھی تک اس زمین پر جو لوگ اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں یہ انہیں علمائے ربانیین کی کوششوں کا نتیجہ ہے"۔ حضرت علامہ رانا محمد ارشد قادری صاحب نے بھی اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسی مشق کو جاری رکھا ہوا ہے۔ تقریر اور تحریر دونوں صورتوں میں اپنے فرائض کو پورا کر رہے ہیں اور آپکی انہیں کوششوں میں سے ایک یہ کتاب بنام "جنّت کا راستہ" ہے۔ اس میں آپ نے چالیس احادیث کے ذریعے عوام الناس تک نبی کریم تاجدار عرب و عجم محبوب کبریاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو نہایت احسن انداز میں پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ فقیر نے آپ کی اس کتاب کا کافی حد تک مطالعہ کیا ہے۔ ماشاء اللہ علامہ موصوف کی سعی جمیل نہایت عمدہ انداز میں لکھی گئی ہے۔

یہ کتاب ایسی کتاب ہے جس کو عوام الناس اپنے زیر مطالعہ رکھ کر صراط مستقیم پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

عمل و عقائد کا یہ امتزاج جو قرآن و حدیث کی روشنی میں آپ نے پیش فرمایا ہے عامۃ الناس کے لیے عموماً اور اہلسنّت والجماعت کے لیے خصوصاً مفید ثابت ہوگی میں امّت مسلمہ سے اپیل کروں گا اپنے گھروں میں یہ کتاب ضرور رکھیں تاکہ بچّے بوڑھے عورتیں اور مرد سب مستفید ہو سکیں۔ دُعا ہے اللہ ربّ العزّت علامہ موصوف کی اس جدوجہد کو قبول فرمائے اور آپ کو دُنیا و آخرت میں جزائے خیر عطا فرمائے۔

فقیر محمد عبدالتواب صدیقی

خادم آستانہ عالیہ مناظر اعظم حضرت مولانا محمد عمر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِيْ
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

فَاِنَّ اَبِيْ وَوَالِدَتِيْ وَعِرْضِيْ
لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْكُمْ وِقَاءُ

مَا اِنْ مَّدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِيْ
وَلٰكِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِيْ بِمُحَمَّدٍ

شیخ الحدیث حضرت مولانا علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری دامت برکاتہم العالیہ

تقریظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم
وعلی الہ واصحابہ اجمعین

ہر شخص دنیا کی بھلائی کا طالب ہے، لیکن دینی اور روحانی شعور رکھنے والے افراد دنیا کے ساتھ آخرت کی بھلائی کے بھی طالب ہیں، اور اس طرح کیوں نہ ہو؟ جب کہ دنیا چند روزہ اور دار فانی ہے، اس کے مقابلے میں آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے، اس لیے عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ دنیا سے بڑھ کر آخرت کے اجر و ثواب کے لیے کوشش کی جائے۔

ارشادِ ربانی ہے:
فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ۔
تو جو شخص آگ سے دُور کیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہے۔

لازمی بات ہے کہ ہر ذی ہوش جنّت میں جانے کی آرزو رکھے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنّت میں جائیں تو کیسے جائیں؟ اس کا دو ٹوک جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری سے ہی جنّت میں جانا ممکن ہے۔

حضرت مولانا علاّمہ رانا محمد ارشد قادری سلّمہ اللہ تعالےٰ نے اسی مقصد کے تحت پیشِ نظر کتاب "جنّت کا راستہ" میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی چالیس احادیث کا انتخاب پیش کیا ہے، احادیث مبارکہ کے ترجمہ کے ساتھ ان کی مختصر شرح بھی کی ہے تاکہ قارئین مختصر وقت میں اس کے مطالعہ سے اپنے عقائد اور اعمال کی اصلاح کریں اور اپنے لیے جنّت کا راستہ آسان کرلیں۔

اللہ تعالےٰ ان کی اس کوشش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

محمد عبدالحکیم شرف قادری
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
۱۴ شوال المکرم ۱۴۱۹ھ / ۲ فروری ۱۹۹۹ء

حالِ دل

بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ، انسان کی پسند و ناپسند بھی بدلتی رہتی ہے ــــ اس کی سوچ بدلتی ہے ــــ اس کا پسند و ناپسند کا معیار بدلتا ہے ــــ اس کی زندگی میں تغیر آتا ہے ــــ اور وہ پہلے سے مختلف ہو جاتا ہے ــــ اگر تو یہ سوچ کسی اللہ والے سے متاثر ہو کر بدلے تو اس کی زندگی پہلے سے کہیں بڑھ کر مطمئن اور پُرسکون ہو جاتی ہے ــــ اور اگر یہ سوچ کسی دُنیادار سے متاثر ہو کر بدلے تو پھر ــــ اس کی زندگی پہلے سے بدتر اور بُری ہو کر رہ جاتی ہے ــــ اس لیے کہ اللہ والوں کے ہاں تو اس دُنیا کی حیثیت فقط سرائے کی سی ہوتی ہے جہاں کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہونا ہوتا ہے ــــ اور اہلِ دُنیا کے ہاں جو کچھ ہے وہ اس دنیوی زندگی میں ہی ہے ــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَنۡ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۔

جو میری ہدایت کا پیرو ہوا اسے نہ کچھ اندیشہ ہے نہ غم ہوگا۔[1]

وہ ہدایت جو من جانب اللہ آئی وہ کیا ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۳۸

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ط[1]

وہی جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے (دین اسلام کو) سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی ہے گواہ ؂

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حصولِ ہدایت کا تعلق پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ کرم سے وابستہ ہونے میں ہے ____ اگر کوئی ہدایت کو تلاش کرنا چاہے تو ____ وہ سرکارِ مدینہ کی غلامی کرے ____ اگر کوئی ہدایت کی چاشنی سے لُطف اندوز ہونا چاہے تو ____ سرکارِ مدینہ کے در کا غلام بن جائے ____ اگر کوئی ہدایت کی روشنی سے مالا مال ہونا چاہے تو وہ سرکار مدینہ کی پیاری پیاری سُنّتوں پر عمل کرے ____ اور کوئی پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت سے دُور ہو کر ہدایت کا طالب ہو تو ____ اسے ہرگز ہدایت نصیب نہ ہوگی ____ ہدایت سرکارِ مدینہ کے صدقے ہی سے ملتی ہے انسان کو اللہ تعالیٰ نے وہ بے پناہ خوبیاں عطا فرمائیں جن کا شمار حد سے باہر ہے مگر انسان تبھی کامل ہوتا ہے جب اس کی تربیت صحیح انداز میں ہو ____ اگر تربیّت کا نظام عمدہ ہوگا تو انسان ____ عمدہ فضائل کا مالک ہوگا ____ اگر تربیت کرنے والے خود عامل ہوں گے تو انسان کی زندگی میں وہ انقلاب آئے گا کہ اس کا مقابلہ کرنا کسی بڑے سے بڑے جابر کے بس کا روگ نہ ہوگا ____ اگر تربیت گاہ کمزور ہوگی تو ____ انسان کے وہ تمام فضائل و کمالات منظرِ عام پر نہ آ سکیں گے جن کا آنا ضروری ہے۔ یہ سچ ہے کہ جب انسان کا شعور بیدار

---

[1] سورہ فتح آیت ۲۸ ؂

ہوا ہوتا ہے تو وہ بہت کچھ کر جانے کو بھی کم سمجھتا ہے اور جب اس کا شعور بیدار نہیں ہوتا تو ____ وہ یہی کہتا ہوا نظر آتا ہے ____ ہمیں کیا ____ جہاں کوئی لگا ہوا ہے درست ہے ____ یہ جملہ ایسا جملہ ہے جس نے پوری ملتِ اسلامیہ کو تنزّل کی جانب دھکیل دیا ہے اور ____ اقبال تڑپ گیا کہ ؎

وہی ہے تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

آج ملّتِ اسلامیہ کے نوجوانوں کو پہلے سے کہیں بڑھ کر کام کرنے کی ضرورت ہے ____ مگر آج کا نوجوان اپنی ذمہ داریوں سے بالکل بے خبر ہے ____ وہ سمجھتا ہے کہ میں عیش کرنے آیا ہوں ____ میں یہاں مزے لوٹنے آیا ہوں ____ میں یہاں سیر کرنے آیا ہوں ____ میں یہاں ساری دُنیا سے بے نیاز ہو کر فقط عشرت سے لو لگانے آیا ہوں ____ حالانکہ اس کا یہ خیال ____ اس کی یہ سوچ ____ اس کا یہ اندازِ سوچ سب غلط و باطل ہے ____ مگر پھر بھی کوئی اس طرف توجہ نہیں دیتا کہ ہمارے معاشرے کا سب سے مضبوط حصّہ ____ کمزور ہوتا جا رہا ہے ____ بدخلق ہوتا جا رہا ہے ____ ادب و احترام عنقا ہوتا جا رہا ہے ____ محبت و پیار نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی ____ زندگی بے ربط ہو کے رہ گئی ہے ____ اس میں کوئی ربطِ مومنانہ نظر نہیں آتا ____ اور ____ مومنانہ ربط ہو بھی کیونکر اس لیے کہ ہمارا عمل مومنانہ نہیں رہا ____ ہماری زندگی کی جو ساعات ____ ہماری زندگی کی جو گھڑیاں اللہ کی یاد میں بسر ہونا

چاہیے تھیں وہ تو غیبت کرنے میں صرف ہو رہی ہیں ــــ ہماری زندگی کی جو گھڑیاں تلاوتِ قرآن مجید میں صرف ہونا تھیں وہ ــــ فحش قسم کے گانے سُننے میں صرف ہو رہی ہیں ــــ ہماری زندگی کے جو اوقات اللہ کی یاد اور ذکر و فکر میں بسر ہونا تھے ــــ وہ ــــ لہو و لعب میں بسر ہو رہے ہیں ــــ جو وقت ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے میں صرف کرنا ہے وہ وقت انڈین گانے سُننے میں لگ رہا ہے ــــ وہ وقت جو ہم نے اپنے آقا علیہ السلام کی احادیث مبارکہ پڑھنے پر صرف کرنا تھا وہ ــــ ناولوں کے مطالعے پر صرف ہو رہا ہے۔

ے وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ہمارا سرمایۂ مِلّت لُٹ رہا ہے ــــ ہمارا سرمایۂ دفاع لٹ رہا ہے ــــ مگر کسی کو اس جانب غور کرنے کی فرصت ہی نہیں ــــ علمائے کرام ہیں کہ وہ بھی بے چارے اپنے فرائض منصبی سے بوجوہ عہدہ برا نہیں ہو رہے ــــ مشائخ عظّام ہیں تو ان کو بھی بہت ساری مجبوریاں ہیں جو اس طرف توجہ سے روکے ہوئے ہیں ــــ مِلّت کا شیرازہ بکھر رہا ہے ــــ روز بروز ہماری حالت زار خراب ہو رہی ہے ــــ ہم برباد ہو رہے ہیں ــــ ہم تباہ ہو رہے ہیں ــــ مگر اس تباہی کی فکر صحیح معنوں میں نہ علماء کو ہے نہ مشائخ کو ــــ اگر اس مرحلے پر بھی ہم نے صحیح فیصلہ نہ کیا اور اپنی کشتی کو بھنور سے نکالنے کی کوشش نہ کی تو پھر ع تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

مالدار مسلمان ہیں کہ ان کو دین کی کچھ پرواہ ہی نہیں رہی ــــ

ان کو تو فقط یہی سوچ دن رات گھیرے رہتی ہے کہ پیسے کس طریقے سے زیادہ کمائے جاسکتے ہیں ــــ ان کی سوچ ــــ فقط حصول زر کے گرد گھومتی رہتی ہے ــــ ان کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کا خیال تک نہیں آتا ــــ ورنہ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام بلند پایہ کتب اب تک شائع ہو چکی ہوتیں مگر ایسا بدقسمتی سے نہیں ہو سکا ــ میں نے بہت کچھ سخت الفاظ میں علماء کرام اور مشائخ عظام کے بارے لکھ دیا ہے۔

حضور والا! معاف فرمائیے گا میں دل کے ہاتھوں مجبور تھا ورنہ میں تو آپ حضرات (علماء و مشائخ) کا ادنیٰ خادم ہوں مگر کبھی کبھی قائدوں کو بھی قاعدے کی بات بتا دی جاتی ہے ــــ اس زمانے میں جس انداز سے دینِ اسلام کا مذاق اڑایا جا رہا ہے ــــ شاید کبھی ایسا ہوا ہو ــــ مسلمان اپنے وطن جنت کو بھول چکا ہے ــــ جو اس کا اصل گھر ہے ــــ یہ اس کو فراموش کر چکا ہے ــــ اسے اب اتنا بھی یاد نہیں رہا کہ ــــ مرنے کے بعد مجھے رب العالمین کے حضور حاضر ہونا ہے ــــ اور زندگی بھر میں کردہ تمام اعمال کا حساب دینا ہے ــــ شاید دنیا کی اس ظاہری کشش او رمحبت نے اس کو آخرت اور حساب و کتاب کا منکر بنا دیا ہے ــــ حالانکہ آخرت برحق ہے ــــ وہاں کے تمام وہ معاملات جو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں بیان ہو چکے سب برحق ہیں ــــ اسلام کا فقط دعویٰ ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کو زندگی کے ہر ہر شعبے کے لیے کامل جاننا اور اس کو مکمل ضابطۂ حیات سمجھنا اور زندگی کے تمام شعبوں میں اس کا نفاذ کرنا یہ ضروری ہے ــــ لیکن آج ہم مسلمان ہو کر بھی اس طرف قطعاً کوئی توجہ نہیں دیتے ــــ اس جانب ہمیں کوئی التفات نہیں ہے ــــ ایمان

الحمد للہ بہت بڑی نعمت ہے ــــ لیکن ایمان لانے کے بعد اس نظام زندگی کو نہ اپنانا ــــ جو اسلام نے دیا ہے ــــ اس سے بڑی بد قسمتی اور کیا ہوگی ــــ ہماری ذہنی تربیت جس انداز سے ہو رہی ہے ــــ ہماری ذہنی نشوونما جس انداز سے ہو رہی ہے ــــ ہماری سوچ جس انداز سے پنپ رہی ہے ــــ اگر یہی انداز برقرار رہا تو ــــ ہم دوسری قوموں کے مقابلے میں بہت پیچھے چلے جائیں گے اور یہ خلا جو پیدا ہوگا ــــ اس کو پُر کرنا محال ہو جائے گا ــــ ابھی وقت ہے کہ ہم سنبھل جائیں ــــ اپنی راہ پر لوٹ آئیں جو ہمیں ہماری منزلِ مقصود تک لے جائے ــــ ہم اپنی راہ سے ہٹ چکے ہیں ــــ بلکہ بہت دور نکل آئے ہیں ــــ ہمیں جلد واپس لوٹنا ہوگا ورنہ ــــ حالاتِ زمانہ ہمیں اس قدر گم کردۂ راہ بنادیں گے کہ ہمیں اپنا بھولا ہوا راستہ کبھی یاد بھی نہ آئے گا ــــ ہمارا راستہ دراصل وہ ہے جو اولیاء کرام کا راستہ ہے ــــ ہمارا راستہ وہ ہے جو علماءِ اُمت کا راستہ ہے ــــ ہمارا راستہ وہ ہے جو صحابہ کرام کا راستہ ہے ــــ ہمارا راستہ وہ ہے جو ائمہ دین کا راستہ ہے ــــ ہمارا راستہ وہ ہے جو مجاہدینِ اسلام کا راستہ ہے ــــ ہمارا راستہ وہ ہے جو سیدھا راستہ ہے ــــ ہمارا راستہ وہ ہے جو صراطِ مستقیم ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جو جنّت الفردوس کا راستہ ہے ــــ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر ہم کامران ہو سکتے ہیں ــــ ہم فلاح پا سکتے ہیں ــــ کامیابیاں ہمارے قدم چومیں گی، بشرطیکہ ہم اپنے آپ کو پورا پورا اسلام کے تابع کر دیں ــــ اسلام کے نظام کو اپنے اوپر لاگو کر لیں ــــ نظامِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کے لیے عملی جدوجہد کریں ــــ ربّ العالمین فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ [1]

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ⁂

کھلے لفظوں میں فرمایا جا رہا ہے کہ ___ اے ایمان والو! اسلام میں پُورے پُورے داخل ہو جاؤ ___ اس حکم خدا تعالیٰ کا صاف مطلب یہ ہے ___ کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بظاہر مسلمان کہلواتے ہیں اور دوسرے بھی ان کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں ___ مگر حقیقت میں وہ اسلام کو صحیح طریقے سے ماننے والے نہیں ہوتے ___ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جانے کا فائدہ یہ ہے کہ ہم جب یہ یقین کر لیں گے کہ اسلام ہی سب مسائل کا وہ حل پیش کرتا ہے جو ___ کوئی دوسرا مذہب ___ جو کوئی دوسرا ازم پیش نہیں کرتا تو ___ ہم اسلام ہی کو اپنی زندگی میں نافذ کریں گے ___ جب ہر شخص یہ پُختہ ارادہ کرے کہ مَیں نے اپنی زندگی اس نظام کے ماتحت گزارنی ہے ___ جو نظامِ زندگی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ نے ہمیں عطا فرمایا ہے ___ تو کوئی وجہ نہیں کہ ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ عبادت نہ بن جائے ___ ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ ہمارے لیے مژدہ نہ بن جائے ___ ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ ہمارے لیے نصرتِ ربّانی کا مظہر نہ بن جائے ___ ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ ہمارے لیے رحمتِ ربِّ کریم کا منبع نہ بن جائے ___ جب ہماری زندگی کی ساعات سعادت مندی ___ خوشخبری ___ نصرتِ ربّانی ___ اور رحمتِ رحمانی

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۲۰۸ ⁂

جیسی نعمتوں سے مزیں ہوں گی تو غم کافور ہوں گے ___ زندگی میں اطمینان ہو گا ___ زندگی میں سکون ہو گا ___ زندگی میں چین ہو گا ___ زندگی میں لُطف ہو گا ___ زندگی میں سرور ہو گا ___ زندگی میں اُلفت ہو گی ___ زندگی میں پیار ہو گا ___ زندگی میں محبّت ہو گی ___ زندگی میں ایثار ہو گا ___ زندگی میں وقعت ہو گی ___ زندگی میں وقار ہو گا ___ قرآن حکیم کی تلاوت ہمارا طرۂ امتیاز ہو گا اور اس کی چاشنی سے ہمارے دل باغ باغ ہوں گے رب تعالیٰ فرماتا ہے :

اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ اَجْرًا کَبِیْرًا[1]

بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور خوشخبری سُناتا ہے ایمان والوں کو، جو اچھے کام کریں ان کے لیے بڑا ثواب ہے :

کیا خوب انداز میں رب تعالیٰ نے نیک اعمال کرنے والوں کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے ___ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہدایت صرف اور صرف انہی کو نصیب ہوتی ہے جن سے اللہ و رسول راضی ہوں۔ قرآن پاک ہدایت کا منبع ہے مگر ہم نے تو قرآن حکیم کی تلاوت تک کو اپنا باقاعدہ وظیفہ نہیں بنایا تو اس کے رموز و اسرار سے آگاہی تو بڑی دُور کی بات ہے۔

---

[1] سورہ بنی اسرائیل آیت ۹ :

توجہ فرمائیں

انسان کو اللہ تعالیٰ نے ___ بہت بزرگی اور شرف عطا کیا ___ ہے ___ اس کو تمام مخلوقات سے بہتر و اعلیٰ تخلیق فرمایا ہے ___ اس کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے ___ مگر ان صلاحیتوں کا ___ منظر عام پر آنا ___ تبھی ممکن ہوتا ہے ___ جب اس کی تربیت نہایت عمدہ انداز میں ہو ___ کسی قوم کا نظام تربیت جتنا عمدہ ہو گا ___ وہ قوم اتنی ہی بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرے گی ___ انسان جو بھی کوشش کرتا ہے ___ اس میں اس کا اکثر اوقات خیال یہی ہوتا ہے ___ کہ اس کوشش میں بہت حد تک کامیاب رہا ہے ___ یا اس نے فلاں میدان میں کامیابی حاصل کر لی ہے ___ مگر باوجود ___ اس کے کہ انسان بہت عظیم ہے پھر بھی ہماری ___ کوشش میں ___ اور ہمارے تفکر میں ___ کمی رہ ہی جاتی ہے ___ اس لیے اگر اس کتاب میں کاوش کے باوجود بھی کوئی اعرابی غلطی رہ گئی ہے ___ تو اہل علم حضرات ضرور مطلع فرما دیں ___ تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ___ اس کو دور کر دیا جائے۔

رانا محمد ارشد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ● اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ● بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ●

حدیث نمبر ①

حضورِ انور، تاجدارِ عرب و عجم حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث مبارک ہے:۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال کا دارومدار نیّتوں پر ہے ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیّت کی۔

نیّت کی مرکزی حیثیت

اس حدیث مبارک کو امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، نے روایت کیا ہے اور اس فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واضح طور پر ثابت ہوا کہ مسلمان کے کردار میں اس کی نیّت کی مرکزی حیثیت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مومن جو کام بھی کرتا ہے اس میں ہمیشہ اللہ و رسول کی رضا و خوشنودی کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔ پس ہمیں بھی اس عارضی زندگی میں ہر کام کرنے سے پہلے یہ ضرور دیکھ لینا چاہیے کہ یہ اللہ و رسول کے حکم کے مطابق ہے اگر وہ کام احکاماتِ الٰہی کے مطابق ہے تو ضرور کرنا چاہیے اور اگر اس میں ذرا برابر بھی اللہ و رسول کے حکم کی ممانعت پائی جاتی ہو تو اسے ہرگز نہ کرنا چاہیے۔ قرآن حکیم میں ارشادِ ربانی ہے:

[1] ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، امام صحیح بخاری کتاب الوحی۔

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا[1]

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ (کنز الایمان)

اصل بات یہ ہے کہ جب انسان کی نیت میں فتور آتا ہے یعنی برائی اور بے حیائی کے کام اس سے سرزد ہوتے ہیں۔ وہ قتل و غارت کا مرتکب ہوتا ہے خوں ریزیاں کرتا ہے۔ تخریب کاری پہ اُتر آتا ہے۔ تقدسِ انسانیت کو پامال کرتا ہے اپنی حقیقت کو بھول جاتا ہے گویا فتورِ نیت ہی وہ بلا ہے جس سے کوئی فرد برائی کا ارتکاب کرتا ہے یا کوئی پورے کا پورا معاشرہ برائی میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ اگر کسی فرد کو نیت کے فتور سے بچا لیا جائے تو یقیناً وہ شخص ایک عمدہ انسان بن سکتا ہے اور جب انسان شرفِ انسانیت سے آگاہ ہوتا ہے تو وہ کبھی بھی کسی کی عزت و عظمت، کسی کے جان و مال، کسی کی اولاد و ازواج پر ظلم و ستم کو روا نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے اگر آج وہ کسی پر ظلم کرے گا تو کل کوئی اس پر ظلم کرنے والا پیدا ہو سکتا ہے لہٰذا جب ایک فرد کی سوچ (نیت) درست اور صحیح زاویے پر کام کرے گی تو پورے کا پورا معاشرہ سدھر جائے گا۔

قیامتِ صغریٰ کا منظر آج جو پوری دُنیا میں جگہ جگہ خون ریزیاں ہو رہی ہیں جگہ جگہ فتنہ و فساد، جگہ جگہ قتل و غارت اور تخریب کاری کا بازار گرم ہے یہ سب نتیجہ ہے فتورِ نیت کا۔ پاکستان جو کہ فقط اسلام کے نام پر بنایا گیا تھا اور یہاں نظام مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نفاذ کے لیے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے جو قربانیاں دیں تھیں۔ وہ بھی آج تخریب کاری سے نہیں بچا ہوا کبھی کراچی میں ہنگامے

---

[1] سورہ حشر آیت ۷

ہو رہے ہیں، تو کبھی راولپنڈی میں قیامتِ صغریٰ کا منظر پیش آرہا ہے یہ سب کیا ہے ؟ میں تو یہی عرض کروں گا کہ ہم مسلمانوں کی شامتِ اعمال ہے اور خرابی نیّت کا صلہ ہے۔

آج بھی اگر مسلمان اپنی نیّتوں کو درست کرلیں اور اس دنیوی زندگی کو اخروی زندگی کے مقابلے میں حقیر و ناقص جان لیں تو امن قائم ہو سکتا ہے، اصلاحِ معاشرہ ہو سکتی ہے مگر اس طرح کہ ہم سب مل کر خود احتسابی کے فارمولے پر عمل پیرا ہو جائیں اور اللہ و رسول کی اطاعت و فرمانبرداری میں دل و جان سے قربان ہوں۔ احادیثِ نبویہ پر عمل کریں اور سرکارِ مدینہ سرورِ سینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ مقدسہ پر محبّت و پیار سے عمل کریں۔

اخلاص کے پیکر

انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل و شعور کی نعمت سے مالا مال کر کے تمام مخلوقات پر فوقیت عطا فرمائی ہے۔ انسان کی اسی خوبی کی وجہ سے ابلیس کو اس سے حسد پیدا ہوا اور اس نے اس کو تباہ و برباد کرنے کا عزم کیا، اللہ تعالیٰ نے بھی اس مردود کو یہ اجازت دے دی کہ وہ جتنا چاہے زور لگالے مگر وہ اس کے مخلص بندوں کو گمراہ نہ کر سکے گا۔ جب شیطان کو جنّت سے نکالا گیا تھا اس وقت اس نے کہا تھا کہ جن کی وجہ سے مجھے جنّت سے نکالا گیا ہے میں ان کو خوب گمراہ کروں گا، لیکن خود ہی پکار اُٹھا تھا کہ اے اللہ تیرے وہ بندے جو اخلاص کے پیکر ہوں گے ان پر میرا زور نہ چلے گا۔ چنانچہ قرآن کریم کی سورہ صٓ میں ہے:۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۙ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ (ص: ۸۲-۸۳) **ترجمہ:** بولا تیری عزّت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کردوں گا مگر جو ان میں تیرے چُنے ہوئے بندے ہیں (کنز الایمان)

ہمیں چاہیے کہ ہم دین و دُنیا کا جو کام بھی کریں وہ اس قدر اخلاص کے ساتھ کریں کہ ہمارے خلوص کی اس میں بہترین جھلک نظر آئے۔ ہمارا لین دین، قول و قرار، ظاہر و باطن یکساں ہونا چاہیے۔ کردار کی پختگی، راست گوئی، بے باکی اور حقائق شناسی کا ملکہ یقیناً قرآن و حدیث سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی برکت سے میسّر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک نیتی کے ساتھ نماز کی پابندی اور اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حدیث نمبر ۲

عَنْ اَبِی هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً وَّالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان کے ساٹھ سے کچھ زیادہ شعبے ہیں اور حیاء بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

حیاء ایمان کا حصّہ ہے

اس حدیث مبارک میں حیاء کو ایمان کا حصّہ قرار دیا گیا ہے۔ سچ یہ ہے کہ انسان میں جب تک شرم و حیائی کا مادہ موجود رہتا ہے وہ کبھی بے غیرت نہیں ہوتا۔ دوسرے کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ نہیں کرتا۔ کمزور و ناتواں لوگوں پر ظلم و ستم نہیں کرتا۔ بلکہ ایسے انسانوں کی مدد اور نصرت کو اپنے لیے باعثِ عظمت سمجھتا ہے۔ اس دور

---

[1] بخاری (کتاب الایمان)، مسلم ایضاً۔

میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی ذی عقل سے پنہاں نہیں ہے۔ مگر سب اپنے آپ کو بے بس مجبورِ محض اور بے قصور تصوّر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ہلاکت خیزیاں یہ تخریب کاریاں یہ دھماکہ سازیاں یہ سب پر عیاں ہیں۔ مگر سب خاموش ہیں، حکومت اپنے آپ کو بے بس کہتی ہے، شرفا اپنے آپ کو محفوظ نہیں پاتے، غربا ہیں کہ ستم کی چکی میں پستے چلے جاتے ہیں مگر ہم نے کبھی ان حالات و واقعات کی اصل پر غور نہیں کیا اسلیے کہ شاید ہمیں اتنا تدبّر کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا کہ ہم سوچ سکیں کہ آخر یہ سب کچھ کیونکر ہو رہا ہے اگر ذرا غور کیا جائے تو صاف پتا چلتا ہے کہ یہ سب کچھ بے حیائی کا نتیجہ ہے۔ سچ ہے کہ جب حیا نہ رہے تو پھر انسان کے جو مَن میں آئے وہ کرے[1]۔

آج اگر ملّتِ اسلامیہ پھر سے اپنے آپ کو مضبوط و مستحکم کرنا چاہتی ہے تو دامنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہونا پڑے گا۔ احادیثِ رسول پر عمل پیرا ہونا پڑے گا۔ اگر اب بھی ہم نے عقل و شعور کے تقاضے کو پورا کر لیا اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ عالیہ کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کر لیا تو ہم فلاح پا سکتے ہیں۔ ؎

قوّتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے ٭ دہر میں اسمِ محمّد سے اُجالا کر دے

ترقی یا تنزلی

کسی قوم کی تباہی اسی وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے مشن سے ہٹ جاتی ہے۔ اگر کوئی قوم اپنے نصب العین پر قائم رہے تو کبھی اس کی ساکھ خراب نہیں ہوتی۔ مسلمان کو دُنیا بھر کی کوئی قوم نہ دبا سکتی تھی نہ جھکا سکتی تھی۔ اگر یہ اپنی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے تابع رکھتا۔ اغیار نے ہمارے ایمان کو کمزور کرنے کے لیے تفریح کے نام پہ بے حیائی کو فروغ دیا ہمارے اذہان و قلوب میں اپنا نقطۂ نظر اس

---

[1] اِذَا فَاتَكَ الْحَيَاءُ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ۔

راستے سے منتقل کیا جس راستے سے آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ فلم کی دنیا جس کو لوگ ترقی کی دُنیا گردانتے ہیں، ڈرامے کی دُنیا جس کو لوگ نئی روشنی قرار دیتے ہیں۔ وی سی آر اور ڈش انٹینا جس کو لوگ خوشحالی کی علامت سمجھتے ہیں۔ سب وہ راستے ہیں جن کے ذریعے بے حیائی عام کی جا رہی ہے۔ مسلمان اپنے فرض کو ڈرامے اور فلم پر قربان کر رہا ہے حالانکہ زندگی میں مسلمان پر دن بھر میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور بار بار اس کی تاکید قرآن و حدیث میں آئی ہے لیکن ہم پر دُنیا اس قدر غالب ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ رہے ہیں اور اپنے نفسِ امارہ کو راضی کر رہے ہیں حالانکہ اللہ و رسول (جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم) کی رضا ہر چیز پر مقدم ہونی چاہیے۔ یہ تبھی ممکن ہے کہ جب ہم بے حیائی کا کام چھوڑ دیں اور شرم و حیاء کے پیکر بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ توفیقِ عمل دے۔

حدیث نمبر ③

عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِیٍّ فَبَالَ عَلٰی ثَوْبِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَاَتْبَعَهٗ اِيَّاهُ[1]

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں ایک بچہ لایا گیا اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا تو آپ نے پانی منگوا کر اس پر ڈال دیا۔

بخاری شریف کے اس باب میں ایک اور روایت موجود ہے جس میں ام قیس سے مروی ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کو جو کہ ابھی سوائے دودھ کے کچھ نہیں کھاتا

---

[1] بخاری (کتاب الوضوء) ۳۵

پیتا تھا۔ لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئی آپ نے اسے گود میں بٹھالیا، اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا آپ نے پانی منگوا کر اس پر چھڑک دیا مگر دھویا نہیں [1]

بچّوں کے پیشاب کا مسئلہ

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ان حدیثوں سے اہل فضل سے برکت حاصل کرنا بھی ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حسنِ معاشرت نرمی اور بچّوں پر رحم کرنا بہت عمدہ چیز ہے۔

بعض علماء کرام کے نزدیک وہ بچّہ جو ابھی غذا نہ کھاتا ہو اس کے پیشاب کو دھونے کی بجائے اس پر صرف پانی چھڑک دینا کافی ہے اور لڑکی جو ابھی غذا نہیں کھاتی اس کے پیشاب کو دھونا ضروری ہے۔ امام مالک اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دونوں کو دھونا ضروری ہے [2]۔

مندرجہ بالا اختلاف صرف اس بچّے کے پیشاب کے بارے میں ہے جو ابھی غذا نہیں کھاتا اور جو غذا، روٹی، چاول وغیرہ کھانے لگ جائے اس کا پیشاب تمام ائمہ کے نزدیک دھونا ضروری ہے۔

یہ جو حدیث مبارک میں آیا ہے کہ سرکار نے پانی منگوا کر بچّہ کے پیشاب پر چھڑک دیا اور پانی منگوا کر بچّے کے پیشاب پر ڈال دیا۔ پانی کثرت سے چھڑکنے اور کثرت سے ڈالنے سے بھی کپڑا صاف ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب کہ کپڑا موٹا اور اس قسم کا ہو کہ جس میں پانی جلد سرایت نہ کرتا ہو تو اوپر ہی پانی ڈال کر پاک کر لیا جاتا ہے۔ اور اس طرح کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔ مگر پیشاب کپڑے

---

[1] بخاری و مسلم [2] شرح نووی

میں سرایت کر جائے تو اس کا دھونا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری مسلمان خواتین کو بھی گھروں میں پابندیٔ وقت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی توفیق دے۔ آمین!

فلاح کا راستہ

بچّے ہر قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں، قوم مسلم کا سرمایہ بہت قیمتی ہے۔ اس کی حفاظت نہایت ضروری ہے ہر بچّہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے جس نہج پر چلا دیں وہ چل نکلتا ہے۔ اگر ماں باپ اسے حافظِ قرآن، عالمِ دین بنائیں گے تو حافظ و عالم بن جائے گا، نمازی اور پرہیزگار بن جائے گا۔ اور اگر والدین اس کی تربیت غیر اسلامی طریقے کے مطابق کریں گے تو وہ نافرمانِ والدین اور خدانخواستہ چور، ڈاکو، فاسق، فاجر، زانی، شرابی اور قاتل بھی بن سکتا ہے۔ لہذا آج غور کریں وقت ہے کہیں وقت ہاتھ سے نکل نہ جائے پچھتانا پڑے گا۔

آج اپنے بچّوں کو نماز کا عادی بناؤ، اہلِ علم کی مجالس میں جانے دو، مسجد و محراب سے اس کو منسلک کرو، کل تمہاری راحت کے ساماں ہونگے ورنہ دُنیا و آخرت میں پریشانی کا سامنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے بچّوں کی اسلامی تربیت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ فلاح یقیناً اسلام کے طریقوں پر چلنے میں ہے۔

حدیث نمبر ④

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوۃُ الْجَمَاعَۃِ تَفْضُلُ صَلٰوۃَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ دَرَجَۃً [1]

ترجمہ: عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز باجماعت تنہا نماز پر ستائیس درجہ فوقیت رکھتی ہے۔

نماز باجماعت کی فضیلت

اس حدیث مبارکہ میں ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باجماعت نماز پڑھنے کی طرف رغبت دلائی ہے اور اس کی فضیلت بیان فرماکر اُمّتِ مسلمہ پر یہ واضح کیا ہے کہ وہ اکیلے اکیلے نمازیں پڑھنے کی بجائے باجماعت نماز پڑھا کریں اور ظاہر ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے میں بہت سارے فوائد پنہاں ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:۔

① نماز باجماعت سے پابندی اوقات کے ساتھ کام کرنیکی طرف رغبت ہوتی ہے۔
② نماز باجماعت سے باہمی محبّت و پیار کی فضا قائم ہوتی ہے۔
③ نماز باجماعت سے ایک دوسرے کے حالات سے آگاہی ہوتی ہے۔
④ نماز باجماعت سے دوسروں (مسلمانوں) کو نماز کیطرف آنے کی دعوت ہوتی ہے۔
⑤ نماز باجماعت سے ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہونے کی طرف رغبت ہوتی ہے۔

نماز باجماعت سے ثواب بڑھ جاتا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت

---

[1] بخاری (کتاب الاذان)

ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے :۔

حضرت ابو سعید فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا نماز باجماعت اکیلے شخص کی نماز سے پچیس گنا افضل ہے[1]

بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ جان بوجھ کر جماعت فوت کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ مسلمان کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے نماز باجماعت ادا کرے۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نماز باجماعت پڑھنے کے بعد مسجد میں بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی ہانکتے رہتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات تو غیبت تک کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ اور حد یہ ہے کہ اسی امام (مسجد) کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں۔ اور پھر فوراً اسی کی غیبت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر کسی کو امام مسجد سے اختلاف ہو جائے تو اس کے پیچھے نماز پڑھ کر اس کی غیبت کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز ہی نہ پڑھی جائے تاکہ نمازیں ضائع نہ ہوں۔

علماء کرام کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے مقتدیوں پر شفقت کریں تاکہ ان کو شکایت کا موقع نہ ملے۔ مقتدیوں کو (نمازیوں کو) چاہیے کہ وہ اپنے علماء کی عزت اور عظمت میں قطعاً فرق نہ ڈالیں اگر کبھی اتفاقاً جماعت میں چند منٹ دیر بھی ہو جائے تو شور و غوغا برپا نہ کریں۔

پابندئ اوقات کی عادت

نماز باجماعت ادا کرنے سے ایک مسلمان میں پابندئ اوقات کے ساتھ کام کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ دنیا بھر کے لوگ اپنے کام کاج

---

[1] ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل بخاری، امام: صحیح بخاری کتاب الاذان ۔

کے لیے ٹائم ٹیبل (TIME TABLE) بناتے ہیں اور دن میں کئی کئی بار اپنے وقت کے چارٹ کو ملاحظہ کرتے ہیں تاکہ ہر کام وقتِ مقررہ پر انجام دے سکیں، مگر اسلام کی برکت اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّتِ عالیہ کی اہمیّت کا اس سے اندازہ فرمائیں کہ مسلمان کو باقاعدہ چارٹ بنانے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف نماز باجماعت کا پابند ہو جائے تو ہر کام خود بخود بروقت ہونے لگتا ہے اور بہت ساری مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ حدیث پاک میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ [1]

جس نے اس وقت میری سُنّت کو اپنایا جب میری اُمّت میں فساد برپا ہو گا اس کے لیے سَو شہید کا ثواب ہے۔

آج مسلمانوں نے اپنا شعار ترک کر دیا ہے اپنے آپ کو یورپ اور امریکہ کے کلچر (CULTCHER) میں رنگ کر صاحبِ عزّت سمجھتے ہیں حالانکہ اہلِ ایمان کی جملہ عزّتیں سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر عمل کرنے اور اپنے آپ کو مدنی کلچر میں رنگنے میں ہیں۔ ایک اور مقام پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:۔

اَیُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ قَالَ الصَّلٰوةُ عَلٰى وَقْتِهَا قَالَ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ قَالَ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ [2]

---

[1] بخاری و مسلم کتاب الصلوٰۃ [2] بخاری کتاب الصلوٰۃ

ترجمہ: یعنی کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے فرمایا بروقت نماز ادا کرنا، حضرت عبداللہ بن مسعود نے عرض کیا پھر، فرمایا والدین کے ساتھ نیکی کرنا۔ ابن مسعود نے پھر عرض کیا اس کے بعد، فرمایا جہاد فی سبیل اللہ۔

حدیث نمبر ۵

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ غَدَا اِلَی الْمَسْجِدِ اَوْ رَاحَ اَعَدَّ اللّٰہُ لَہٗ نُزُلَہٗ مِنَ الْجَنَّۃِ کُلَّمَا غَدَا اَوْ رَاحَ [۱]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح شام مسجد میں جائے اللہ اس کے لیے جنت میں صبح و شام مہمانی کا اہتمام فرمائے گا۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مومن کو صبح و شام مسجد میں جانا چاہیے۔ اصلاً صبح و شام فرمانے سے مراد یہی ہے کہ دن میں پانچ مرتبہ نمازِ پنجگانہ کے لیے مسجد میں جانا۔

مسجد میں جانے کا فائدہ

ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی خوبی سے ضرور نوازا ہوتا ہے اور لوگ اس کی عادت و خوبی سے واقف بھی ہوتے ہیں۔ کسی میں اللہ سچ بولنے کی قوت پیدا کر دیتا ہے اور وہ بندہ سچا ہونے میں دوسروں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔

---

[۱] ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، امام: صحیح بخاری کتاب الاذان

کسی انسان میں اللہ تعالیٰ خوش خُلقی کوٹ کوٹ کر بھر دیتا ہے۔ اور وہ انسان اپنی صفت حُسنِ خُلق کے باعث دوسروں میں جانا پہچانا جاتا ہے کسی کو اللہ تعالیٰ صبر کی نعمت سے مالامال کر دیتا ہے اور وہ انسان صبر میں یکتائے زمانہ ہو جاتا ہے اور کسی انسان کو اللہ تعالیٰ اپنی عبادت اور ذکر و فکر کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور وہ انسان دوسرے انسانوں کی نظر میں (مسلمانوں) میں صاحب عزّت و وقار بن جاتا ہے۔ اگر ان محاسن کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ یہ تمام خوبیاں اسی انسان میں پیدا ہوتی ہیں جس کا تعلق خدا کے نیک بندوں اور اللہ کی مساجد سے ہو جائے تو گویا مسجد ہی ایک ایسا مقام ہے جہاں سے انسان صحیح معنوں میں انسان اور مسلمان بننے کا درس لیتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے :-

"سب سے عمدہ جگہ مسجد ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ مسلمان کی صحیح روحانی تربیت مسجد میں ہی ہوتی ہے۔ اور روحانی انقلاب لانے کے لیے بھی یہی عظیم مرکز اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

(۱) مسجد میں جانے والے کو سچ بولنے کی توفیق مل جاتی ہے۔
(۲) مسجد میں جانے والا اچھے اخلاق کا پیکر بن جاتا ہے۔
(۳) مسجد میں جانے والا صابر بن جاتا ہے۔
(۴) مسجد میں جانے والے کو ذکر و فکر کی توفیق ملتی ہے۔
(۵) مسجد میں جانے والے کی عزّت اور وقار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔
(۶) مسجد میں جانیوالا رموزِ توحید و رسالت سے آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔
(۷) مسجد میں جانے والا اللہ و رسول کے فضل سے ہر بُرائی سے بچ جاتا ہے۔

مسجد سے دُوری کا نقصان

جہاں مسجد میں جانے سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ذکرِ ربّانی میں جی لگتا ہے، درود و سلام کی محافل میں شرکت کرنے کو جی چاہتا ہے، برائیوں سے بچنے اور نیکیاں کمانے کو جی چاہتا ہے وہاں (مسجد) خانۂ خدا سے دُوری بندے کو ذکر و فکر کی نعمت سے محروم کر دیتی ہے۔ ذکرِ خدا میں جی نہیں لگتا، درود و سلام کی محافل میں شرکت کی سعادت حاصل نہیں ہوتی اور نیکی و بدی کے تمیز تک کرنے کا شعور نہیں آتا۔

یہ سچ ہے کہ بندہ جس ماحول میں رہے، جس ماحول میں تربیت پائے جس ماحول میں اُٹھے بیٹھے، اسی کا اثر لیتا ہے۔ اگر ماحول خالصتاً نیک لوگوں کا ہوگا تو بندے کے رگ و پے میں نیکی کُوٹ کُوٹ کر بھر جائے گی۔ اور اگر ماحول ہی ایسے لوگوں کا میسّر آئے جن کو نیکی کی بجائے بَدی سے محبّت ہو تو پھر ایسا فرد جو بدلوگوں کی محبّت میں رہا ان سے نیکی کی توقع کرنا اور بُرائی سے نفرت کی اُمید رکھنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک اس بُرے ماحول کو بدل نہ دیا جائے۔ اس فرد کا تعلق اس ماحول سے نہ رہے۔ بس ان دو ہی صُورتوں میں انسان فلاح پا سکتا ہے۔ اگر ایک لمحہ بھر کے لیے ہم غور کریں تو یہ بات کھُل کر سامنے آجائے گی کہ ہمارے معاشرے کی اکثر برائیاں اس لیے ختم نہیں ہوتیں کہ ہمارا تعلق اس طبقۂ فکر سے نہیں جسکا تعلق اللہ کی مساجد سے ہو۔

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
مَن اپنا پُرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

تعلّق باللہ کا ذریعہ

یہ بات کبھی بھی فراموش نہیں کی جا سکتی کہ اللہ کی مساجد تعلّق باللہ کا ذریعہ ہیں یہ حقیقت

ہے کہ جب بندے پر کوئی مصیبت و پریشانی آتی ہے تو وہ مسجد کی طرف رجوع کرتا ہے۔ گویا اس کے دل میں یہ بات سما جاتی ہے کہ مسجد میں جانے سے اللہ تعالیٰ سے رابطہ و تعلق پیدا ہوگا اور یہ تعلق باللہ اس کے گناہوں اور کوتاہیوں کی معافی کا سامان بنے گا۔ جب سے مسلمانوں کا تعلق مساجد سے ٹوٹا ہے گویا اللہ تعالیٰ سے بھی ان کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ ورنہ اگر تعلق باللہ قائم ہوتا تو آج مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا قتل، بھائی کے ہاتھوں بھائی کی عزت خاک میں ملنا، فقط روپے پیسے کی خاطر ایمان و اسلام کو بیچ دینا، دنیوی مال کی خاطر سینکڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دینے سے دریغ نہ کرنا۔ اور اپنے ملک و ملت کے استحکام کو اپنے ہاتھوں برباد کرنے کی جسارت کرنا، یہ سب کچھ کبھی بھی نہ ہوتا۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

محبتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذریعہ

الحمد للہ آج کے گئے گزرے دور میں بھی مسلمان مختلف مواقع پر مساجد میں محافلِ میلاد، محافلِ درود و سلام اور مختلف دینی پروگراموں کا اہتمام کرتے رہتے ہیں۔ ان پروگراموں میں شریک ہونے والے خوش قسمت یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جس طرح کھیتی کو پانی نہ دیا جائے تو وہ تر و تازہ نہیں رہتی بلکہ مرجھا جاتی ہے اسی طرح اگر ایمان کی کھیتی کو (ذکرِ خدا) درود و سلام کی ایمان افروز برسات سے پانی بہم نہ پہنچے تو وہ کھیتی بھی سرسبز و شاداب نہیں رہتی۔ اس لیے مساجد ہی وہ مقامات ہیں جہاں سے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس ملتا ہے۔

لہذا مساجد میں منعقد ہونے والی محافلِ میلاد، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسوں اور دیگر دینی تقریبات میں شرکت کرنا چاہیے۔ بالخصوص اس وقت تو ضرور حاضر رہنا چاہیے جب کہ سب مسلمان مل کر دست بستہ اپنے آقا کے حضور یہ ہدیہ پیش کر رہے ہوں۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

رُوحانی مرکز

تمام مذاہب نے اپنے ماننے والوں کے لیے زندگی گزارنے کا ایک نظام مرتّب کیا ہے، مگر وہ تمام نظام ہائے زندگی محدود پیمانے کے ہیں۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لیے باقاعدہ اصلاحی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام مرتّب کیا ہے۔ باہمی محبت و پیار کو فروغ دینے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیّت پر پُختہ ایمان رکھنے کے حوالے سے اسلام نے پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے۔ اس فریضے کی ادائیگی کے لیے انفرادی اجازت تو دی ہے مگر اجتماعی طور پر نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے مسجد جیسے عظیم روحانی مرکز کا قیام عمل میں لایا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منوّرہ میں ہجرت کے بعد سب سے پہلے جو کام کیا وہ تعمیرِ مسجد ہی تھی۔

مسجد وہ جگہ ہے جس میں اہلِ ایمان دن رات میں کم از کم پانچ مرتبہ جمع ہو کر وحدتِ ملّت کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں یہی وہ مقام ہے جہاں بیٹھ کر اہلِ علم اُمّتِ مسلمہ کی فلاح کے لیے سوچتے ہیں اور درس و تدریس کے ذریعے لوگوں کو راہِ حق بتاتے ہیں جب تک ہمارا تعلق مساجد سے رہا اُمّتِ مسلمہ نے ساری دُنیا کی رہنمائی کی اور بڑے بڑے مجاہد مفکّر، محدّث، طبیب، عالم، سائنس دان پیدا کیے امام مالک، امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام محمد غزالی،

امام ابویوسف، امام محمد، امام فخر الدین رازی، نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، یہ سب اسی دور کے یادگار ہیں۔ آج بھی ملّت اسلامیہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت حاصل کرسکتی ہے بشرطیکہ وہ طبقہ جو مساجد سے دور ہوکر درسِ قرآن سے محروم ہوگیا ہے پھر مساجد کے قریب آئے اور درسِ قرآن سے شناسا ہو۔

گر درسِ قرآن نہ ہم نے بھلایا ہوتا
یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا

حدیث نمبر ⑥

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ ابْنُ نَصْرٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَمْرٌو اَنَّ اَبَا مَعْبَدٍ مَوْلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِيْنَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ كَانَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُنْتُ اَعْلَمُ اِذَا انْصَرَفُوْا بِذٰلِكَ اِذَا سَمِعْتُهٗ۔ [1]

ترجمہ: ابو معبد رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جب فرض نماز سے فارغ ہوتے تو زمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بلند آواز سے ذکر کرنا رائج تھا۔

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری کتاب الاذان باب الذکر بعد الصلوٰۃ؛

ابن عباس کہتے ہیں کہ جب میں ذکر سنتا تو جان لیتا کہ نمازی نماز سے فارغ ہو گئے ہیں۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر فرمایا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بلند آواز سے ذکر کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ سب مسلمانوں کو نماز کے فوراً بعد بلند آواز میں ذکر کرنا چاہیے۔

نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا

نماز کے فوراً بعد بلند آواز سے ذکر کرنا بخاری شریف کی مندرجہ بالا حدیث سے ثابت ہے۔ بعض لوگوں کو نامعلوم ذکر بآواز بلند کیوں راس نہیں آتا۔ حالانکہ اس کی ممانعت پر تو کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ بلکہ ذکر کرنا یقیناً سنّتِ رسول اور باعثِ ثواب و برکت ہے اور قرآن حکیم تو صاف فرماتا ہے کہ:-

مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا[1]

ترجمہ: جو رسول تمہیں عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں باز آجاؤ۔

جب ربّ العالمین صاف صاف فرما رہا ہے کہ جو کچھ رسول تمہیں دیں وہ لے لو۔ اور جس چیز سے تمہیں منع کریں اس سے باز آجاؤ۔ اب سمجھ میں نہیں آتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو نماز کے بعد ذکر بآواز بلند کرنے کا عملاً درس دیں مگر بعض لوگ پھر بھی نہ مانیں۔ بس یاد رکھیے جو ذکر بآواز بلند سے کرنے کو برا جاننے یا اس سے رد کے سمجھ لیجئے کہ وہ شخص سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک

---

[1] سورہ حشر آیت ۷

سنّتِ مطہرہ سے روکتا ہے اور یہ فیصلہ ہر صاحب شعور خود کر سکتا ہے کہ اس شخص کا وقار اور عزّت رہ ہی کیا جاتا ہے ؟ جو سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے سے مانع ہو۔ تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بچّوں کو نماز سکھائیں اور اس کے پڑھنے کی ترغیب دیں اور ذکر و فکر میں خود بھی مشغول رہیں اور اپنے بچّوں کو بھی اس کی رغبت دلائیں تاکہ ان کی اولاد ان کے لیے صدقہ جاریہ بنے آخرت میں نفع بخش ثابت ہو۔ اس جہانِ فانی میں انسان کی آمد کا مقصد ہی اللہ کی عبادت اللہ کی یاد، اللہ کا ذکر، اللہ کی حمد و ثنا اور اس کی تقدیس بیان کرنا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ۝[1]

اور میں نے جنّ اور انسان کو صرف عبادت کی غرض سے پیدا کیا ہے۔

اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ انسان اور جنّ کی دُنیا میں آمد کا مقصد یقیناً عبادتِ باری تعالیٰ میں مشغول رہنا ہے اور اسلام نے زندگی بسر کرنے کے لیے جو ہدایات عطا فرمائی ہیں وہ یقیناً بے مثل اور بے مثال ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رزقِ حلال کمانا بھی عبادت ہے ایک اور حدیث میں آیا ہے:

اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ۔

ترجمہ: حلال روزی کمانے والا اللہ کا دوست ہے۔

مختصر یہ کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے اور اس کی یاد میں مشغول رہیں گے تو بھلا ہمارا ہی ہوگا۔ ہم سب کو نماز پابندی سے باجماعت ادا کرنا چاہیے اپنے اخلاق عمدہ بنانے چاہئیں تاکہ ہم میں سے ہر فرد معاشرے کا ایک مثالی فرد بن سکے۔

---

[1] سورہ ذاریات آیت ۵۶

نماز کے بعد ذکر میں برکت

اسلام چونکہ اجتماعی مفاد اور اجتماعی محبت و پیار کا واحد علمبردار ہے اس لیے اس نے اجتماعیت کو انفرادیت پر ترجیح دی ہے، یعنی اسلامی نکتہ نظر سے، تو نیک کام جس قدر زیادہ لوگ (مسلمان) مل کر کریں گے۔ اس کام میں اتنی ہی زیادہ برکت ہوگی۔ اس کی بہترین مثال وہ حدیث مبارکہ ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، باجماعت نماز اکیلی نماز پر ستائیس درجے فوقیت کی حامل ہے۔[1]

ایک اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے، حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (حضرت ابو سعید نے سُنا) باجماعت نماز اکیلے آدمی کی نماز سے پچیس درجے افضل ہے۔[2]

ثابت ہوا کہ انفرادی ذکر سے اجتماعی ذکر بہرحال افضل ہے اور اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ نماز باجماعت کے بعد ذکر کرنا افضل ہے۔ اور اکثر پرانی مساجد پر یہ تحریر ہے کہ افضل الذکر لاالہ الاّ اللہ۔ الحمد للہ! ہم جس ذکر کو افضل سمجھتے ہیں اس کو مل کر نماز کے بعد کرنا بھی درست جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم مُسلمانوں کو ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب میں سُنتا کہ

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری، کتاب الاذان [2] ایضاً

جب میں لوگوں کو ذکر کرتے ہوئے سُنتا تو پتہ چل جاتا کہ نماز ختم ہو گئی ہے[1]

بلند آواز سے ذکر کرنے کی اہمیّت

بلند آواز سے ذکر کرنے کے بے شمار فضائل ہیں، مگر سب سے بڑی اہمیّت ذکر بالجہر کی یہ ہے کہ اس سے دوسروں کو ترغیب ملتی ہے اور ذکر اللہ کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی فطرت میں یہ بات ودیعت کر دی گئی ہے، کہ وہ جس ماحول میں رہے گا۔ اسی کا رنگ اس پر غالب ہو گا اور انہی طور طریقوں کو اپنائے گا۔ ظاہر ہے جب کوئی مسلمان اللہ کا ذکر بلند آواز سے سُنے گا تو یقیناً اس کے دل میں اللہ کے ذکر کی عظمت، اللہ کے ذکر کی اہمیّت، اللہ کے ذکر کی برکت، اللہ کے ذکر کی رغبت اور اللہ کے ذکر کی محبّت ہو گی۔ اب کون مُردہ دل ہے جو اتنی برکتوں اور رحمتوں کے باوجود اللہ کے ذکر کو بلند آواز سے کرنا نہ چاہے گا۔ ہر صاحبِ ایمان، ہر صاحبِ محبّت، ہر صاحبِ ذوق، ہر صاحبِ علم، ہر صاحبِ عقل اور ہر صاحبِ شعور ضرور چاہے گا کہ وہ اللہ کا ذکر بلند آواز سے کرے اور خفی ذکر کرنے والوں کو بُرا نہ کہے۔ اسی طرح ذکر خفی کرنے والے ذکر بالجہر کرنے والوں کو بُرا ہر گز نہ جانے۔ اس مسئلہ میں جھگڑا کرنے کی بجائے بخاری شریف کی اس حدیث مبارکہ کو جس کے راوی حضرت عبداللہ ابن عباس ہیں، صحیح مان کر ذکر بالجہر کی مخالفت کی بجائے اس پر عمل شروع کر دیا جائے تو بہت بہتر ہے اور اگر پھر یقین نہ آئے کہ ذکر اُونچی آواز سے کرنا جائز ہے تو پھر کم از کم مخالفت بند کر دی جائے۔ یہی انصاف کا تقاضا ہے۔

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، امام: صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ ٭

علّامہ بدرالدین عینی نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو داؤد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ کو خط لکھا کہ :۔

اَیُّ شَیْئٍ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا سَلَّمَ مِنَ الصَّلٰوۃِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے سلام پھیرتے تو کیا پڑھتے تھے۔

اس خط کے جواب میں حضرت مغیرہ بن شعبہ نے لکھوایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد لا الہ الا اللہ کا ذکر فرمایا کرتے۔ اس کی دلیل وہ حدیث پاک ہے۔ جو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے حضرت امیر معاویہ کے خط کے جواب میں لکھا:

عَنْ وَرَّادٍ کَاتِبِ الْمُغِیْرَۃِ ابْنِ شُعْبَۃَ قَالَ اَمْلٰی عَلَیَّ الْمُغِیْرَۃُ بْنُ شُعْبَۃَ فِیْ کِتَابٍ اِلٰی مُعَاوِیَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلٰوۃٍ مَکْتُوْبَۃٍ۔

ترجمہ: مغیرہ کے کاتب ورّاد بیان کرتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ نے مجھ سے ایک خط میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھوایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز فرض کے بعد پڑھتے تھے:۔

لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ۔

ترجمہ: اے اللہ جب تو کچھ عطا کرنا چاہے تو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور اگر تو نہ عطا کرنا چاہے تو کوئی دینے والا ہرگز نہیں۔

ان احادیث مبارکہ سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز فرض کے بعد باآواز بلند لاالہ الاّ اللہ کا ذکر فرماتے تھے۔ لہٰذا ہمیں بھی ہر نماز فرض پڑھنے کے بعد ذکر کرنا چاہیے۔ اور تمام ائمہ مساجد کو چاہیے کہ وہ نماز فرض پڑھانے کے بعد سُنّت سمجھ کر لاالہ الاّ اللہ کا ذکر کیا کریں۔

دینی ماحول

اسلام چونکہ آفاقی دین ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام ادیان پر غالب کرنے کا وعدہ فرمایا ہوا ہے اور یہ انشاء اللہ تمام ادیان پر غالب آکر رہے گا۔ وہ آج ہی آجائے یا زمانے کی ہزاروں کروٹوں کے بعد ہمیں تو اسلام کی سربلندی کے لیے کام کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہم پر ضروری ہے کہ ہم نماز کی پابندی کریں دوسروں کو نماز کی دعوت دیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی عملی زندگی لین، دین، کام کاج، اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے میں سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت مبارکہ کا خیال رکھیں۔ اپنے گھر کو خلاف شرع چیزوں سے پاک کریں اور گھریلو ماحول دینِ اسلام کے عین مطابق بنائیں تاکہ ہماری آئندہ آنے والی نسلیں عملی مسلمان بن سکیں۔ دل چونکہ ہر وقت اللہ اللہ کرتا رہتا ہے اس لیے صرف توجہ کی ضرورت ہے جب توجہ ہو گئی تو دل پر ایسا ذکر ہو گا کہ کوئی لمحہ غافل نہیں ہو گا۔ زبان بھی ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہے تو بہت ہی فائدہ مند عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیقِ عمل عطا فرمائے۔ آمین!

حدیث نمبر ۷

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً وَمَنْ رَاحَ فِی السَّاعَةِ الثَّانِیَةِ فَكَاَنَّمَا بَقَرَةً وَمَنْ رَاحَ فِی السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا اَقْرَنَ وَمَنْ رَاحَ فِی السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً وَّمَنْ رَاحَ فِی السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ بَیْضَةً فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی جمعہ والے دن غسلِ جنابت کیے پھر نماز کے لیے جائے تو گویا اس نے اونٹ کی قربانی دی اور جو شخص دوسری گھڑی میں گیا گویا اس نے ایک گائے کی قربانی کی اور جو تیسری گھڑی میں گیا گویا اس نے ایک سینگ والے دُنبے کی قربانی کی اور جو چوتھی گھڑی میں گیا گویا اس نے ایک مُرغی کی قربانی کی اور جو پانچویں گھڑی میں گیا تو گویا اس نے ایک انڈا (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا۔ پھر جب امام خطبہ دینے چلا جاتا ہے تو فرشتے خطبہ سننے کی غرض سے حاضر ہو جاتے ہیں۔

---

[1] بخاری، کتاب الجمعۃ۔

قرآن کریم میں جمعۃ المبارک کا ذکر آیا ہے اور اس (جمعہ) نام کی پوری سورہ اٹھائیسویں پارے میں موجود ہے۔ اسی سورہ مقدسہ کی آیت نمبر ۹ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نماز جمعہ کی صرف ایک آذان ہوتی تھی اور وہ بھی بوقت خطبہ، عہد صدیقی و فاروقی میں یہی رہی زمانہ عثمانی میں ایک اور آذان پڑھائی گئی۔ یعنی آذان اوّل، صحیح یہ ہے کہ اس پہلی آذان سے تجارت وغیرہ حرام اور تیاری جمعہ واجب ہو جاتی ہے[2]

اُمّتِ مسلمہ کی فضیلت

خدا کے فضل سے اُمّتِ مسلمہ کئی لحاظ سے دیگر اقوام و امم پر فضیلت رکھتی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے جمعۃ المبارک جیسی عظیم عبادت و نعمت عطا فرما کر جو فضیلت اس امت کو دی ہے اس کا کہنا ہی کیا ہے۔ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:۔

---

[1] سورہ جمعہ آیت نمبر ۹ - کنز الایمان:

[2] احمد یار خاں، مفتی حکیم الامت۔ تفسیر نور العرفان:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا (آقا علیہ السلام نے فرمایا) ہم (بعثت کے اعتبار سے آخری ہیں لیکن قیامت والے دن آگے آگے ہوں گے۔ صرف اتنی بات ہے کہ انہیں (یہود اور نصرٰی کو) ہم سے پہلے کتاب دی گئی پھر یہی ان کا دن ہے جس میں ان پر (جمعہ) فرض کیا گیا، لیکن انہوں نے اس سے اختلاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری راہنمائی فرمائی جس سے یہ لوگ ہمارے پیچھے رہ گئے۔ کل یہود (کی عبادت کا) کا دن ہے اور پرسوں نصاریٰ کا[1]

اللہ تعالیٰ نے امّت مسلمہ کو کس قدر نوازا ہے کہ انہیں جمعہ عطا فرمایا۔ حالانکہ یہود پہلے ہوئے مگر عبادت کا دن ہفتہ بعد میں ہے۔ نصاریٰ پہلے گزرے مگر ان کی عبادت کا دن اتوار بعد میں ہے۔ یہ بظاہر تو چھوٹی بات نظر آتی ہے مگر حقیقتاً یہ بڑی بات ہے اسی لیے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نہایت شان و شوکت اور عزت و عظمت سے ذکر فرمایا۔ یہ فضیلت اسی صورت میں قائم رہ سکتی ہے کہ ہم جمعۃ المبارک والے دن اپنے آپ کو فقط عبادتِ خدا تعالیٰ کے لیے تیار رکھیں۔ مساجد میں جلد پہنچیں تاکہ علماء کرام کا ایمان افروز بیان سُن سکیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جمعہ کا مقصد ہی اُمّت مسلمہ میں باہمی اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے لیے ایک مقدس جگہ جمع ہونا ہے، تاکہ اپنی کوتاہیوں سے اللہ کے حضور معافی مانگی جائے۔ اللہ سے آئندہ کے لیے نیک اعمال کرنے کی توفیق مانگی جائے۔

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، امام: صحیح بخاری، کتاب الجمعہ

جمعۃ المبارک والے دن کیا کریں؟

اس روز صبح سے ہی نمازِ جمعہ کی تیاری شروع کر دینی چاہیے۔ اپنے کپڑے دھو کر صاف ستھرے کر لینے چاہئیں اور اس کے علاوہ گھر یلو کام کاج سے جلد فارغ ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ نمازِ جمعہ کی پہلی آذان ہوتے ہی تجارت وغیرہ حرام ہو جاتی ہے۔ اس لیے وقت پر تیار ہو کر گھر سے نکلنا چاہیے تاکہ علماء کرام کا خطبہ نہایت اطمینانِ قلبی سے سُنا جا سکے۔

حدیث پاک میں ارشاد پاک ہے:۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ۔[1]

ترجمہ: عبداللہ ابن عمر روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی جمعہ کی نماز کے لیے آنا چاہے تو غسل کرے۔

اس حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ جمعہ والے دن غسل کرنا ضروری ہے تاکہ مومن خوب صاف ستھرا ہو کر اپنے ربّ کے حضور حاضر ہو اور اپنی سابقہ خطاؤں، غلطیوں اور گناہوں کی معافی مانگے اور آئندہ اپنے اندر محاسن جلیلہ پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ خوش خُلقی اور حُسنِ اخلاق کا زیور پہنے تاکہ اس کی شخصیّت ہر دلعزیز بن جائے۔

؎ فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری، کتاب الجمعہ

بعض لوگ جمعہ والے دن یا آگے پیچھے نعت شریف اور درود و سلام کو اچھا نہیں سمجھتے اور چونکہ کھل کر اس کی مخالفت تو کر نہیں سکتے، لہذا حیلوں بہانوں سے روک ٹوک کرتے رہتے ہیں اور اس قسم کے اعتراض کرنیوالے لوگ اوّلاً یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا صحابہ کرام نے مسجدوں میں ترنّم سے اشعار پڑھے ہیں؟ جو تم پڑھتے ہو تو ان کی خدمت میں التماس ہے کہ ہاں پڑھے ہیں، مگر آپ لوگوں کے علم میں وہ احادیث نہیں ہیں یا پھر جان بوجھ کر کتمانِ حق کیا جاتا ہے۔ لہذا ہم پہلے تو مسجد میں اشعار ترنّم سے پڑھنا صحابہ کرام سے ثابت کرتے ہیں اور پھر آپ کو بھی مساجد میں نعت کے اشعار اور درود و سلام ترنّم سے پڑھنے کی ترغیب دیں گے، بخاری شریف میں ہے :-

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ مَرَّ عُمَرُ فِي الْمَسْجِدِ وَحَسَّانُ يُنْشِدُ فَقَالَ كُنْتُ اُنْشِدُ فِيْهِ وَفِيْهِ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْكَ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلٰى اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ اَسَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَجِبْ عَنِّيْ اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ قَالَ نَعَمْ[1]

حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مسجد سے گزر ہوا تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ شعر پڑھ رہے تھے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روکا)، تو انہوں نے کہا کہ میں مسجد میں ایسے شخص کے سامنے جو تم سے بہت بہتر تھا (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) شعر پڑھا کرتا

---

[1] ابو عبداللہ، محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق باب ذکر الملٰئکۃ۔

تھا (اور آپ نے منع نہ فرمایا) پھر حضرت حسان ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں تم کو قسم دیتا ہوں کیا تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ میری طرف سے جواب دو اور اے اللہ ان کی تائید روح القدس سے فرما تو انہوں (یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) نے کہا ہاں!

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ مسجد میں نعت کے اشعار اور درود و سلام کو پڑھنا نہ صرف جائز ہے بلکہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی سُنّت بھی ہے لہذا سب اہل ایمان خوب ذوق و شوق سے مساجد میں محافلِ میلاد، محافلِ نعت محافلِ درود و سلام کا اہتمام کیا کریں اور بالخصوص جمعہ والے دن بعد از نماز سب مل کر یہ اشعار پڑھا کریں۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

مسجد میں جلدی آنا کبھی کبھی لوگوں کو یہ اعتراض کرتے سُنا گیا ہے، کہ خطباء وقت پر تقریر چھوڑ کر نماز نہیں پڑھاتے بلکہ اکثر دس پندرہ منٹ لیٹ کر دیتے ہیں۔ ایسے حضرات کے لیے بجائے خود کہنے کے مناسب ہوگا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل مبارک بتا دیا جائے تاکہ انہیں راہِ حق ملے اور وہ جنّت کا رستہ پالیں۔

لیٹ جمعہ پڑھنے آنیوالے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیا فرماتے ہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک مہاجر سابق آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

فَنَادَاهُ عُمَرُ اَيَّةُ سَاعَةٍ هٰذِهِ ؟

(حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پکارا کیا یہ آنے کا وقت ہے؟
اس صحابی نے جواباً عرض کیا اے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، میں ایک کام میں
لگ گیا اور ابھی گھر بھی نہیں گیا۔ آذان کی آواز سُنی اور بس وضو ہی کر پایا ہوں۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا صرف وضو کیا جب کہ آپ کو معلوم ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ جمعہ پڑھنے جو دیر سے آئے اسے امام
برملا پُوچھ سکتا ہے کہ تم دیر سے کیوں آئے ہو نہ یہ کہ مقتدی خود تو عین وقت پر
مسجد میں داخل ہو اور آتے ہی خطیب کو کہہ دے یا کہلوائے کہ وقت ہو گیا ہے
یہ بہت بُری حرکت ہے اس سے باز رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے علماء کی
عزّت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجدوں کے ہر دروازے پر
متعین ہو کر سب سے پہلے پھر اس کے بعد، پھر اس کے بعد اسی طرح ہر
آنے والے کو لکھتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ

فَاِذَا جَلَسَ الْاِمَامُ طَوَوُا الصُّحُفَ وَجَاءُوْا
يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ[1]

ترجمہ: جب امام (خطبہ کے لیے) ممبر پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ اپنے

(حاشیہ صفحہ سابقہ) [1] ابو عبداللہ، محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری، کتاب الجمعہ
باب فضل الغسل یوم الجمعہ۔ (حاشیہ صفحہ موجودہ) [1] ابو عبداللہ، محمد بن اسمٰعیل البخاری
امام: صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق باب ذکر الملئکۃ۔

دفتروں کو بند کر لیتے ہیں اور خطبہ سنتے ہیں۔

اس فرمانِ رسول سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمازیوں کو امام سے قبل آنا چاہیے تاکہ خطبہ ہی مقتدیوں کے ہوتے ہوئے شروع ہو۔ لیکن ہمارے زمانے میں خطیب سے پہلے مقتدیوں کا آنا تو درکنار وہ تو بیچارے اس وقت آتے ہیں جب خطیب اپنے خطبے کو سمیٹ رہا ہوتا ہے اور اس پر طرّہ یہ کہ اتنا لیٹ آکر بھی اُلٹا احسان خطیب پر دھرتے ہیں کہ ہم جمعہ پڑھنے آتے ہیں۔ اور کئی نا عاقبت اندیش تو بھری مسجد میں گھڑی دکھانے کا کام شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے میرا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ امام و خطیب کو وقت کی پابندی نہیں کرنی چاہیے بلکہ پابندی تو ضروری ہے ہی مگر عوام کو بھی جلد آنا چاہیے۔ اور یہ بھی حق ہے کہ خطیب صحیح معنوں میں بیان ہی تب کر پاتا ہے جب سامعین موجود ہوں۔

ظاہر و باطن کی صفائی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا تقاضا یہ ہے آپ کی مبارک زندگی کے شب و روز کا مطالعہ کیا جائے اور پھر اپنی زندگی کے شب و روز کا جائزہ لیا جائے کہ ہماری زندگی کس حد تک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے تابع گزر رہی ہے۔

انسان متلوّن مزاج واقع ہوا ہے۔ یہ ایک حال میں خوش نہیں رہتا چونکہ ہفتہ بھر مختلف قسم کے احوال اس کو درپیش رہتے ہیں اور جس طرح ظاہری جسم پر گرد و غبار پڑے تو یہ آلودہ ہو جاتا ہے اسی طرح اگر دل کی صفائی نہ ہو تو یہ بھی آلودہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح ظاہری جسم کی صفائی کے لیے پانی ضروری ہے اسی طرح باطن یعنی دل کی صفائی کے لیے اللہ کے ذکر کی ضرورت ہے قرآن و حدیث کے فیضان کے چشمہ سے جو غسل ہوتا ہے وہ دل کی تمام آلودگیوں کو نہ صرف

دُور کرتا ہے بلکہ اسے قوی بنا دیتا ہے اور خوب صاف ستھرا کر کے چمکا دیتا ہے۔
جمعۃ المبارک کا وعظ یقیناً ایک مسلمان کو باطنی طہارت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اللہ
تعالیٰ پابندی کے ساتھ خطبۂ جمعہ سُننے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

حدیث نمبر ⑧

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ زَيْدِنِ الْمَازِنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَيْنَ
بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید مازنی سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر اور میرے
منبر کے درمیان جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

اس حدیث مبارکہ کی تشریح میں صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں اس
خطّے، ریاض الجنّۃ کو جنّت میں منتقل کیا جائے گا یا اس میں عبادت کرنا ایسے
ہے جیسے جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ میں عبادت کی۔ یا اس کو ایسا
باغ بنایا گیا ہے گویا کہ یہ حلقہ ذکر ہو۔ اس میں فرشتے انسان اور جنّ ہمیشہ
ذکر کے لیے جمع رہتے ہیں گویا وہ جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ
ہے۔ نزولِ رحمت کے اعتبار سے پھر وہ مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں یہ خطّہ
ریاض الجنّۃ ایسے ہی جنّت سے منتقل ہوا ہے جیسے حجرِ اسودؔ اور واپس جنّت
میں ہی منتقل ہو گا۔

---

[1] ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل البخاری، امام: صحیح بخاری، باب فضل ما بین القبر والمنبر۔

جنّت کا ٹکڑا

حضرت علّامہ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی اسی حدیث مبارکہ کی تشریح میں فرماتے ہیں اہل تحقیق کا کہنا ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میری منبر اور میرے گھر کے درمیان جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے"؛ اس کلام کو حقیقت پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی یہ خطّہ واقعی حقیقی جنّت کا حصّہ ہے اور یہاں جنّت الفردوس الاعلیٰ سے منتقل کیا گیا ہے۔ ساری زمین کی طرح یہ (قیامت کے دن) تباہ نہ ہوگا۔

علّامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ اکثر محدّثین یعنی علماء حدیث کا کہنا ہے، کہ اس جگہ (ریاض الجنّہ) کو بعینہٖ جنّت میں منتقل کر دیا جائے گا۔[1]

ان اقوال محدّثین کرام سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر مبارک اور حجرۂ اقدس کے مابین جو جگہ ہے وہ حقیقتاً جنّت کا ٹکڑا ہے۔ اب میں عرض کروں گا کہ اگر نظرِ انصاف سے دیکھا جائے تو کون مُردہ دل ہے جس کا جنّت میں جانے کو جی نہ چاہے۔ ہر مومن کی خواہش ہے کہ وہ جنّت میں جائے، تو کیوں نہ مدینہ منوّرہ حاضر ہو کر سرکار مدینہ کے روضۂ اطہر کی زیارت کر کے ریاض الجنّہ میں داخل ہو کر حقیقی جنّت میں داخلے کا لطف اُٹھایا جائے۔ جو لوگ مُنہ کھول کر یہ کہہ دیتے ہیں یا اپنی کتابوں میں لکھ دیتے ہیں کہ سرکارِ مدینہ کے درِ اقدس کی حاضری ضروری نہیں ہے اور پھر اپنی دلیل قائم کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ان (مسلمانوں) بے وقوفوں کو کون سمجھائے کہ حج مکّے میں ہوتا ہے مدینے میں نہیں۔[2]

---

[1] عبدالحق دہلوی، محدّث، محقق: حاشیہ بخاری [2] کس قدر ستم ظریفی ہے کہ یہ عقائد ڈاکٹر مسعودالدین عثمانی نے اپنے پمفلٹوں میں جابجا لکھے ہیں خاص طور پر "یہ مزار یہ میلے" ملاحظہ کریں۔ اللہ عقائدِ باطلہ سے بچنے کی توفیق دے۔ آمین! ❊

یہ بجا ہے کہ حج مکّے میں ہوتا ہے مگر وہ یہ کیوں بھول گئے کہ اس حج پر مقبولیت کی مہر مدینہ طیبہ سے لگتی ہے۔

سرزمینِ مدینہ طیّبہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے مدینہ منورہ کے فضائل بیان فرماتے ہیں آپ نے مسلمانوں کو مدینہ منورہ کی حاضری کی ترغیب دلائی ہے اور انکے دلوں میں اپنے مقدّس شہر کی عظمت جاگزیں کی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مدینہ طیبہ سے وہاں تک حرم ہے نہ اس کا درخت کاٹا جائے اور نہ اس میں کوئی بدعت کی جائے جو اس میں کسی بدعت کا ارتکاب کرے اس پر اللہ اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے[1]

اس حدیثِ مبارک سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں مکہ حرم خدا ہے وہاں مدینہ حرمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ لہذا حرمِ نبی کی زیارت کو جانا بہت اجر و ثواب کا باعث ہے۔ اگر کوئی ہم سے بحث کرے گا کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے تو ہم صرف اتنا عرض کریں گے۔

طیبہ نہ سہی افضل مکّہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے[2]

بخاری کی ایک اور روایت میں ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ دونوں سنگلاخ میدانوں کا درمیانی حصہ میری زبان سے حرم کیا گیا ہے[3] حضرت ابوہریرہ

---

[1] ابوعبداللہ، محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری، ابواب العمرہ ؛
(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر اس سرزمین میں مَیں ہرن چرتا ہوا دیکھوں تو اُسے ہرگز نہ ڈراؤں گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"لَا بَیْتُهَا حَرَامٌ"[1] دونوں سنگلاخ میدانوں کے درمیان ہے۔"

غیب کی خبریں

یہ سچ ہے کہ نبی ہوتا ہی وہ ہے جو غیب کی خبر دے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عطا سے غیب پر مطلع ہیں یعنی علمِ غیب جانتے ہیں۔ بخاری شریف میں ہے:۔

سُفیان بن زہیر روایت کرتے ہیں مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا۔ یمن فتح ہوگا۔ ایک قوم اپنی سواری لے کر آئے گی اور اپنے اہل وعیال اور اپنے پیروکاروں کو ساتھ (یمن) لے جائے گی حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہت بہتر تھا اگر انہیں علم ہوتا"۔ اس کے بعد فرمایا۔ "شام فتح ہوگا ایک جماعت سواری پر آئے گی اور اپنے اہل وعیال اور پیروکاروں کو ساتھ لے جائے گی، حالانکہ اگر وہ جانتے ہوتے تو مدینہ ہی ان کے لیے بہتر تھا"۔ پھر فرمایا: "عراق فتح ہوگا ایک گروہ سواری پر آئے گا اور اپنے اہل وعیال اور پیروکاروں کو ساتھ لے جائے گا حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہت بہتر تھا اگر وہ جانتے ہوتے"۔[3]

تاریخ اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ یمن، عراق اور شام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے بعد دَورِ صدیقی وفاروقی میں فتح ہوئے لیکن ہمارے پیارے آقا نے اس کی خبر بہت پہلے دی۔ ظاہر ہے کہ نبی قیاس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) [2] حدائق بخشش از امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [3] بخاری۔ ابواب العمرہ

آرائی سے تو کام نہیں لیتا، بلکہ جو کچھ کہے وہ حق ہوتا ہے اور اگر قیاس ہو تو غلط بھی ہو سکتا ہے لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو بول نکلے وہ حق ہے اور ہر غیبی خبر کا تعلق یقیناً عطائی علمِ غیب سے ہے۔

نبی کے مُنہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی
جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کے رہی

یاد رہے کہ اُمتِ مسلمہ کا جو عقیدہ سرکارِ مدینہ سے متعلق غیب کے جاننے میں ہے وہ یوں ہی ہے کہ آپ اللہ کی عطا سے غیب جانتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ[1]

ترجمہ: غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے[2]

اس آیت کریمہ نے واضح کر دیا کہ رسول، اللہ کی عطا سے غیب دان ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو خواص علوم غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے۔

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"ایمان مدینہ میں اس طرح سمٹ کر آئے گا جس طرح سانپ سمٹ کر اپنی بل میں آتا ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے:۔

عائشہ بنتِ سعد روایت کرتی ہیں، مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سورہ جن آیت نمبر ۲۶-۲۷ [2] کنز الایمان

کو فرماتے سُنا جو شخص اہلِ مدینہ کو دھوکہ دے گا وہ اس طرح گھُل جائے
گا جس طرح نمک پانی میں گھُل جاتا ہے۔

ان احادیث مبارکہ نے اس امر کو خوب واضح کر دیا ہے کہ مدینہ منوّرہ ایک ایسا عظیم و جلیل شہر ہے جس کی عظمت، جس کی رفعت، جس کی شان، جس کی معراج اور جس کی شوکت دُنیا کے تمام شہروں پر فائق ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے گھر اور منبر کے درمیان جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

یاد رہے کہ جو سرکار کا گھر تھا یعنی حجرۂ عائشہ صدیقہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہی آج گنبدِ خضریٰ ہے۔ وہیں سرکار تشریف فرما ہیں اور اہل ایمان کا عقیدہ ہے کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں۔ اور یہ عقیدہ قرآن و حدیث اور اقوال صحابہ کرام، اولیاء عظام سے ثابت ہے۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
میری چشمِ عالم سے چھُپ جانے والے

شانِ مدینہ منوّرہ

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ انسان کو جس چیز سے جس جگہ سے جس ذات (شخصیت) سے محبت ہو جائے وہ اس کی عزّت، اس کی عظمت، اس کی شان، اس کی شوکت، اس کی رفعت، اس کی بلندی، اس کی معراج، اس کی برکت اور اس کی ترقی چاہتا ہے۔ امام الانبیاء علیہ السلام کو اپنے مدینے سے بہت زیادہ محبت ہے۔ اسی بناء پر آپ نے کئی مرتبہ اس شہر کی عزّت و عظمت اور بزرگی کے لیے دُعا فرمائی چنانچہ بخاری شریف میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِیْنَۃِ ضِعْفَیْ مَاجَعَلْتَ بِمَکَّۃَ مِنَ الْبَرَکَۃِ [1]

ترجمہ: اے اللہ جو برکت تُو نے مکہ میں رکھی ہے مدینہ میں اسے دوچند کر دے۔

اس پیاری پیاری دُعا کو پڑھنے کے بعد اس بات کا کامل احساس ہوتا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ سے بے حد محبت ہے اور ہمیں اس کی محبت و عقیدت دل میں جاگزیں کروا رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانوں اس شہر سے مجھے بے پناہ محبت ہے۔ اسی لیے تو میں اس کی برکت مکہ مکرمہ سے دوگنا چاہتا ہوں۔

مولانا حسن رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

طیبہ کے ہوتے ہوئے خُلدِ بریں کیا کروں حسنؔ
مجھ کو یہی پسند ہے مجھ کو یہی عزیز

اس حدیث مبارکہ سے بعض اہلِ علم نے یہ استدلال کیا ہے کہ مکہ مکرمہ (مسجد حرام) میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نماز کا ملتا ہے، تو مدینہ منورہ میں اس سے بھی دُگنا یعنی دو لاکھ نماز کا ثواب ملتا ہے۔ اب ذرا اپنے ایمان سے فتویٰ لیجیے کسی مفتی کے ہاں جانے کی ضرورت نہیں کہ آیا حج کے بعد مدینہ منورہ جانا چاہیے یا کہ نہیں؟ یقیناً جواب یہی ہوگا کہ

---

[1] ابو عبداللہ، محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری ابواب العمرہ۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو ٭ کعبہ تو دیکھ چکے اب کعبے کا کعبہ دیکھو

کائنات کا کوئی ذرہ محبوبِ خدا سے پوشیدہ نہیں

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیارا شہر مدینہ منورہ ہر اعتبار سے افضل و اعلیٰ ہے ہر صاحب ایمان کے دل میں اس شہر کی بے پناہ محبت ہے اور ہو بھی کیوں نہ کہ آخر ہر مسلمان کے ایمان کی جان کا شہر ہے۔

در نبی پر جبیں ہماری، جھکی ہوئی ہے جھکی رہے گی
ہمارے سینے سنہری جالی، لگی ہوئی ہے لگی رہے گی
جلوری سیکھو نبی کے در پر، میرا نبی ہے کرم کا پیکر
شہر مدینہ دھوم گھر گھر مچی ہوئی ہے مچی رہے گی
عمل سے خالی ہیں گرچہ دامن مگر ہمارا یہی ہے ایمان
نبی کی رحمت سے فرد عصیاں دھلی ہوئی ہے دھلی رہے گی

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے ساری کائنات پر چھائے ہوئے ہیں، کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ہمارے پیارے آقا علیہ السلام کا جلوۂ نبوت موجزن نہ ہو۔ ہم نے کبھی اپنے پیارے آقا پر کائنات کو حاوی نہیں جانا بلکہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ کائنات پر آپ کی ذات والا صفات حاوی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَاِلٰی مَاھُوَ کَائِنٌ فِیْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ کَفِّیْ ھٰذِہٖ[1]

---

[1] علی المتقی البرھان فوری الامام کنز العمال مکتبۃ التراث الاسلامی جلد ۱۱ ص ۳۷۸

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے ساری دُنیا کو اُٹھا کر میرے سامنے کر دیا اور میں نے اس کو دیکھا اور وہ سب کچھ دیکھا جو قیامت تک ہوگا ایسے دیکھا جیسے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کا مشاہدہ اس طرح فرما رہے ہیں جیسے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھا جاتا ہے۔ کسی فرد کی ہاتھ کی ہتھیلی کا کوئی حصہ اس سے پوشیدہ نہیں ہوتا بعینہٖ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کائنات کا کوئی گوشہ پوشیدہ نہیں ہے۔ آپ کل کائنات کے ذرّے ذرّے کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ کے غلاموں کی فہرست میں شمار فرمائے۔ آمین!

حدیث نمبر ⑨

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں جو اپنے رخسار پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی باتیں کرے۔

قرآن کریم فرقان مجید میں کئی مقامات پر اہل ایمان کو صبر کی تلقین کی گئی

---

[1] لطم ای ضرب۔ یعنی پیٹنا مارنا وغیرہ [2] بخاری کتاب الجنائز باب لیس منا من شق الجیوب۔

اوران کی تسلّی کی خاطر ربّ تعالیٰ نے صاف فرمایا:۔

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ[1]

ترجمہ: بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ○ الَّذِيْنَ إِذَآ أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○[2]

ترجمہ: اور خوشخبری سناؤ ان صبر والوں کو جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو کہتے ہیں ہم اللہ کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔

یہ حدیث مبارکہ جو ابھی ابھی آپ کی نظر سے گذری ہے اس میں پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اہم اور ضروری ہدایات عطا فرمائی ہیں اسلامی معاشرے کے ایک فرد (مسلمان) کو مصائب و آلام کے وقت کس انداز سے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:۔ "آپ نے فرمایا صبر تو دراصل وہ ہے جو صدمہ کے ابتدائی لمحوں میں ہو[3]"

ہر ذی شعور یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ انسان کو سب سے زیادہ صدمہ اور غم اسی وقت لاحق ہوتا ہے جب اُسے کسی آفت و مصیبت کی اچانک اطلاع ملے اگر اس وقت انسان صبر کے دامن کو تھامے رہے تو خدا تعالیٰ اس کو اپنی معیّت عطا فرماتا ہے جس کا اعلان وہ قرآن

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۱۵۳ [2] سورہ بقرہ آیت ۵۶-۱۵۵۔

[3] ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری: صحیح بخاری کتاب الجنائز:

میں فرما چکا ہے ابھی ابھی یہ آیت آپ نے پڑھی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے :-

"اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

گریبان پھاڑنا

اس کائنات میں انسان اللہ تعالیٰ کی سب سے افضل واعلیٰ مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ انسان کو بے پناہ خوبیاں عطا فرمائی ہیں اگر وہ اس دُنیا میں اللہ و رسول کے احکامات پر عمل پیرا ہو جائے تو یقیناً یہی جنت کا راستہ ہے اور اسی پر چل کر وہ جنت الفردوس میں پہنچ سکتا ہے، قرآن کریم نے بار بار صبر کی تلقین کی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور سے فرمایا کہ "جو شخص اپنے مُنہ کو پیٹے گا وہ ہمارا نہیں ہوگا اور جو گریبان پھاڑے گا وہ بھی ہمارا نہیں۔

اصلاً اس فرمانِ رسول میں بہت بڑی حکمت یہ ہے کہ مصیبت کے وقت غیر مسلم اگر ایک مسلمان کو بے صبری جزع فزع کرتا دیکھے گا تو وہ متاثر ہونے کی بجائے اُلٹا متنفر ہوگا، لیکن اگر وہ غیر مسلم غم والم میں مسلمان کو صبر کی تصویر بنے ہوئے دیکھے گا تو اسے احساس ہوگا کہ واقعی جس دین کا پیرو ہے وہ اطمینانِ قلب فراہم کرتا ہے۔ لہذا دلائل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ گریبان پھاڑنا، پیٹنا، بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے زبان سے بے معنی الفاظ نکالنا سب غلط و ناجائز ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچنے کی توفیق دے۔ آمین!

بے صبری کا مظاہرہ

اسلام جو سلامتی کا دین ہے اس کا ہر قانون اور ضابطہ انسان اور انسانیت کی فلاح کے لیے ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں اسلام نے ہمیں کامل طریقے سے ہدایات نہ دی ہوں اسی لیے تو ہم کہتے ہیں :-

(Islam is a Complete Code of Life)

ظاہر ہے جب اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے پھر اس کے سنہری قوانین پر عمل کرنا چاہیے اس میں ہم سب کی بھلائی ہے۔ صراطِ مستقیم دراصل وہی راستہ ہے جو سرکارِ مدینہ کی سنّتِ عالیہ سے ہمیں میسّر آیا ہے۔ اور یہی راستہ جنّت کو جاتا ہے۔ اگر آپ جنّت میں جانا چاہتے ہیں تو آئیے اس راہ پر گامزن ہو جائیے جو قرآن و حدیث کی روشنی میں اہل حق نے ہمارے لیے متعیّن کی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبر، تحمل، محبّت، پیار، اتحاد، اتفاق اور یک جہتی کا درس دیا اور فرمایا میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔

کتابُ اللہِ وَسُنّتِی۔ اللہ کی کتاب اور اپنی سنّت۔

اگر ان دونوں کو تھامے رہو گے تو سربلند رہو گے گویا اس دُنیا میں سربلندی اور عظمت و شان کا مدار اس بات پر ہے کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ عالیہ پر کس قدر عمل کرتے ہیں، سرکارِ مدینہ نے فرمایا جو بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے زمانۂ جاہلیت کی طرح گریبان پھاڑنا، رُخسار پیٹنا شروع کر دے وہ ہمارا نہیں۔ لہٰذا اس بُری حرکت سے ہمیشہ بچنا چاہیے:

بوقتِ غم آنسو بہانا

حدیث پاک میں پیٹنے، گریبان پھاڑنے اور نوحہ کرنے سے روکا گیا ہے۔ بعض لوگ رونے کو بھی معیوب جانتے ہیں حالانکہ غم کے وقت رونا نہ صرف جائز بلکہ سُنّت ہے ہاں اس رونے میں ایسے کلمات زبان سے ہرگز نہ نکلیں جن سے اللہ و رسول کی شان میں کمی آئے جس طرح عام طور سے عورتیں روتے وقت بین کرتی ہیں اور یہاں تک کہہ ڈالتی ہیں "ہائے اللہ تجھے ترس نہ آیا اور ہائے اللہ تُو نے یہ کیا (معاذ اللہ) ظلم کیا ہے۔ ایسے کلمات کا زبان سے نکالنا

منع ہے۔ رہا آنسو بہانا تو حدیث صحیح میں آیا ہے :۔

"حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ابو یوسف لوہار کے گھر گئے جو جناب ابراہیم (فرزند رسول) کی آیا کا شوہر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم کو لے کر پیار کیا انہیں سُونگھا بعد ازاں ابو یوسف کے پاس گئے اور ابراہیم دم توڑ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بولے یا رسول اللہ آپ رو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے عوف کے بیٹے یہ تو رحمت و شفقت ہے، پھر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ اشکبار اور دل غمگین ہے مگر زبان سے وہی کہیں گے جس سے ہمارا ربّ راضی ہے اور اے ابراہیم تمہارے ہجر میں ہم غمگین ہیں[1]"

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ غم و الم کے موقع پر آنسو بہانا، رونا اور غمگین ہو جانا یہ ایک فطری عمل ہے جس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور نہ ہی ایسے موقع پر کسی کو آنسو بہانے اور غمگین ہونے سے باز رکھا جا سکتا ہے ہم صرف اتنا جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :۔

"اور جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔" (سورہ حشر آیت نمبر ۷)

سب مسلمانوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ ہم سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کریں اور اپنی زندگی کے ہر ہر شعبے میں قوانینِ اسلام کا نفاذ کریں، جس

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری، کتاب الجنائز۔

نظامِ زندگی کو بطورِ ایمان ماننا ہے اس کو عملاً بھی اپنا لیں تاکہ ہماری دُنیا و آخرت سنور جائے اور اللہ کے حضور حاضر ہو کر شرمندہ نہ ہونا پڑے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے محبوب پاک کے طفیل اُمّت مسلمہ پر رحم فرمائے، آمین!

مومن کا مقصدِ حیات

یہ زندگی فانی ہے اور آخرت والی زندگی باقی ہے، ہمیں اس باقی اور لافانی زندگی کے لیے تیاری کرنا چاہیے۔ وہ بندہ بڑا ہی عقل مند ہے جو اپنی صحت و تندرستی کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور اپنے دل کے سکون کے لیے یادِ الٰہی میں رہتا ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ سکونِ قلب اللہ کی یاد میں ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ[1]

سُن لو اللہ کی یاد ہی میں دِلوں کا چین ہے ؂

افسوس سے لکھنا پڑ رہا ہے کہ آج مسلمان سکونِ قلب وہاں تلاش کرتا پھرتا ہے جہاں سکون نام کی کوئی شئے نہیں ہوتی بلکہ وہاں تو صرف بربادی ہی بربادی ہے۔ آج کا مسلمان سینما جانے کو تفریح قرار دے رہا ہے۔ وی سی آر کو اپنی زینت سمجھتا ہے اور ڈش انٹینا کو اپنی راحت تصوّر کرتا ہے، حالانکہ یہ چیزیں ہلاکت خیز ہیں۔ مومن کی زندگی چونکہ اللہ کے رنگ میں رنگی ہوتی ہے، اس لیے اسے اپنے ربّ کی رضا کے حصول کے لیے کام کرنا ہوتا ہے۔ اور وہ ایسے اعمال سے قطعاً پرہیز کرتا ہے جن کے سبب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ناراض ہوتے ہیں، لہٰذا اہلِ ایمان کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ اعمالِ صالحہ کو اپنا مقصدِ حیات تصوّر کرتے ہیں اور ہر کام آخرت کی جواب دہی کو پیشِ نظر رکھ کر

---

[1] سورہ رعد آیت نمبر ۲۸ ؂

کرتے ہیں۔ بے صبری کا مظاہرہ ایک مؤمن کے شایان شان ہی نہیں اس لیے اسے ہر حال میں بے صبری جزع فزع سے احتراز کرنا چاہیے اور صبر و استقلال کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہیے یہی مومن صالح کی پہچان ہے۔

واسطہ پیارے کا ایسا ہو کہ جو سنی مرے
یوں نہ فرمائیں ترے شاہد کہ وہ فاجر گیا
عرش پر دھومیں مچیں مؤمن صالح ملا
فرش سے ماتم اُٹھے طیب و طاہر گیا

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہمارے اس دُنیا سے رُخصت ہو جانے کے بعد اللہ کے بندے ہمیں اچھے لفظوں میں یاد کریں اور ہماری مغفرت کی دُعا کرتے رہیں (آمین، ثم آمین)

میری ہستی کا گماں جب خاک میں مل جائے گا
یاد تازہ ہوگی مری زیست کی تصویر سے
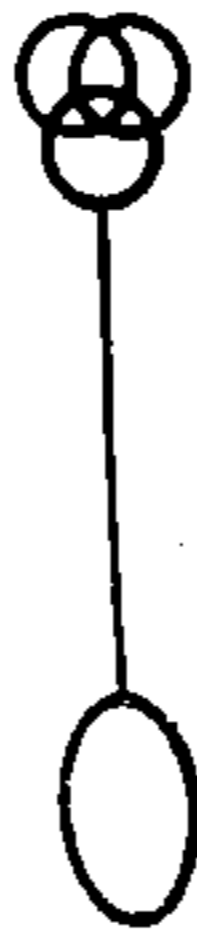
حدیث نمبر ۱۰

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْنُقُ نَفْسَهٗ یَخْنُقُهَا فِی النَّارِ وَالَّذِیْ یَطْعَنُهَا یَطْعَنُهَا فِی النَّارِ [1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنا گلا گھونٹ کر مرتا ہے وہ جہنم میں اپنے آپ کو گلا گھونٹ کر مارتا رہے گا۔ جو نیزہ مار کر خود کو قتل کرتا ہے وہ جہنم میں اپنے آپ کو نیزہ مارتا رہے گا۔

اس حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ایک بہت بڑی نعمت "زندگی" کا ذکر ہے اور جو اس کو خود ضائع کر ڈالے یعنی خودکشی کرے اس کی سزا بیان ہوئی ہے۔ واقعی زندگی مِنْ جَانِبِ اللّٰهِ ایک بہت بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کا کفران یقیناً اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ زندگی نعمتِ عظمیٰ ہے اس کو خود ختم کر ڈالنا اپنے اوپر تو ستم ہے ہی، مخلوقِ خدا پر بھی ظلم کرنے کے مترادف ہے۔

خودکشی حرام ہے

چونکہ زندگی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بہت بڑی نعمت ہے اس لیے اس کو خود اپنے ہاتھوں ختم کرنا گناہ کبیرہ اور عمل حرام ہے۔ مانا کہ اس جہانِ فانی میں انسان پر بڑے بڑے سخت لمحات آتے ہیں۔ مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں۔ ظلم و ستم کے دروازے کھلتے ہیں۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ اجیرن ہو جاتا ہے،

---

[1] بخاری، کتاب الجنائز ص ۱۸۲

انسان اپنے ہی ہاتھوں اپنی زندگی ختم کرنے کی سوچنے لگتا ہے مگر صبر و تحمّل کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے آڑے موقع پر وہ یہ سمجھے اور باور کرے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں انبیاءکرام ،صحابہ کرام اور اولیاءعظام پر اس سے بھی کڑے اوقات آئے، مگر وہ ثابت قدم رہے۔صبر اور تحمل سے کام لیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی کرم نوازی اور مہربانی کے دروازے کھول دیئے اور وہ دین و دنیا میں شاد ہو گئے۔ یہ جو آئے دن اخبارات میں خودکشی کے واقعات کا تذکرہ آتا ہے اگر ان کا بغور جائزہ لیا جائے تو یقیناً بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جان دے دینا۔ حالاتِ زمانہ کا مقابلہ نہ کر سکتے ہوتے جان دے دینا' استقلال کا دامن چھوڑ کر جان دے دینا، کسی کے سر چڑھ کر جان دے دینا' بزعم خویش محبّت و عشق کے نام پر جان دے دینا اور اس جہاں میں گویا اپنی مثال قائم کرنے کا گماں رکھنا، یہ سب غلط اور بے سُود ہے اللہ ورسول نے اس کام اور ایسے فعل کو حرام قرار دیا ہے لہذا خودکشی کرنے سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہیے ہاں اگر مصائب و آلام حد سے بڑھ جائیں اور پیمانۂ صبر لبریز ہو جائے تو اہلِ علم، علماءدین اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے انشاءاللہ ان دین والوں کی بیٹھک کا اثر یہ ہو گا کہ اس (غموں کے مارے ہوئے) کا غم کافور ہو جائے گا۔ اور اس جہانِ فانی میں کچھ کر جانے، کوئی نیک کام انجام دے جانے کو جی چاہے گا۔

نعمتِ عظمیٰ کا کفران

ایک حدیث مبارکہ میں آیا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو، کچھ مانگو تو جنّت الفردوس مانگو، لمبی عمر صحت و تندرستی والی مانگو اور نیکیاں کثیر کرنے کی توفیق مانگو، زندگی یقیناً ایک انمول نعمت

ہے اس کی حفاظت ضروری ہے۔ مگر بعض ناعاقبت اندیش قسم کے لوگ دُنیا
میں ذراسی ناکامی کے باعث موت کے مُنہ میں جانے کا سوچنے لگتے ہیں مثلاً
کسی سے عشق ہوگیا اور اس میں ناکامی پر خودکُشی کرنے پر تل جانا اور یہ سمجھنا
کہ ہم اس دُنیا میں معزز ہو جائیں گے خودکُشی کرنے والے اکثر افراد کا نظریہ
یہی ہوتا ہے ۔

محبّت میں تو ناکام رہے ہے ٭ اَب دُنیا میں تو نام رہے ہے

سچ یہ ہے کہ اگر محبّت اللہ ورسول سے کی جاتے تو کبھی ناکامی کا سوال
ہی پیدا نہیں ہوتا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ہزاروں نہیں کروڑوں
بلکہ لاتعداد بھلائیاں ہیں۔ حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش
رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں نقل کرتے ہیں۔

علی بن عثمان ہجویری حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
ابتداً حضرت عبداللہ بن مبارک ایک نوعمر لڑکی پر فریفتہ ہو گئے ایک رات
اپنے ساتھیوں سے اُٹھے اور ایک دوست کو ہمراہ لے کر معشوقہ کی دیوار
کے نیچے آکر کھڑے ہوئے محبوبہ وقت مقررہ پر برسرِ بام آئی اور صبح تک
دونوں ایک دوسرے کے مشاہدہ میں محو کھڑے رہے۔ جب آپ نے نمازِ فجر
کی اذان سُنی تو خیال کیا نمازِ عشاء کی آذان ہے جب دن روشن ہوا تو
آپ کو معلوم ہوا کہ ساری رات تو محبوبہ کے مشاہدہ میں محو ہو کر گزری
ہے۔ اس بات سے ان کو ایک سخت تنبیہ حاصل ہوئی اور دل میں کہنے
لگے اے مبارک کے بیٹے تجھے شرم آنی چاہیے آج ساری رات تُو خواہشِ
نفس کے لیے کھڑا رہا اور پھر بھی تُو بزرگی چاہتا ہے اور اس کے برعکس
اگر امام نماز میں ذرا لمبی سورہ پڑھ لے تو تُو دیوانہ ہو جاتا ہے اس

دعوائے ہوائے نفس کے مقابلہ میں تیرا دعویٰ ایمان کہاں ؟ چنانچہ آپ نے
اسی وقت توبہ کی۔ علم کی تلاش میں مشغول ہو گئے۔ زہد و دیانت اختیار
کی اور آخر کار ایسے بلند مرتبہ ہوئے کہ ایک دفعہ آپ کی والدہ نے باغ میں
جا کر دیکھا کہ آپ سو رہے ہیں اور ایک بہت بڑا سانپ نیاز بو کی ٹہنی منہ میں
لیے آپ پر سے مکھیاں ہٹا رہا ہے[1]

قرآن حکیم کی سورہ جاثیہ میں رب کریم فرماتا ہے :-

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ[2] اللہ پرہیز گاروں کا دوست ہے۔

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے :-

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ الْعَبْدَ نَادٰى جِبْرِيْلَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَاَحْبِبْهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ يُنَادِیْ جِبْرِيْلُ فِیْ اَهْلِ السَّمَآءِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهُ اَهْلُ السَّمَآءِ لَهُمْ يُوْضَعُ لَهُ الْمَقْبُوْلُ فِی الْاَرْضِ[3]

ترجمہ : ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو پسند کرتا ہے تو
جبریل علیہ السلام کو آواز دیتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے فلاں کو اپنا
محبوب بنا لیا ہے تو بھی اُسے یار بنالے۔ تو جبریل بھی اسے محبوب بنا لیتے

---

[1] علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، کشف المحجوب۔
[2] سورہ جاثیہ آیت نمبر ۱۹ [3] بخاری، کتاب بدء الخلق ؛

ہیں پھر جبریل علیہ السلام تمام اہل آسمان میں اعلان کرتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ فلاں کو اپنا محبوب بنا چکا تم بھی اسے محبوب بنا لو۔ تو آسمان والے بھی اسے دوست بنا لیتے ہیں اور اس سے محبّت کرنے لگتے ہیں، پھر دُنیا میں اس کی مقبولیت پیدا کر دی جاتی ہے۔

اس حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ ولی اللہ بہت مقام و مرتبے کا مالک ہوتا ہے جس سے اللہ محبت کرے۔ حضرت جبریل علیہ السلام محبّت کریں تمام اہلِ اسلام محبّت کریں اور تمام اہلِ زمین محبّت کریں اس سے بڑھ کر مرتبہ کس کا ہوگا۔ یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں دکھاؤ اللہ نے یہ فرمایا ہو کہ میں ولیوں کا دوست ہوں۔ بھئی یہ بات کرنے والا تو جاہل ہی ہو سکتا ہے۔ ولیوں کا مقام قرآن کی نص سے ثابت ہے اور ان کی مقبولیّت کل کائنات میں ہے۔ یہ حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ قرآن کریم سورہ جاثیہ کی آیت نمبر ۱۹ اور بخاری شریف کی حدیث ابھی ابھی آپ نے پڑھی ہے۔ ایمان سے کہیے کیا اس سے ولیوں کی اللہ کے ہاں مقبولیت کا ثبوت نہیں ملتا۔ یقیناً ملتا ہے۔

مخلوقِ خدا پر ظلم

خودکشی کرنے والا اپنے اوپر تو ظلم کرتا ہی ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کا یہ عمل مخلوقِ خدا پر بھی ظلم کرنے کے مترادف ہے وہ ایسے کہ خودکشی کرنے والے کے ماں باپ ہوں گے۔ بہن بھائی ہوں گے۔ دوست یار ہوں گے اور عزیز و اقرباء ہوں گے۔ اس کے مرنے سے جو ان سب افراد پر گزرے گی اس کا ذمّہ دار بھی یہ خودکشی کرنے والا ہی ہوگا۔ اس لیے اگر موت خودکشی سے نہ ہوتی تو مذکورہ بالا سب حضرات پر وہ پریشانی اور غم و الم مسلّط نہ ہوتا جو خودکشی سے مرنے والے کی موت سے ہوگا۔ پھر یہ بھی عین ممکن ہے خودکشی کرنے والے کے مرنے کے بعد لوگ

اس کے دوستوں میں سے کسی کو اس کے گھر والوں میں سے کسی کو یا اس کے عزیز و اقارب میں سے کسی کو مورد الزام ٹھہرائیں تو پریشانی اور بڑھ جائے گی۔ بہر حال ہر مسلمان کو وہ جوان ہو یا بوڑھا خودکشی جیسی نازیب حرکت سے بچنا چاہیے اگر کوئی کہے کہ تقدیر ایسے ہی تھی تو جواب قلندر لاہور سے سُنیئے :۔

تیرے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں
تُو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے

خُودکُشی کی سزا

جب خودکُشی حرام ہے تو یقیناً اس جرُم کا ارتکاب کرنے والے کو سزا بھی ہوگی۔ چنانچہ بخاری شریف میں ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جس نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی عمداً قسم کھائی تو وہ وہی کچھ ہے جو اس نے کہا۔ جس نے خودکُشی کی اپنے آپ کو کسی ہتھیار سے قتل کیا اس کو جہنم میں اسی ہتھیار سے عذاب دیا جائے گا۔

حجاج بن منہال نے جریر بن حازم، حسن اور جُندب کے حوالہ سے اس مسجد میں بیان کیا کہ نہ ہم بھولے اور نہ ہمیں خوف ہے کہ جندب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ روایت کریں گے ایک شخص جو زخمی تھا اس نے اپنے آپ کو مار ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے اپنی جان خود ہی دے دی اس لیے مَیں نے اس پر جنّت حرام کر دی ہے۔[1]

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، امام الجامع الصحیح بخاری کتاب الجنائز صہ ۱۸۲ :

ہاں مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے :۔

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے ایک شخص نے بھی ہجرت کی، پھر مدینہ کی ہوا ان کو ناموافق ہوئی وہ شخص جو طفیل کے ساتھ آیا تھا بیمار ہوا اور تکلیف کے باعث اس نے کسی ہتھیار سے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ لیے دونوں ہاتھوں سے خون بہنے لگا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ پھر طفیل بن عمرو نے اس کو خواب میں دیکھا اس کی شکل اچھی تھی، مگر دونوں ہاتھوں کو چھپائے ہوئے تھا۔ طفیل نے پوچھا تیرے ساتھ تیرے رب نے کیا سلوک کیا؟ اس نے جواب دیا اللہ نے مجھے بخش دیا اس لیے کہ میں نے ہجرت کی تھی اس کے نبی کی جانب، طفیل نے کہا کیا وجہ ہے میں دیکھتا ہوں کہ تو نے اپنے ہاتھ چھپائے ہوئے ہیں۔ اس نے کہا حکم ہوا ہے کہ ہم ان کو درست نہیں کریں گے جن کو تو نے خود بگاڑا ہے۔ پھر یہ خواب طفیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اے اللہ اس کے دونوں ہاتھوں کو بھی بخش دے جیسے تو نے اس کے سارے بدن پر رحم کیا ہے"[1]

اس حدیث مبارک کی تشریح میں امام نووی فرماتے ہیں :۔ اس حدیث میں دلیل ہے، اس بڑے قاعدے کی جو اہلسنت نے قرار دیا ہے کہ جو شخص خودکشی کرلے یا کوئی اور گناہ کرے پھر توبہ کئے بغیر مر جائے تو وہ کافر نہیں ہے اور نہ ضروری ہے کہ وہ

---

[1] مسلم کتاب الایمان۔ شرح نووی

جہنم میں جائے بلکہ وہ خدا کی مشیت پر ہے اور قاعدہ ہے کہ گنہگاروں کو عذاب ہوگا اور گناہوں سے نقصان پہنچتا ہے اس حدیث کی روشنی میں علماء کرام نے خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت دی ہے بلکہ اللہ سے دعا ہے وہ سب مومنوں کو راہِ ہدایت پر قائم رکھے اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا پکا غلام بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

آج کا معاشرہ

آج مسلم معاشرہ جن مشکلات سے دوچار ہے وہ کسی صاحبِ عقل سے پوشیدہ نہیں ہر شخص اپنے نجی مفادات کے تحفّظ میں لگا ہے اسے اس بات کی قطعاً کوئی فکر ہی نہیں کہ نجی تحفّظ کبھی اجتماعی تحفّظ کی ضمانت نہیں ہوتا ہاں البتہ اجتماعی تحفّظ نجی تحفظ کا ضامن ہوتا ہے۔ اُمّتِ مسلمہ جب بامِ عروج پر پہنچی تھی، اس وقت وہ اجتماعی سوچ، اجتماعی تحفّظ اور اجتماعی مفاد کی حامل تھی، اہلِ ایمان ہمیشہ دوسروں کا خیال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دوسروں کے جذبات کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین!)

حدیث نمبر ⑪

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اَنْ یَّھُوْدِیَۃً دَخَلَتْ عَلَیْھَا فَذَکَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ فَقَالَتْ لَھَا اَعَاذَكِ اللّٰہُ عَذَابَ الْقَبْرِ فَسَالَتْ عَائِشَۃُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَقَالَ لَھَا عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ قَالَتْ عَائِشَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا فَمَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدُ صَلّٰی صَلٰوۃً اِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ[1]

ترجمہ: سیّدہ عائشہ صدیقہ روایت کرتی ہیں ایک یہودی عورت نے میرے پاس آکر عذابِ قبر کا ذکر کیا اور کہا اللہ تمہیں عذابِ قبر سے محفوظ رکھے۔ سیّدہ نے رسول اللہ صلی اللہ سے عذابِ قبر کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا ہاں عذابِ قبر برحق ہے' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس کے بعد ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے بعد عذابِ قبر سے پناہ مانگتے دیکھا۔

اس حدیث مبارکہ سے مرنے کے بعد کے احوال و واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں کو عذابِ قبر سے بچنے اور آخرت کے لیے تیاری کرنے کا درس دیا ہے۔ عقل مند انسان وہی ہے جو

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری کتاب الجنائز ؛

اس دنیوی زندگی کے مقابلے میں اُخروی اور دائمی زندگی کو ترجیح دے۔

عذابِ قبر برحق ہے

نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پہ عذابِ قبر کے متعلق بتا دیا کہ وہ برحق ہے اور ضرور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل عذابِ قبر سے محفوظ فرمائے (آمین)

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مرنے والے کو قبر میں زندہ کیا جاتا ہے، اس سے سوال و جواب کیے جاتے ہیں اور بے ایمان لوگوں کو عذاب بھی دیا جاتا ہے بلکہ ایک حدیث مبارکہ میں تو یوں بھی آیا ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عذابِ قبر کا ذکر فرمایا تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہر شخص کو عذابِ قبر ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں، مگر مومن کو عذابِ قبر ایسا ہوتا ہے جیسے سر میں درد ہو رہا ہو اور شفیق ماں سر کو آہستہ آہستہ پیار سے دبا دے۔

جب عذابِ قبر برحق ہے تو لازم ٹھہرا کہ مرنے کے بعد انسان کو قبر میں زندگی دی جاتی ہے اس سے بحث نہیں کہ وہ کس طرح کی ہوتی ہے۔ بہر حال یہ ثابت ہے کہ مرنے والے سنتے ہیں جیسا کہ بخاری کی ایک روایت میں ہے :-

ابن عمر روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنوئیں میں جھانکا جہاں مقتولین بدر پڑے تھے فرمایا کیا تم نے خدا کا وہ وعدہ سچا پایا آپ سے کہا گیا کہ آپ مُردوں کو پکارتے ہیں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سنتے (البتہ) وہ جواب نہیں دے سکتے۔[1]

---

[1] ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری ؛

اس حدیث مبارکہ نے ثابت کر دیا کہ مُردے سُنتے ہیں البتہ وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے اور یہی اس اور اُس عالم کے نظام میں فرق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس طرح جواب نہیں دے سکتے جس طرح وہ ظاہری زندگی میں دیا کرتے تھے۔ یہ باتیں فقط لکھنے پڑھنے تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ ایک نہ ایک دن ہمیں بھی اس جہاں کی طرف لوٹ جانا ہے جہاں سے ہم آئے تھے۔

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سائے تلے
حشر تک سوتا رہے گا خاک کے سائے تلے

اے مُسلمان! تو اس عارضی زندگی میں اس قدر مصروف کیوں ہو گیا ہے کہ تجھے تیری اصلی زندگی بھُول کر رہ گئی ہے تو اس عارضی زندگی کو سنوارنے کے لیے کیا کچھ نہیں کر گزرتا مگر کبھی اپنی اُخروی اور ہمیشہ والی زندگی کے بارے میں بھی غور کیا ہے کہ وہ کس طرح سنورے گی۔ وہ کس طرح عمدہ ہوگی، وہ کس طرح اعلیٰ بنے گی، وہ کس طرح آرام دہ ہوگی، وہ کس طرح راحت کا سامان بنے گی وہ کس طرح مسرّت کا پیغام بنے گی، وہ کس طرح فرحت کا سامان بنے گی اور وہ کس طرح شادمانی و کامرانی کا نظارہ پیش کرے گی، اُخروی زندگی کا سنورنا، اُخروی زندگی کا عمدہ ہونا، اُخری زندگی کا اعلیٰ ہونا، اُخروی زندگی کا آرام دہ ہونا، اُخروی زندگی کا راحت بخش ہونا، اُخروی زندگی کا کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہونا اس طرح ممکن ہے کہ ہم اس کے لیے عمل صالح کریں اللہ و رسول کی اطاعت کریں اور اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ پیارے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت عالیہ کے مطابق بسر کریں۔ یہی وہ راستہ ہے جو سیدھا جنّت کو جاتا ہے۔

جب ہمارے اندر خود احتسابی کا جذبہ پیدا ہوگا تو ہم دوسروں کی غیبت،

دوسروں کا گلہ، دوسروں کا شکوہ، دوسروں کی کمزوریوں کا تذکرہ اور دوسروں کے عیوب کا ذکر بند کر کے اپنے آپ کو صحیح مسلمان بنانے کی کوشش کریں گے، جب ہم اس راہ پر چل نکلیں گے تو کامرانی ہمارے قدم چومنے کو اپنی سعادت سمجھے گی اور ہم دُنیا میں ہر میدان میں کامیاب ہوں گے اور آخرت میں بھی سرفراز ہو جائینگے۔

عذابِ قبر سے پناہ

قبر میں جانے سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا، کوئی بڑے سے بڑا عالم ہو یا بڑے سے بڑا زاہد، کوئی بڑے سے بڑا عالم ہو یا بڑے سے بڑا مفکّر، کوئی بڑے سے بڑا محدّث ہو یا بڑے سے بڑا ادیب، کوئی بڑے سے بڑا محقق ہو یا بڑے سے بڑا مفسّر، کوئی بڑے سے بڑا لیڈر ہو یا بڑے سے بڑا بادشاہ۔ آخر سب کو مر کے قبر میں جانا ہی پڑے گا اور قبر کے احوال سے معاملہ بھی ضرور ہوگا۔ لہٰذا اے مومن غور کیا کر کہ وہ مقام کیسا ہے جہاں سب تجھے اکیلا چھوڑ کر واپس لوٹ آئیں گے۔

ہائے غافل وہ کیا جگہ ہو گی جہاں
پانچ جاتے ہیں چار پھرتے ہیں[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام میں عذابِ قبر کا ذکر فرمایا، بخاری شریف میں ہے:۔

"اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو عذابِ قبر کا ذکر فرمایا جس میں انسان مبتلا کیا جاتا ہے جب آپ نے بیان فرمایا تو مسلمان چیخنے لگے"۔[1]

رُوح اور جسم کا باہمی تعلّق

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ زندگی کے لیے رُوح اور جسم کے باہمی تعلق کو مرکزی

---

[1] ابو عبداللہ، محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام، صحیح بخاری، کتاب الجنائز
[2] حدائق بخشش

حیثیت حاصل ہے اگر رُوح کا تعلق جسم سے قائم نہ رہے تو انسان مُردہ قرار پاتا ہے، اور اس کے کفن دفن کا انتظام کیا جاتا ہے، لیکن مرنے کے بعد قبر میں انسان کو دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے۔ رُوح لوٹائی جاتی ہے۔ جیسا کہ حدیثِ مبارکہ میں آیا ہے :۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان جب قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور لوگ مڑنے لگتے ہیں تو وہ جوتوں کی آواز سُنتا ہے:' پھر فرمایا :۔

اَتَاہُ مَلَکَانِ فَاَقْعَدَاہُ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) فَیَقُوْلُ اَشْھَدُ اَنَّہٗ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ[1]

ترجمہ : دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اس کو بٹھا کر پوچھتے ہیں اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تم کیا کہا کرتے تھے وہ کہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

اس کے بعد اس سے کہا جاتا ہے کہ دوزخ میں اپنی جگہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے تجھے جنّت عطا فرما دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ یہ دونوں ٹھکانے دیکھتا ہے اور کافر یا منافق کہتا ہے مجھے (چنداں) معلوم نہیں میں تو وہی کہتا ہوں جو لوگ کہتے ہیں۔ اسے کہا جائے گا نہ تو تُو نے جانا اور نہ سمجھا، پھر لوہے کے ہتھوڑے اس کے کانوں کے درمیان مارے جاتے ہیں اور وہ چیختا ہے اس چیخ کو جنوں اور انسانوں کے سوا

---

[1] ابو عبداللہ، محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام : صحیح بخاری، کتاب الجنائز :

آس پاس کی تمام چیزیں سُنتی ہیں[1]

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ قبر میں سوال و جواب ہوتے ہیں اور یہ بھی لازم ہوا کہ قبر میں مُردے کو زندہ کیا جاتا ہے جو لوگ حیات فی القبر کے منکر ہیں وہ بہت بڑی غلط فہمی میں ہیں انہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ قرآن و حدیث اس بارے میں کیا کہتے ہیں یا پھر جانتے ہوئے بھی نہیں مانتے تو اور بھی مجرم ہوئے کہ علم میں خیانت کر کے اپنا ستیاناس کر رہے ہیں جس طرح ڈاکٹر عثمانی نے اپنے پمفلٹوں میں اس قسم کی مالایعنی باتیں کی ہیں سارے سلف صالحین کو (معاذ اللہ) مشرک و کافر بنایا ہے۔ انشاء اللہ اس کے باطل عقائد کا ردّ دلائل و براہین کے ساتھ اس کتاب کے مکمل ہونے کے بعد لکھ دیا جائے گا تاکہ عوام تصویر کا دوسرا رُخ دیکھیں اور خود فیصلہ کر سکیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا؟ بخاری شریف میں ہے:۔

عَنْ صَالِحٍ حَدَّثَنِیْ نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَخْبَرَہٗ قَالَ اَطَّلَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَھْلِ الْقَلِیْبِ فَقَالَ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّکُمْ حَقًّا فَقِیْلَ لَہٗ اَتَدْعُوْا اَمْوَاتًا فَقَالَ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْھُمْ وَلٰکِنْ لَا یُجِیْبُوْنَ[2]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنوئیں میں جھانکا جہاں مقتولین بدر پڑے تھے فرمایا،

---

[1] ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی، کتاب الصلوٰۃ۔

[2] ابو عبداللہ، محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری، کتاب الجنائز۔

کیا تم نے رب کا وعدہ سچا پایا؟ آپ سے کہا گیا آپ مُردوں کو پکارتے ہیں فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سُنتے (البتہ) وہ جواب نہیں دے سکتے۔

اس حدیث مبارکہ نے واضح طور پر بتا دیا کہ مُردے سُنتے ہیں۔ یہاں ایک بڑا پُرلطف نکتہ ذہن نشین کر لیجئے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام مشرکینِ عرب کے سرداروں ابو جہل، عُتبہ، عُتیبہ، شیبہ اور ولید وغیرھم کی بابت فرمایا ہے کہ وہ سب قتل ہونے کے بعد بلکہ جب ان کی لاشیں گل سڑ گئی تھیں اس وقت بھی کلام سُنتے ہیں۔ اب اندازہ لگائیے جب مرنے کے بعد کافر و مشرک بھی سُنتا ہے تو مومن، ولی اللہ پھر انبیاء کرام اور امام الانبیاءؑ کی قوّتِ سماعت کا عالم کیا ہو گا، پھر کیوں نہ کہوں :۔

دُور و نزدیک کے سُننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد مُردہ کوئی بات نہیں سُن سکتا محض غلط ہے بلکہ حق یہ ہے کہ مرنے والا دفن کر کے واپس جانے والوں کی جوتیوں کی آہٹ تک سُنتا ہے[1]

اس حدیثِ مبارکہ کو سُننے کے بعد جب مخالفینِ حیاتِ انبیاء کرام کے پاس کوئی جواب نہیں رہتا تو کہتے ہیں یہ جو قلیبِ بدر میں مقتولینِ جنگ نے کلام سُنا ہے وہ بطور معجزہ تھا کہ ان کی رُوحیں لوٹا دی گئیں تھیں۔ سُبحان اللہ! ہمارا عقیدہ پھر واضح ہوا کہ اگر مشرکین کی تذلیل کرنے کے لیے رُوحیں لوٹائی جا سکتی ہیں تو محبوب کی شانِ کریمی اور رحمۃ اللعالمینی کا اظہار کرنے کے لیے آپ

---

[1] ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری، کتاب الجنائز

کی رُوح کیوں نہیں لوٹائی جا سکتی۔ اہلِ ایمان کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے آقا حیات ہیں آپ پر موت آئی مگر وقوعِ موت کے بعد پھر حیاتِ ابدی عطا کر دی گئی ہے

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات مثلِ سابق وہی جسمانی ہے [1]

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عذاب قبر کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اور نہ ہی مرنے کے بعد کوئی بندہ حشر سے پہلے زندہ ہوگا قیامت والے دن ہی لوگ زندہ کئے جائیں گے اس سے پہلے اگر عذاب قبر مان لیا جائے تو قبر میں زندگی ماننا ضروری ہے جو ناممکن ہے۔ اس لیے کہ قیامت والے دن ہی زندگی دوبارہ ممکن ہو سکے گی۔ بڑی سادگی اور متانت کے ساتھ ہم جواب عرض کریں گے کہ مرنے کے بعد قیامت سے پہلے زندگی ہے، قرآن کریم نے سورہ بقرہ میں بیان کیا ہے:۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ [2]

ترجمہ: اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ہرگز تمہارا یقین نہ لائیں گے جب تک اعلانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں تو تمہیں کڑک نے آلیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر مرے پیچھے ہم نے تمہیں زندہ کیا کہ کہیں تم احسان مانو۔

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: حدائق بخشش [2] سورہ بقرہ آیت ۵۵-۵۶

ان آیاتِ مقدسات سے واضح ہوا کہ مرنے کے بعد قیامت سے پہلے زندگی ممکن ہے جیسا کہ ان آیتوں سے ظاہر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد قیامت سے پہلے کسی کو زندہ کر دے تو یہ ہرگز ناممکن نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ کئی موقعوں پر لوگوں کو مرنے کے بعد قیامت سے پہلے دوبارہ زندگی عطا کر دی گئی۔ اسی طرح اگر قبر میں دوبارہ زندگی عطا کر دی جائے اور سوال و جواب کے وقت بندے کو زندہ کر لیا جائے تو یہ ہرگز خلافِ قرآن و حدیث نہ ہوگا۔

دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ الخ [1]

ترجمہ : یا اس کی طرح جو گزرا ایک بستی پر اور وہ چھتوں کے بل گری پڑی تھی بولا کیونکر جلائے گا اللہ اس کی موت کے بعد تو اللہ نے اسے مُردہ رکھا سَو (۱۰۰) برس پھر زندہ کر دیا فرمایا تو یہاں کتنا ٹھہرا عرض کی دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا کچھ کم فرمایا نہیں بلکہ تجھے سو برس گزر گئے۔

سورہ بقرہ کی آیت ۲۵۹ نے تو مسئلہ کو بڑی صراحت سے حل کر دیا کہ

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۲۵۹ ؛

مرنے کے بعد اسی جہاں میں دوبارہ زندگی ممکن ہے اگر یہ کہا جاتے کہ وہ زندگی بطور معجزہ تھی تو ہم نہایت ادب سے گذارش کریں گے کہ بحث اس میں نہیں ہے کہ زندگی بطور معجزہ ہے یا کہ غیر معجزہ، ثابت تو صرف یہ کرنا ہے کہ آیا مرنے کے بعد قیامت سے پہلے زندگی ممکن ہے یا کہ نہیں تو ہم نے نص (قرآن حکیم کے واضح عبارت) پیش کی ہے۔ یہ واقعہ حضرت عزیز علیہ السلام کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیز علیہ السلام پر پورے سو سال کے لیے موت طاری کر دی اور پھر زندگی عطا فرمادی اور یہ زندگی اس عالمِ دُنیا میں عطا ہوئی اور قیامت تو ابھی تک (ماہ شعبان ۱۴۱۷ھ) نہیں آئی۔

حدیث نمبر ⑫

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ جِهَادٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ۔ [1]

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ افضل عمل کون سا ہے؟ فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ عرض کیا گیا پھر؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ عرض کیا گیا اس کے بعد؟ فرمایا حج مبرور (مقبول)۔

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری، کتاب المناسک ؛

نیک اعمال کرنے کی طرف رغبت دلائی ہے۔ پہلے اللہ ورسول پر ایمان لانا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا اور آخر میں حج بیت اللہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اُمّت کو اعمالِ صالحہ کی ترغیب دی ہے۔

اللہ ورسُول پر ایمان سب سے افضل عملِ صالح یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ان کی دل و جان سے اطاعت کرے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: "اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔"[1] ایک اور جگہ فرمایا جس نے رسول کی اطاعت کی درحقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی۔[2] یاد رہے کہ فقط اللہ کو مان لینے سے بندہ ایمان دار نہیں ہو جاتا۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالتِ عامہ کا اقرار نہ کرے۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ
بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ[3]

ترجمہ: اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائے اور وہ ایمان والے نہیں۔

اس آیت کریمہ نے واضح انداز میں ثابت کر دیا کہ ایمان جس چیز کا نام ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کو مان لینے، یومِ قیامت کو مان لینے، حساب کتاب کو مان لینے، سزا و جزا کو مان لینے، تمام انبیاء علیہم السلام

---

[1] سورہ العمران آیت ۳۲ [2] سورۃ النساء آیت نمبر ۸۰

[3] سورہ بقرہ آیت نمبر ۷

کو مان لینے، ملائکہ کرام کو مان لینے اور کتابوں کو مان لینے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ ان تمام چیزوں کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لینے کا نام ایمان ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں پر مر مٹنے کا عزم بالجزم کر لینے کا نام ایمان ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت عالیہ پر عمل پیرا ہونے کا نام ایمان ہے۔ سرکار مدینہ کی خداداد شان و شوکت کو دل و جان سے تسلیم کر لینے کا نام ایمان ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تمام معاملات میں حاکم مان لینے کا نام ایمان ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ [1]

ترجمہ: تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

رسول اللہ کا حکم مانو

اس آیت کریمہ میں ہمارے پیارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خداداد شانِ بے مثال کا اظہار ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگ ان آیات مقدسات کو پڑھنے کے باوجود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانوں کا انکار کرتے ہیں۔ یہاں تک کہہ دیتے ہیں (معاذ اللہ) "رسول کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے"۔[2] اس طرح کی باتوں سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ رسول کے چاہنے

---

[1] سورۃ النساء آیت نمبر ۶۵ [2] بخاری کتاب الانبیاء

سے ہم جنّت میں جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری شفاعت نہ فرمائیں گے ہم اپنے اعمال پر ناز کرتے ہوئے قطعاً بہشت میں نہ جائیں گے۔ حدیثِ شفاعت میں اس کا تفصیلاً ذکر موجود ہے اور یہ حدیث بخاری شریف میں ہے طوالت کے ڈر سے صرف اشارہ کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ تاہم اس حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ جب مخلوقِ خدا تمام انبیاء کرام کے پاس شفاعت کی غرض سے جائے گی اور ہر ایک سے اِذْهَبُوْآ اِلٰى غَيْرِیْ (کسی اور کی طرف جاؤ) کے الفاظ سُنے گی، آخر میں ہمارے آقا، حضرت احمد مجتبیٰ، محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے گی اور سرکارِ مدینہ فرمائیں گے اَنَا لَهَا آؤ میں تمہاری شفاعت کرتا ہوں۔ سرکار شفاعت فرمائیں گے اور ربّ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا شفاعت کرتے وقت آپ مقامِ محمود پر جلوہ گر ہوں گے قرآنِ کریم میں ہے:

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا [2]

قریب ہے کہ تمہارا ربّ تمہیں ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے کمالات عطا فرمائے ہیں سب سے بڑا کمال آپ کا یہ ہے کہ ربّ کریم نے اپنا تعارف محبوب کے وسیلے سے کرایا ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ [3] تم فرماؤ، وہ اللہ ایک ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ جب میں اِلٰـهُ الْعٰلَمِیْن ہو کر ربّ کائنات

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری کتاب الانبیاء۔

[2] سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۷۹ [3] سورہ اخلاص ۔

ہو کر، واحد ہو کر، لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہو کر غفور و غفّار ہو کر، رحیم و رحمٰن ہو کر، ستّار و بصیر ہو کر اور سمیع و علیم ہو کر اپنا تعارف محبوب کے واسطے وسیلے سے کرواتا ہوں کہ اے محبوب تم فرماؤ وہ اللہ ایک ہے تو اے میرے بندو! بھلا تم میرے محبوب کے وسیلے اور میرے محبوب کی اطاعت کے بغیر مجھ تک کیسے پہنچ سکتے ہو۔

چھت پہ چڑھ سکتا نہیں کوئی بھی زینہ چھوڑ کر
رب کو پا سکتا نہیں کوئی مدینہ چھوڑ کر

ہم نے دلائل و براہین سے ثابت کر دیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہو سکتا رسول اللہ کو ماننے بغیر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بغیر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حقدار نہیں بن سکتا۔ رسول اللہ کے وسیلے کے بغیر کوئی شخص اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ وہ خود فرماتا ہے:-

وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ج

ترجمہ: اور جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔ (سورہ النساء آیت نمبر ۸۰)

اس آیت کریمہ نے واضح کیا کہ رسول اللہ کی اطاعت ہی درحقیقت اطاعتِ خدا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اپنی کلام میں یہ نہیں کہنا چاہیے کہ اللہ و رسول نے چاہا تو فلاں کام ہو گا یا یوں نہیں کہنا چاہیے کہ اللہ و رسول جانے۔ اس قسم کی باتوں سے مقصد آخر ان لوگوں کا کیا ہے؟

یہی نا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول کا ذکر نہ کیا جائے اور بعض لوگ تو اس کو شرک قرار دینے سے ذرا نہیں چوکتے یاد رہے کہ ان لوگوں کا ایسا کہنا بالکل غلط ہے کیونکہ صحابہ کرام سے یہ ثابت ہے کہ وہ یوں عرض کیا کرتے تھے۔ بخاری شریف میں ہے :-

اللہ و رسول بہتر جانے

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا مُعَاذُ اَتَدْرِیْ مَا حَقُّ اللّٰہِ عَلَی الْعِبَادِ قَالَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ اَنْ یَعْبُدُوْہُ وَلَا یُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا اَتَدْرِیْ مَا حَقُّھُمْ عَلَیْہِ قَالَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ اَنْ لَّا یُعَذِّبَھُمْ [1]

ترجمہ : حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ کیا تمہیں معلوم ہے؟ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ عرض کیا اللہ و رسول بہتر جانے (رسول اللہ) فرمایا اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ بندوں پر خدا کا کیا حق ہے؟ عرض کیا اللہ و رسول بہتر جانے۔ فرمایا کہ عذاب نہ دے۔

اس حدیث مبارکہ کے خط کشیدہ الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا یہ عمل تھا کہ جب بھی ان سے کچھ پوچھا جاتا وہ جواباً عرض کرتے

---

[1] بخاری، کتاب التوحید ۔

تھے اللہ و رسول بہتر جانے، اگر اللہ کے ساتھ رسول اللہ کا ذکر شرک ہوتا تو صحابہ کبھی ایسا نہ کرتے اور اگر (معاذ اللہ) صحابہ کرام سے غلطی ہو گئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اصلاح فرما دیتے کہ کبھی تم ایسا نہ کہا کرو یہ تو شرک ہوتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا دو بار اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ کہنا اور سرکار مدینہ کا اس کی تردید نہ فرمانا اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ و رسول بہتر جانے کہنا بالکل درست اور صحیح ہے بلکہ ایمان کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔ ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت میں ڈوب جائے اور اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ و رسول کی اطاعت میں بسر کرے۔ یاد رہے جو لوگ رسول اللہ کے دامن کو چھوڑ کر لوگوں کو اللہ کی طرف بلائیں اور اس دعوت کو دعوت الی اللہ کا نام دیں وہ سراسر غلط راہ پر چل نکلے ہیں۔ دعوت الی اللہ وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے خدا تک پہنچنے کی دعوت ہو۔

جہاد فی سبیل اللہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان لانے کے بعد دوسرا افضل عمل اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ ایک ایسا جلیل عمل ہے جس سے مومن دوسری اقوام پر فوقیت پاتا ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جس سے مسلمانوں نے بڑے بڑے بہادر اور طاقتور قسم کے افراد و اقوام کو شکست دی اور ان پر غلبہ پایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جہاد کی طرف رغبت دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ

وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۝ [1]

ترجمہ: تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہاری یہ چیزیں (پسندیدہ گھر) اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

اس آیت کریمہ میں جہاد فی سبیل اللہ کو واضح انداز میں بیان فرمایا گیا ہے اور اس کی اہمیت پر خوب تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے وہ اس طرح کہ جہاد فی سبیل اللہ کو باپ کی محبت، اولاد کی محبت، بھائیوں کی محبت، ازواج کی محبت، خاندان کی محبت، اموال کی محبت، تجارت کی محبت اور اپنے گھروں کی محبت پر فائق کر دیا اور یہ بتایا کہ اگر اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے میں یہ سب چیزیں تمہیں زیادہ عزیز ہو جائیں، جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے تو انتظار کرو اللہ کی طرف سے تم پر عذاب نازل ہو۔

باپ کی محبت اور جہاد فی سبیل اللہ

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں

---

[1] سورہ توبہ آیت نمبر ۲۴

والدین کی عظمت کو خوب خوب واضح فرمایا ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔
وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا[1] اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا والدین کی خدمت کرنے سے جنّت ملتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ والدین کی محبّت تو انسان کی دل میں جاگزیں ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہیے۔ یہ ایک فطری عمل ہے اسی محبّت و اطاعت کے صلے میں بندۂ مومن کو بہت ساری ترقیاں ملتی ہیں بہت ساری عزّتیں ملتی ہیں، بہت ساری عظمتیں ملتی ہیں بہت ساری سعادتیں میسّر ہوتی ہیں اور دنیا و آخرت کی کامرانیاں نصیب ہوتی ہیں۔ مگر اس محبّت کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی محبّت میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے باز رہا جائے۔ ربّ تعالیٰ نے اس کی تردید فرما دی کہ باپ، ماں کی محبّت میں اللہ کی راہ میں لڑنے سے رُک جانا یہ قطعاً جائز نہیں ہے۔ دراصل عزّت اور عظمت اسی میں ہے کہ والدین اپنے بیٹوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دیں آج قوم مسلم کو جگہ جگہ غیر مسلم اقوام سے جو دبنا اور ڈرنا پڑتا ہے وہ صرف اور صرف جذبۂ جہاد کی کمی کی وجہ سے ہے ورنہ مومن اور کسی مُنکرِ خدا اور رسول کا اس کے دل میں ڈر! یہ بات مطلقاً غلط ہے۔ ہاں ملّتِ اسلامیہ کے نوجوانوں میں جذبۂ جہاد کی کمی ضرور آگئی ہے آج جس جہاد کی ضرورت ہے وہ سرحدوں پر جاکر لڑنے کی بجائے جہاد بالنفس ہے اسی جہاد کو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہادِ اکبر کا درجہ دیا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سرحدوں کو خالی چھوڑ دیا جائے بلکہ مدعا یہ ہے کہ ہم اپنی جنگی تیاری کے ساتھ ساتھ اپنی اُخروی زندگی

---

[1] سورہ بقرہ آیت نمبر ۸۳

کو سنواریں ، اپنے جذبات کو پاکیزہ اور اپنے خیالات کو عمدہ کریں ، دوسروں
کے کام آئیں اور انسان دوستی کا ثبوت دیں ۔ ہاں یہاں یہ بات کرنا بھی
ضروری ہے کہ اگر باپ کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرتا ہے جو کہ غیر شرعی ہے اور اس
سے انسانیت تباہی کی طرف جاتی ہے ۔ مثلاً خدانخواستہ اگر باپ چرس بیچتا ہو
اگر والد افیون فروش ہو ، اگر والد شراب فروش ہو ، اگر والد ہیروئن بیچتا یا پیتا یا
دیگر جرائم کا مرتکب ہو تو اب اگر کوئی بیٹا صرف باپ کو باپ جان کر اس سے
محبت کرتے ہوئے اس کا ساتھ دے اور ان بُرے کاموں میں اس کے ساتھ
شریک ہو تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی صریح مخالفت ہے ۔ اور اگر
کوئی بیٹا ایسے کاموں میں باپ کے ساتھ شریک ہونے کی بجائے اس کی
اصلاح کرنے کی کوشش کرے تو یہ جہاد فی سبیل اللہ ہوگا ۔ یہ کام اگرچہ مشکل ضرور
ہے مگر مومن کے لیے (یہ کام) ناممکن ، محال نہیں ہے ۔ یہی تو وہ مرحلہ ہے جہاں
سچ اور جھوٹ میں تمیز ہوتی ہے ۔ یہی تو مرحلہ ہے جہاں اچھے اور برے میں
امتیاز ہوتا ہے ۔ یہی تو مرحلہ ہے جہاں نیک اور بد میں فرق ہوتا ہے ۔ یہی تو
مرحلہ ہے جہاں حق اور باطل میں تمیز ہوتی ہے ۔

اولاد کی محبّت اور جہادِ فی سبیل اللہ

یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تلوار کے ساتھ
اور آج کے دَور میں بندوق ، سٹین گن ، توپ ، ٹینک ، ہوائی جہاز ، F16
وغیرہ وغیرہ سے لڑنا مرنا بہت بڑی عبادت ہے ، لیکن پہلے بھی ہم ذکر کر
آئے ہیں کہ جہاد بالسیف سے جہاد بالنفس افضل ہے ، اولاد انسان کو کس
قدر محبوب ترین ہوتی ہے اس کا اندازہ ہر ماں اور باپ کو بخوبی ہے ۔
والدین اپنی اولاد کے لیے دن رات دُعائیں مانگتے ہیں ان کی صحت اور

تندرستی، ان کی عزت و عظمت، ان کی جاہ و حشمت، ان کی فلاح و بہبود اور ان کی کامیابی و کامرانی والدین کو ہمہ وقت منظور ہوتی ہے۔ اگر اولاد خدانخواستہ کسی غلط راہ پر چل نکلے۔ مثلاً ان کی بیٹھک ایسے لوگوں کے ساتھ ہونے لگے جن کا کردار اچھا نہ ہو تو اولاد کو فوراً اس راہ سے ہٹا دینا چاہیے۔ بُری صحبت انسان کو بُرا بنا دیتی ہے اسی طرح اگر وہ کوئی جرم کرنے لگیں تو اولاد کی محبّت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے والدین کو چاہیے کہ وہ ان کو سمجھا دیں۔ یہ جو آج کل والدین میں فیشن پایا جاتا ہے کہ جی جوان جو ہوئے، ارے بھئی جوان ہیں تبھی تو گناہ کرتے ہیں اور کیا بوڑھے ہو کر گناہ کریں گے۔ اس عمر میں گناہوں سے روکنا ضروری ہے اور اگر کوئی ماں باپ اپنی اولاد کی محبّت کو پرے رکھ کر ان کی اصلاح کر دیتے ہیں، ان کو نمازی بنا دیتے ہیں تو یہی اس دور کا جہاد ہے۔

بھائی کی محبّت اور جہادِ فی سبیل اللہ

مانا کہ اس دنیا میں بھائی بڑی نعمت ہوتا ہے، مگر یہ بھی یاد رہے کہ اگر بھائی کوئی ایسا کام کرے جو کہ اللہ و رسول کے حکم کے خلاف ہو تو اس کی محبّت کو ایک طرف رکھ کر اس کی ضروری اصلاح کر دینی چاہیے۔ اس کو صاف صاف بتا دینا چاہیے کہ تمہاری کامیابی اللہ و رسول کی غلامی میں ہے۔ اپنے بھائی کی اصلاح کر دینا اور اس کی محبّت کو ایسے موقع پر آڑے نہ آنے دینا ہی بہت بڑا جہاد ہے۔ ورنہ آج کل اکثر لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں کیا؟ اس جملے کی ادائیگی سے بچنا چاہیے اور اپنے بھائیوں کی اصلاح کرنی چاہیے۔ انہیں نماز کی طرف دعوت دینی چاہیے انہیں روزے کی ترغیب دلانی چاہیے۔ انہیں سچ بولنے کی تربیت دینی چاہیے اور انہیں حق پر قائم رہنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ یہی خسارے سے بالا لوگوں کا عمل

ہوتا ہے۔ سورہ عصر میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے :۔

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۵ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ ؏ [1]

ترجمہ: اس زمانہ (محبوب) کی قسم بے شک انسان ضرور خسارے میں ہے مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی (وہ خسارے میں نہیں)

ازواج کی محبّت اور جہادِ فی سبیل اللہ

اس دُنیا میں نیک بیوی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ لیکن اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے اگر بیوی کی محبّت مانع ہو تو اس محبّت کو دل سے نکال کر راہِ خدا میں نکل پڑنا چاہیے تاکہ اُخروی زندگی میں اللہ کے حضور شرمندہ نہ ہونا پڑے اور اس کے عذاب سے بچا جا سکے۔ اسی طرح خاندان کی محبّت بھی اگر کسی نیکی میں آڑے آئے تو اس محبّت کی قربانی بھی ضروری ہے بعض لوگ اگر کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہو جائیں تو ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اب تمام کلیدی پوسٹوں پر ان کا اپنا خاندان ہی چھا جائے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنا چاہیے۔ دوسروں کو ان کا حق نہ دینا خدا کی غیرت کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے ہاں اگر ان کے خاندان کے افراد قابلیت اور میرٹ پر آئیں تو ضرور ان کو آگے آنے کا حق ہے۔

---

[1] سورہ عصر پارہ ۳۰ ؎

اَموال کی محبّت اور جہادِ فی سبیل اللہ

اس دُنیا میں رہتے ہوئے مال و دولت کی انسان کو شدّید ضرورت ہوتی ہے اور مال وزر کو اسلام نے قطعاً بُرا بھی نہیں جانا بلکہ حُبُ الخیر سے تعبیر کیا ہے۔ ہاں اس کے استعمال میں بُرائی ضرور ہے۔ اگر یہی مال کسی کو قتل کرنے یا کروانے کا سبب بنے تو، اگر یہی مال کسی کی عزت خاک میں ملانے کا سبب بنے تو، اگر یہی مال کسی کی آبرو ریزی کرنے کا سبب بنے تو مال نہیں وبال ہے۔ اگر یہی مال حاجت مندوں، غریبوں، ناداروں، یتیموں، بیواؤں، مسکینوں اور بے سہارا لوگوں کے کام آئے تو یہی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

حجّ مبرور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ و رسول پر ایمان لانے اور جہاد فی سبیل اللہ کرنے کے بعد اگر کسی عبادت کا درجہ ہے تو وہ حج بیت اللہ ہے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے:۔

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا جس نے اللہ کے لیے حج کیا فحش اور گناہ کا ارتکاب نہ کیا وہ یوں لوٹے گا کہ ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔"[1]

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جہاد کو افضل جانتے ہیں تو کیوں نہ ہم جہاد میں شریک ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَفۡضَلُ الۡجِهَادِ حَجٌّ مَّبۡرُوۡرٌ[2] (تمہارے لیے)

---

[1] بخاری، کتاب المناسک [2] ایضاً

افضل جہاد حج مبرور ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ ایک نظر محبت سے اپنے والدین کو دیکھنا ایک مقبول حج کے برابر ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اگر کوئی اپنے والدین کو سو بار نظر محبت سے دیکھے؟ فرمایا، ہاں اللہ بہت بڑا اور طیب ہے یعنی وہ سو حجوں کا ثواب عطا فرمائے گا۔[1]

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے والدین کی عزت کرنے کی توفیق عطا فرمائے جن کے والدین زندہ ہیں وہ ان کی خدمت کو سعادت جانیں اور جن کے والدین فوت ہو چکے ہیں وہ حسب توفیق ان کے لیے صدقہ کیا کریں۔ حدیث پاک میں ہے جو کوئی ایصال ثواب کے لیے کچھ بھیجتا ہے وہ مرنے والوں کو پہنچ جاتا ہے۔[2]

---
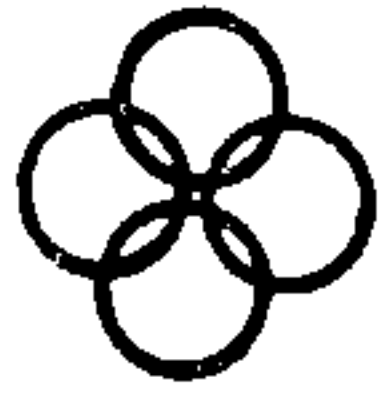
[1] رواہ البیہقی فی شعب الایمان [2] مشکوٰۃ

حدیث نمبر (۱۳)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ تَاجِرٌ يُدَايِنُ النَّاسَ فَاِذَا رَاٰى مُعْسِرًا قَالَ لِفِتْيَانِهٖ تَجَاوَزُوْا عَنْهُ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَّتَجَاوَزَ عَنَّا فَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهُ۔[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ایک تاجر لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا جب کسی کو تنگ دست پاتا تو اپنے ملازموں سے کہتا اس (مقروض) کو معاف کر دو شاید اللہ تعالیٰ (اس کے صلے میں) ہم سے درگزر فرمائے، چنانچہ اللہ نے اسے معاف کر دیا۔

یہ حقیقت ہے کہ کسی قوم نے اپنے لیڈر، اپنے رہنما اور اپنے قائد اور نبی یا رسول کی زندگی کے ایک ایک لمحے کو اس طرح محفوظ نہیں کیا جسطرح قوم مسلم نے اپنے پیارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایک ایک لمحے کی یادوں کو محفوظ کیا ہے اس امر کی دلیل یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے آپ کی زندگی کا پورا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے جس کو محدثین کرام نے محنت کے ساتھ اپنی اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے چنانچہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی،

---

[1] ابوعبداللہ، محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری۔

سُننِ ابو داؤد، سُننِ ابن ماجہ، سُنن نسائی، مؤطا امام مالک و مسانید اور دوسری کتب حدیث اس کا مُنہ بولتا ثبوت ہیں۔ یہ حدیثِ مبارکہ جو آپ کی نظر سے گزری ہے اس میں ایک بہترین عمل صالح کی طرف اشارہ ہے۔

خبر کا تعلّق

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ خبر گذشتہ زمانے سے متعلق ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ جس دَور میں یہ خبر دی گئی ہے اس زمانے تک تاریخ کے لکھے جانے کا رواج باقاعدہ نہ تھا۔ اب تین صورتیں باقی ہیں جن کے ذریعے اس قسم کی خبر دی جا سکتی ہے۔

① اس خبر کا اوّل ذریعہ یہ ہے کہ سابقہ کتب سماویہ میں اس کا ذکر ہو اور سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے پڑھ کر بتا دیا ہو، جہاں تک اس کا تعلّق ہے کہ آپ نے یہ خبر تورات، زبور یا انجیل میں پڑھی ہو یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی کیونکہ آپ نے کسی سے کچھ نہیں پڑھا تبھی تو آپ کو نبی اُمّی کہا جاتا ہے۔

انداز حسینوں کو سکھائے نہیں جاتے
یہ اُمّی لقب ہیں پڑھائے نہیں جاتے

یہ حقیقت ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا مخلوق میں کوئی اُستاد نہیں ہے نہ آپ نے کسی کی شاگردی کی ہے۔ جو بعض لوگ حضرت جبریل علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُستاد گردانتے ہیں وہ سخت غلطی کرتے ہیں یہ حضرت جبریل علیہ السلام ہمارے آقا کے اُستاد نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے وحی لانے والے قاصد ہیں۔

(۲) جیساکہ ہم نے اوپر ذکر کر دیا ہے کہ اس خبر کا تعلق نہ تو کتبِ سماویہ سے ہے اور نہ ہی تاریخ سے کہ وہ زمانہ ہی تدوین تاریخ کا نہ تھا، ہاں البتہ وہ زمانہ سینہ گزٹ کا تھا یعنی سینہ در سینہ روایت چلتی رہتی تھی اور ایسی کسی روایت کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا یہ بھی ممکن نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے سُن کر اپنے صحابہ میں یہ خبر بیان کر دی ہو، یا یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی بات پاس سے گھڑ کر لوگوں کو بتا دی جائے جس کی اصل ہی کوئی نہ ہو (نعوذ باللہ) رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا گمان کرنا بھی کفر ہے۔

(۳) تیسرا ذریعہ اس خبر کا ہے علمِ غیب! ظاہر ہے ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عطا سے علوم غیبیہ پر مطلع ہیں اور یہ خبر بھی علمِ غیب ہی سے متعلق ہے۔ اللہ قرآن کریم میں بھی عطائی علمِ غیب کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرماتا ہے:۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ[1]

ترجمہ: اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے، ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے (اسے علمِ غیب دیتا ہے۔)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ[2]

ترجمہ: اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔

---

[1] سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۷۹ [2] سورہ نساء آیت نمبر ۱۱۳

ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ [1]

ترجمہ: غیب کا جاننے والا تو کسی پر اپنا غیب ظاہر نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیثِ مبارکہ جس میں سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تاجر کا تذکرہ فرمایا ہے اس کا تعلق علومِ غیبیہ سے ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع فرمائی۔

مقروض سے درگزر کرنا

اس حدیثِ مبارکہ سے جس میں سرکارِ مدینہ نے ایک تاجر کا تذکرہ فرمایا ہے جو اپنے خادموں کو مقروضوں سے درگزر کرنے کا حکم دیا کرتا تھا۔ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص مقروض ہو جائے تو قرض خواہ کو اس سے درگزر کرنا چاہیے یہ اس کے حق میں افضل ہے اس میں اس کی نجاتِ اخروی ہے بعض لوگوں کو یہ دیکھا گیا ہے کہ وہ دوسروں کو قرض تو دے دیتے ہیں مگر بعد میں خوب ذلیل کرتے ہیں اور شاید بعض لوگوں کا مطمعِ نظر ہی یہ ہوتا ہے کہ پہلے دوسرے کو قرض دیں اور جب وہ ادا نہ کر پائے یا وقتِ مقررہ پر ادا نہ کرے تو پھر جی بھر کر اسے ذلیل و رسوا کیا جائے۔ یہ حرکت بہت بُری ہے بلکہ انسان کو جہنم کا ایندھن بنا دینے والی ہے۔ بہرحال اگر مقروض کسی قرض خواہ کو جان بُوجھ کر تنگ کرے کہ وہ قرض ادا کر سکنے کی ہمّت، توفیق رکھتے ہوئے بھی قرض ادا

---

[1] سورہ جن آیت نمبر ۲۶-۲۷

نہ کرے تو یہ امر اس (مقروض) کے لیے بھی دُنیا و آخرت میں باعث رسوائی ہے۔

رحمتِ بے پایاں

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ تاجر جو دوسروں کو قرض دے کر ان سے درگزر کرتا تھا اور یہ اُمید رکھتا تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ مخلوق پر رحم کرنے کے سبب سے مجھ پر رحم فرمائے گا اور مجھے بخش دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اُمید پر پانی پھیرنے کی بجائے اپنی خصوصی نظرِ رحمت کرتے ہوئے اس (تاجر) کو بخش دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں ہے۔ وہ خود فرماتا ہے: "تم میری رحمت سے نا اُمید مت ہونا۔"

کرو مہربانی تم اہلِ زمین پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

حدیث نمبر ۱۴

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَضَی اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِیْ كِتَابِهٖ فَهُوَ عِنْدَهٗ فَوْقَ عِنْدَ الْعَرْشِ اِنَّ رَحْمَتِیْ غَلَبَتْ غَضَبِیْ۔[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا فرما چکا تو لوحِ محفوظ میں جو اس کے پاس عرش کے اوپر ہے لکھ لیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب آگئی۔

---

[1] ابو عبداللہ، محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام، صحیح بخاری۔

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو ایک عظیم نویدِ مُسرّت سُنائی ہے وہ یہ کہ اے میرے متبعین میرے اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے وہ خود اعلان فرما چکا ہے کہ میری رحمت سے نا اُمید مت ہونا اور وہ یہ بھی فرما چکا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ اے گناہ گارو! گھبراؤ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو وہ تمہیں ضرور معاف فرمائے گا اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب آچکی ہے۔

خالق و مالک

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا خالق و مالک ہونا بیان فرمایا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ساری کائنات کا خالق فقط اللہ ہے عبادت صرف اسی کی ہوگی۔ سجدہ صرف اسی کی ذات والا صفات کو ہوگا، ہر طرح کی حمد صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہے اور درود و سلام حضور پُر نور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔

انسان جب اپنا اور ساری کائنات ارضی و سماوی کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ کو مان لیتا ہے تو پھر اس کے دِل میں خوف صرف اللہ ہی کا رہ جاتا ہے۔ دُنیا کے کسی بڑے سے بڑے آدمی کا خوف اس کے ذہن وضمیر پر طاری نہیں ہوتا۔ یہ سچ ہے جس دل میں اللہ کا ڈر (تقویٰ) ہوگا وہاں کسی دوسرے کا ڈر ہرگز جگہ نہیں بنا سکتا۔ جس دل میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا تصوّر راسخ ہوگا وہاں کسی اور کی ایسی حاکمیت کا تصوّر کبھی نہیں آ سکتا، جس دل میں یادِ خدا کی سمائی ہو وہاں کسی اور (غیر اللہ) کی یاد ہرگز نہیں سما سکتی اور جس دل میں اللہ کی محبّت ہوگی وہ دل کبھی محبّتِ

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی نہ ہوگا اور اگر اللہ کی محبت کا دعویٰ کرنے والا حُبِّ رسول کی دولت سے بہرہ ور نہیں تو یوں جانیے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کا محب نہیں۔ قرآن حکیم میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے :۔

اے محبوب تم فرما دو لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اور تمہیں اللہ دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔[1]

اس آیت کریمہ نے واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ تبھی نصیب ہوتی ہے جب اللہ کے محبوب دانائے کُل غیوب، عالم ماکان و مایکون حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے اور آپ کی سنّتِ عالیہ پر عمل کیا جائے۔ شرک و بدعت سے بچا جائے۔ آج کل یہ جو بعض جاہل مزاراتِ اولیاء اللہ کو سجدے کرتے ہیں یہ سراسر خلافِ قرآن و حدیث ہے۔ اہلِ ایمان کا یہ فرض ہے کہ وہ جب بھی کسی مزار پر کسی شخص کو سجدے کرتے دیکھیں فوراً اس کی اصلاح کریں اس کو روکیں اور منع کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو ہرگز سجدہ نہ کرے کیونکہ یہ اللہ و رسول کی کھلی مخالفت ہے اس مسئلہ کی تحقیق مطلوب ہو تو امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "حرمتِ سجدہ" کا مطالعہ فرمائیں۔

بعض لوگ ہم اہلسنّت پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ یہ لوگ مزارات کو سجدے کرتے ہیں۔ ہم اس سے اظہار بریت کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ روا اور جائز نہیں ہے۔

---

[1] سورہ آل عمران آیت نمبر ۳۱

غفور و غفّار

اللہ تعالیٰ کی شانوں، اللہ تعالیٰ کے کمالات، اللہ تعالیٰ کے اختیارات، اللہ تعالیٰ کے علوم، اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا کوئی حساب نہیں ہے۔ جس طرح وہ خود احاطہ عقل میں سما نہیں سکتا جس طرح وہ خود لامحدود ذات ہے۔ اسی طرح اس کی صفات و کمالات بھی لامحدود ہیں۔ بندہ اگر ساری عمر اللہ تعالیٰ کی ایک صفت رحیم کی تشریح کرتا رہے اس کی زندگی ختم ہو سکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کی کما حقہّ تشریح و تفسیر بیان نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ میں سے دو صفتیں غفور اور غفّار بھی ہیں، ایک کا معنیٰ ہے بخشنے والا اور دوسری کا مطلب ہے بہت زیادہ بخشنے والا۔ اگر بندہ مومن اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہو جائے تو اس کی رحمتوں اور بخششوں کے دروازے ہر وقت اس کے لیے کھُلے رہتے ہیں جب چاہے جو چاہے وہ اپنے رب سے مانگے عطا کیا جاتا ہے۔

جب بندہ اپنے گناہوں پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا ہے۔ لہٰذا اوّل تو گناہ کرنا ہی نہیں چاہیے ہر صورت اس سے بچنا چاہیے لیکن اگر سہواً یا جان بوجھ کر کبھی گناہ ہو جائے تو پھر نا اُمید نہیں ہو جانا چاہیے بلکہ اللہ کو اس کی غفاری کا واسطہ دے کر اور اس کے محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ ڈال کر دُعا کرنی چاہیے کہ اے اللہ مجھے معاف فرما دے (اللہ تعالیٰ) یقیناً معاف فرما دیگا۔

غضب و رحمت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ لوحِ محفوظ پر لکھ چکا ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب آچکی ہے۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حقدار وہی ہو

گا جو اللہ کے رسول پر بھی ایمان لائے گا۔ ان کو آخری رسول مانے گا اور اس کے بعد کسی معنی میں بھی کسی دوسرے کو نبی یا رسول نہ مانے گا اور اگر خدانخواستہ کوئی اللہ تعالیٰ کو غفور و غفّار مانے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو بھی نبی مانے جس طرح قادیانی آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں تو وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حقدار نہ ہوگا بلکہ اُلٹا اس کے عذاب میں گرفتار ہوگا۔ یاد رہے قادیانی کافر و مرتد ہیں ان سے میل جول شادی بیاہ قطعاً حرام ہے۔ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام ایمان ہے اور رسول اکرم سے وفا کرنا تو اللہ تعالیٰ سے انعام پانے کا باعث ہے۔

بقولِ اقبال ؎ کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

چلو فردوسِ بریں

یہ زمانہ پُر آشوب زمانہ ہے آج اگر کوئی نیک بندہ کسی دوسرے کو نیکی کی طرف دعوت دیتا ہے تو اس کا مذاق اُڑایا جاتا ہے اور اگر اس کے دلائل اتنے مضبوط ہوں کہ اس کا ردّ کرنا مشکل ہو جائے تو یہ کہہ کر جان چھڑا لی جاتی ہے کہ تم اپنے آپ کو سنوارو تمہیں دوسروں کی کیا فکر پڑی ہے اور اگر یہاں پر بھی بات ختم نہ ہو داعی الی الخیر پھر کہہ دے کہ ہم تمہیں بھی دعوت دیتے ہیں کہ تم تمام خلافِ شرع کام ترک کر کے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپناؤ۔ اگر تم لوگوں نے آج نیک اعمال نہ کیے تو کل دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا تو اس کا جواب بڑی بے دردی سے یہ دیا جاتا ہے کہ جہاں اتنے لوگ جہنّم میں جائیں گے وہاں ہم بھی چلے جائیں گے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ، اے کاش ان کو ہوش آجاتے۔ دوسرے لوگ ہم کے

ساتھ دوزخ میں جانے کے بجائے دوسروں کو اپنے ہمراہ جنّت میں لیجانے کی کوشش کریں، اللہ توفیق عمل دے۔

حدیث نمبر ۱۵

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا رَفَعَهُ قَالَ خَمِّرُوا الْاٰنِيَةَ وَاَوْكُوا الْاَسْقِيَةَ وَاَجِيْفُوا الْاَبْوَابَ وَاَكْفِتُوا صِبْيَانَكُمْ عِنْدَ الْعِشَاءِ فَاِنَّ لِلْجِنِّ اِنْتِشَارًا وَّخَطْفَةً وَاَطْفِئُوا الْمَصَابِيْحَ عِنْدَ الرُّقَادِ[1]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما مرفوعاً روایت کرتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (رات کے وقت) برتنوں کو ڈھانپ دو، پانی والے برتنوں کے مُنہ بند کر دو۔ دروازوں کو بند کر دو اور اپنے بچوں کو عشاء کے وقت باہر جانے سے روکو کیونکہ وہ جنات کے پھیل جانے اور دست درازی کا وقت ہے اور سوتے وقت چراغ بجھادو۔

اس حدیث مبارکہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بڑی عمدہ ہدایات عطا فرمائی ہیں۔ ہمیں زندگی گزارنے کا بہترین اصول بتایا ہے اور اپنی اولاد کی تربیت کرنے کا سلیقہ سکھایا ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کی آسانی کے لیے دین کو اس قدر آسان اور عام فہم طریقہ سے

---

[1] ابو عبداللہ، محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری کتاب بدأ الخلق:

ہم تک پہنچایا ہے جس کی مثال ملنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ اس لیے کہ دین جس طبقہ یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذریعے ہم تک پہنچا وہ نہایت عادل، نہایت سچّے، نہایت متقّی، نہایت پرہیزگار، نہایت انصاف کرنے والے اور نہایت ہی پاکباز لوگ تھے۔ یاد رہے صحابہ کرام جَرح سے بالا ہیں۔

برتنوں کو ڈھانپ دو

نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کو جب سونے لگو تو اپنے برتنوں کو ڈھانپ دیا کرو، اپنے برتنوں کے مُنہ بند کر دیا کرو اپنے برتنوں کو بحفاظت رکھا کرو بالخصوص وہ برتن جن میں پانی ہو ان کو ضرور ڈھانپ دیا کرو اور اچھی طرح ان کا مُنہ بند کر دیا کرو تاکہ کوئی موذی قسم کا جانور اس میں مُنہ نہ ڈال دے یا خود اس میں گر کر نکل نہ جائے اس طرح وہ پانی زہریلا ہو جائے گا اور اگر بچھو یا سانپ وغیرہ کا زہر اس میں شامل ہو گیا تو جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

ہم نے اصلاً دینِ اسلام کی قدر نہ جانی اور اس کے دیئے ہوئے سنہری اصولوں کو اپنی زندگی میں عملاً نافذ کرنے کی بجائے اِدھر اُدھر کی باتوں، اِدھر اُدھر کے معاملات اور اِدھر اُدھر کے قوانین میں اُلجھ کر رہ گئے ورنہ آج ہم دُنیا کی سب سے بڑی محترم، دُنیا کی سب سے بڑی مکرّم اور دُنیا کی سب سے بڑی طاقتور قوم ہوتے۔

؎ وہ زمانے میں معزز تھے مُسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

جس دین نے رات کو سوتے وقت اپنے پانی والے برتن تک ڈھانپ

کر سونے کی ہدایت کی ہے وہ دین کتنا اعلیٰ ، وہ دین کتنا بھلا، وہ دین کتنا مکرّم اور وہ دین کتنا محترم ہے۔

دروازے بند کر لو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کو سونے سے قبل اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیا کرو۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ تم تو یہ سمجھو کہ ہمارے گھر سے کوئی چوری نہیں کر سکتا اس لیے کہ ہمارے محلے دار، ہمارے ہمسائے اور ہمارے قرب و جوار میں بسنے والے سب اچھے اور نیک سیرت لوگ ہیں لیکن کوئی باہر کا آدمی موقع پا کر چوری کرے اور جب تمہیں خبر ہو تو تم خواہ مخواہ میں اپنے انہی نیک سیرت محلّے داروں پر الزام لگاتے پھرو اور تمہاری نظروں میں وہ لوگ جو معزز تھے بد ہو جائیں اور وہ لوگ تمہیں برُا آدمی گرداننے لگیں تو ایسی صورتِ حال سے دوچار ہونے سے قبل ہی اپنا دفاع کرنا اور دوسروں پر شک کرنے سے باز رہنا اور دوسروں کی عزّت نفس مجروح نہ کرنا اور اپنی عزّت کا تحفّظ کر لینا یہ کتنا عمدہ اور صحیح کام ہے۔

بچّوں کو باہر نہ جانے دینا

اللہ کے پیارے حبیب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عشاء کے وقت اپنے بچّوں کو گھر سے باہر نہ جانے دو اور اس کی حکمت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”بچّوں کو عشاء کے وقت گھر سے باہر نہ جانے دو کیونکہ وہ جنّات کے پھیل جانے اور دست درازی کرنے کا وقت ہے۔“

اگر حدیث پاک کے اس حصّے کو بغور پڑھا جائے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دے کر کتنے بڑے فتنے کا دروازہ بند کر دیا ہے۔

رات کو بچوں کو گھر سے باہر نہ نکلنے دینے میں حکمت یہ ہے کہ ہر معاشرے میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں نہایت نیک سیرت بھی اور نہایت بدطینت بھی۔ ایسی صورتحال میں جب بُرے لوگوں کے موجود ہونے کا احتمال بھی ہو تو اپنی اولاد کی حفاظت اور ان کی تربیت کا حق یہی ہے کہ ان کو اپنی نظروں کے سامنے پروان چڑھایا جائے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ بچّہ جب اپنے بچپن کی منازل طے کر کے جوانی کے اوائل مراحل میں قدم رکھتا ہے تو اس میں کچھ تبدیلیاں آتی ہیں۔ اس کی سوچ پہلے سے مختلف ہو جاتی ہے اس کی جسمانی صورتحال بھی بدلتی ہے اور کچھ ایسے آثار و احوال ظاہر ہوتے ہیں جو اس کے لیے بالکل نئے اور اچھوتے ہوتے ہیں۔ اس وقت اسے سخت رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے، اگر اس مرحلے پر اس کی صحیح رہنمائی اور درست تربیت ہو جائے تو کوئی بُرائی اس کے قریب بھی نہیں آسکتی اور اگر اس موقع پر اسے کھُلا چھوڑ دیا جائے اور اس کی تربیت دینی طریقوں کے مطابق نہ کی جائے تو اوائل عمری ہی میں وہ تباہ و برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔ یاد رہے تمام بُری عادتیں کسی بھی انسان میں اس ابتدائی دَور میں ہی پیدا ہوتی ہیں جو آخری عمر تک اس کے ساتھ رہتی ہیں۔ اِلاّ ماشاءاللہ۔

بچّوں کی صحیح تربیت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو خوش رکھا جائے ان کی جائز خواہشات پوری کی جائیں، ان کی خوراک و پوشاک کا ہر طرح خیال رکھا جائے اور ان سے شفقت سے پیش آیا جائے مگر شفقت و محبّت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بچّوں کی ناجائز خواہشات کو پُورا کرنے کی کوشش کی جائے اور غلطی اور کوتاہی کے وقت بھی ان کو نہ ڈانٹا جائے بلکہ ایسے مواقعوں پر جب بچّے سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو بڑے اچھے طریقے سے ڈانٹ دینا چاہیے تاکہ وہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے۔

سونے سے قبل لائیٹ بند کر دو

نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کو سوتے وقت بتی بند کر دیا کرو۔ اس کی حکمت اس وقت یہ بیان فرمائی کہ کوئی جانور بتی کو کھینچ دے تو سارا گھر جل کر راکھ ہو سکتا ہے۔ یہ برحق ہے اور اس کے علاوہ فرماتے ہیں، بتی بند کر کے سونے میں بہت فوائد ہیں۔

یہ آزمودہ بات ہے کہ اگر رات کو بتی جلتی رہے تو سونے والے کو اچھی طرح نیند نہیں آتی بلکہ ساری رات سونے جاگنے کی ملی جُلی کیفیت میں گزر جاتی ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ بتی بند کر کے سوتے ہیں وہ ساری رات اطمینان سے سوتے ہیں اور صبح بیدار ہونے پر جسم بالکل ہلکا پھلکا اور تھکان سے مبرا ہوتا ہے، جب کہ اوّل الذکر حضرات جب سو کر اُٹھتے ہیں تو سارا جسم چُور چُور اور تھکان سے لبریز ہوتا ہے۔ آج کل تو ماہرین طبّ اور ڈاکٹر حضرات بھی رات کو سوتے وقت بتی بند کر کے سونے کا مشورہ دیتے ہیں۔

یاد رہے کہ اس بتی سے مراد وہی لائیٹ ہے جو گھر میں جل رہی ہو نہ کہ وہ جو گلی محلے میں دوسروں کی رہنمائی اور آسانی کے لیے جلائی گئی ہو۔ راستے میں چراغ جلانا تو بہت بڑا ثواب کا کام ہے۔ جو کوئی راستے میں روشنی کے لیے لگائے گئے بلب یا ٹیوب وغیرہ اُتارے اس کے لیے ثواب کی بجائے عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو افعال نیک کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر طرح کے فعل بد سے محفوظ رکھے۔ آمین!

یہ زندگی عارضی ہے اس میں بندے کو اللہ و رسول کے تابع ہو کر رہنا چاہیئے اور اُخروی زندگی کی بہتری کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ نماز کی پابندی، روزہ کی پابندی، اللہ مال دے تو حج کرنا، اللہ مال عطا فرمائے تو زکوٰۃ دینا یہ سب

وہ اعمال ہیں جن کے باعث اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی پورے کرنا چاہئیں۔ یعنی والدین سے عمدہ سلوک، بہن بھائیوں سے اچھا سلوک، ہمسائیوں سے بھلائی، دوستوں اور رشتہ داروں سے محبت کرنا، سب نیکی کے کام ہیں۔

حدیث نمبر (۱۶)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰی عَہْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شِقَّتَیْنِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اشْہَدُوْا [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چاند کے شق ہونے کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہوا یعنی (چاند کے) دو ٹکڑے ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر گواہ رہنا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو جس باب کے ماتحت لائے ہیں اس کا عنوان ہے:-

سُؤَالِ الْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یُّرِیَھُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰیَۃً فَاَرَاھُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ۔

ترجمہ: مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزے کا مطالبہ

---

[1] ابوعبداللہ، محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری، کتاب الانبیاء۔

کیا تو آپ نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

اہلِ مکہ کا مطالبہ

جب ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان کر دیا تو مشرکین مکہ آپ کے مخالف ہو گئے۔ آپ کو اور آپ کے صحابہ کرام کو طرح طرح کی اذیتیں دینے لگے۔ ان کا نکتہ نظر یہ تھا کہ کسی طرح معاذ اللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے راستے سے ہٹا دیا جائے مگر وہ اس میں ناکام رہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا تھا:۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ [1]

اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے ؛

آخر کار مخالفت اس حد تک بڑھ گئی کہ مشرکین نے آپ کو جادوگر کہنا شروع کر دیا۔ پھر خود ہی سوچا کہ جادوگروں کا جادو صرف زمین تک چلتا ہے آسمانوں پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔ خوب غور و خوض کے بعد ایک سوال تیار کر لیا کہ اگر آپ چاند توڑ کر دو ٹکڑے کر دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کو انگلی کے اشارے سے دو ٹکڑے کر دیا اور مشرکین نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا مگر پھر بھی نہ مانے۔ یہ حقیقت ہے کہ ایمان ایسی عظیم دولت ہے جو اللہ کے فضل سے نصیب ہوتی ہے جو لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے وہ دُنیا کے امام اور حکمران بن گئے اور جنہوں نے انکار کیا (ایمان لانے سے) وہ دُنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہو گئے۔

عظیم الشان معجزہ

بڑے بڑے محدثین کرام نے اس عظیم معجزے کا ذکر اپنی اپنی کتب میں کیا ہے اور اس پر

---

[1] سورہ مائدہ آیت نمبر ۶۷ ؛

دلائل وبراہین قائم کیے ہیں۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ یہ واقعہ یعنی شق القمر دو مرتبہ ہوا حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لمعات میں اس معجزے کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت ساری کتب میں اس واقعے کے حق میں دلائل موجود ہیں[1]

اس معجزے کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چاند ٹوٹ کر زمین پر آگیا ہو، اس کو عقل نہیں مانتی۔

جواب یہ ہے کہ اگر اس واقعے کو عقل تسلیم کر لے تو ہم اس کو معجزہ کیونکر کہہ سکیں گے۔ معجزے کی تعریف ہی یہ ہے، جو عقل و دانش سے بالا ہو۔ لہٰذا ہم اہل ایمان تو اپنے آقا علیہ السلام کے اس معجزے کو بلا چون و چرا مانتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کو بے شمار کمالات عطا فرمائے ہیں ان میں سے یہ بھی ایک کمال ہے۔

جو لوگ اس عظیم الشان معجزے کا انکار کرتے ہیں ان کی عقل و دانش پر حیرت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام نے اس [illegible]ے کا ذکر کیا ہے اور اس کو مانا ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ کے اپنے الفاظ یہ ہیں:۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں چاند کے دو ٹکڑے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئے تھے[2]

اس حدیث شریف کو پڑھنے کے بعد واقعہ شق القمر کے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اہلِ محبّت کا نظریہ

یوں تو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سراپا معجزہ بن کر تشریف لائے، لیکن بعض معجزات ایسے ہیں

---

[1] حاشیہ بخاری [2] ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام صحیح بخاری کتاب المناقب

جن کا ذکر سُن کر ایک مسلمان کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور پہلے سے زیادہ مستحکم بھی۔ بخاری شریف میں ہے :-

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہلِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزہ دکھانے کا مطالبہ کیا تو آپ نے انہیں چاند کے دو ٹکڑے کر دکھاتے تھے۔ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دو سندوں کے ساتھ مروی ہے[1]

اہلِ محبت وعشق اس حدیث مبارکہ کو پڑھنے کے بعد کبھی بھی اپنے رسول کے اس معجزے کا انکار نہ کریں گے بلکہ وہ تو اپنے ایمان کو تقویت دینے کے لیے اس کا بار بار ذکر کریں گے تاکہ ایمان کی حلاوت سے صحیح معنوں میں لطف اندوز ہو سکیں۔ امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

تیری مرضی پا گیا سُورج پھرا اُلٹے قدم
تیری انگلی اُٹھ گئی مہہ کا کلیجہ چِر گیا

یہاں ایک بات گوش گزار کرتا چلوں کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری بھی قرآن وحدیث کی ترجمان ہے۔ افسوس کہ اس شخص کو بعض اپنوں نے محض مولود خوان بنا کر پیش کیا اور اغیار نے تعصب کی عینک لگائی کہ اس کو پڑھنا ہی نہیں، میں دعوتِ فکر دیتا ہوں کہ اس عظیم عاشقِ رسول کو ضرور پڑھا جائے۔ اگر صحیح اور قرآن وحدیث کے مطابق بات ہو مان لیجائے لیکن ان کے خلاف یا حق میں فیصلہ کرنے سے پہلے انہیں براہِ راست پڑھا ضرور جائے۔ انشاء اللہ ان کی کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر ذی عقل ضرور اس نتیجے

---

[1] ابو عبداللہ، محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری، کتاب المناقب ؛

پر پہنچے گا کہ وہ ایک عظیم محدّث، ایک عظیم مفکر، ایک عظیم مفتی، ایک عظیم مفسّر، ایک عظیم مترجم، ایک عظیم فقیہہ، ایک عظیم مؤرّخ، ایک عظیم شاعر، ایک عظیم سائنسدان، ایک عظیم سیاستدان اور عظیم عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدمتِ دینِ متین سے عبارت ہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

انسان اور معاشرہ

ہمارا معاشرہ اس وقت اس قدر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا ہے کہ ایک ذی شعور آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ اگر یہی صورت قائم رہی تو آئندہ آنے والی نسل کا کیا ہوگا وہ تو بالکل اسلامی اقدار سے نہ صرف بے خبر بلکہ ان کی مخالف ہوگی۔ جس انداز سے مسلمانوں میں یہودیت اور نصرانیت کا زہر گھولا جا رہا ہے وہ بڑی تیزی سے قوم مسلم کو ہلاکت کی جانب لے جا رہا ہے۔ اب تو ہمارا تمدّن، ہماری تہذیب، ہمارا رہن سہن سب کچھ مدنی تمدّن، مدنی تہذیب اور مدنی رہن سہن کے بالکل خلاف ہوا جاتا ہے۔ اگر مسلمان اس آفت سے بچنا چاہتے ہیں تو ان کو واپس لوٹنا ہوگا۔ امریکن کلچر ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کی طرف التفات بھی کی جائے، مگر حیرت ہے کہ مسلمان نوجوان نہ صرف ان کی سی وضع قطع بناتا ہے بلکہ اس پر فخر کرتا ہے اور اپنے آپ کو دوسروں سے جداگانہ حیثیت کا حامل سمجھتا ہے اور معزّز بھی۔ اقبال مرحوم نے اس جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

وہ زمانہ کہ غیر مسلم جب اہلِ اسلام کو دیکھتے تھے تو ان کی صورت دیکھ کر

کلمہ پڑھ لیتے تھے۔ اپنے آپ کو مدنی ماحول اور رنگ میں رنگنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ چہرہ داڑھی سے مزین ہوتا اور سر پر عمامہ سجا ہوتا تھا یہ ان کے اعلیٰ و ارفع ہونے کی دلیل تھی۔ رسول اکرم تاجدارِ عرب و عجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:۔

فَرْقُ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْمُشْرِکِیْنَ الْعَمَائِمُ عَلَی الْقَلَانِسِ [1]

ترجمہ: ہمارے اور مشرکوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہم ٹوپی پہن کر اوپر عمامہ باندھتے ہیں:

حدیث نمبر ۱۷

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِیْ حَلْفِہٖ وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰی فَلْیَقُلْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِہٖ تَعَالَ اُقَامِرْکَ فَلْیَتَصَدَّقْ [2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی سہواً یہ کہہ بیٹھے کہ لات و عزیٰ کی قسم تو اسے لا الہ الا اللہ پڑھ لینا چاہیے اور اگر کوئی (بھول کر) اپنے ساتھی سے کہہ دے کہ آؤ جوا کھیلیں تو اس کو خیرات کرنی چاہیے:

---

[1] ابو داؤد شریف [2] ابو عبداللہ، محمد بن اسمٰعیل البخاری امام صحیح بخاری، کتاب التفسیر:

اس حدیث مبارکہ میں دو چیزوں کا واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے ایک تو یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم نہیں ہوتی اور دوسرا یہ کہ جوا حرام ہے اس سے اجتناب چاہیے کبھی بھول کر بھی اس کا نام نہ لینا چاہیے اور اگر اس کا ذکر زبان پر آگیا تو پھر خیرات کرنا ہو گی۔

غیر اللہ کی قسم نہیں

چونکہ غیر اللہ کی قسم ہی نہیں ہوتی اس لیے قسم اللہ جل شانہ کی کھائی جائے۔ غیر اللہ کی قسم نہ کھائی جائے نہ کھلائی جائے اگر قسم میں تغلیظ یعنی مضبوطی اور سختی مطلوب ہو تو صفات کا اضافہ کیا جائے مثلاً: وَاللّٰہُ الْعَظِیْمُ۔

اور اسی طرح قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ رَحْمٰنُ رَحِیْمٌ ہے اس شخص کا میرے ذمے نہ وہ مال ہے جس کا یہ دعویٰ کرتا ہے اور نہ اس کا کوئی جزء ہے[1]

تغلیظ کے الفاظ میں کمی بیشی ہو سکتی ہے قاضی کو اختیار ہے مگر یہ ضروری ہے کہ صفات کا ذکر بغیر حرف عظمت عطف کے ہو۔ مثلاً وَاللّٰہُ رَحْمٰنُ رَحِیْمٌ اور یوں نہ ہو وَاللّٰہُ وَالرَّحْمٰنُ وَالرَّحِیْمُ۔

قسم میں زمان یا مکان کی کوئی قید نہیں

حلف میں تغلیظ زمان یا مکان کے اعتبار سے نہ کی جائے گی۔ جس طرح کوئی قسم کے لیے عصر کے بعد کا وقت یا جمعہ کا دن مقرر کرے۔ قسم کے لیے کسی کو کہا جائے کہ تو مسجد میں چل کر قسم اٹھا یا فلاں بزرگ کے مزار کے سامنے قسم کھاؤ یہ سب درست نہیں ہے[2]

---

[1] ہدایہ، مولانا امجد علی اعظمی، صدر شریعہ: بہار شریعت [2] ایضاً

قرآن کی قسم خلافِ شرع

یہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ غیر اللہ کی قسم نہیں ہوتی لیکن آج کل لوگ حلف یا قسم لیتے وقت قرآن مجید ہاتھ میں دے کر کچھ الفاظ کہلواتے ہیں۔ جو یہ ہیں:۔

(۱) اسی قرآن کی مار پڑے ایمان پر خاتمہ نصیب نہ ہو۔

(۲) اسی قرآن کی مار پڑے خدا کا دیدار نصیب نہ ہو۔

(۳) اسی قرآن کی مار پڑے شفاعت نصیب نہ ہو۔

یا کچھ دیگر کلمات کہلوائے جاتے ہیں یہ سب باتیں خلافِ شرع ہیں۔ قرآن شریف ہاتھ میں اُٹھانا یہ حلف شرعی نہیں۔

اس مسئلہ کی اگر مزید تحقیق مطلوب ہو تو بہار شریعت حصہ نہم دیکھو۔

جُوا حرام ہے

قرآن حکیم کی آیت سے ثابت ہے کہ جُوا حرامِ قطعی ہے ربّ کائنات ارشاد فرماتا ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [1]

ترجمہ: اے ایمان والو! شراب اور جُوا، بُت اور پانسے ناکام شیطانی کام ہیں ان سے بچتے رہنا تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اس آیت کریمہ میں واضح الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جُوئے کو حرام قرار دیا ہے، اب بھی اگر کوئی ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود جُوا کھیلے اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دے تو اس سے بڑا ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو اپنا تو

---

[1] سورہ مائدہ آیت نمبر ۹۰

بیڑا غرق کر ہی رہا ہے۔ ساتھ دوسروں کو بھی غرق کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ بعض لوگ جوا اس لیے کھیلتے ہیں کہ ہم امیر ہو جائیں گے مگر آج تک کوئی جواری امیر نہ ہوا۔ بلکہ سلطان العارفین حضرت باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ع جوا کسے نہ جیتیا سب جوئے جتے ہو

حدیث پاک میں ہے :۔ اگر کوئی بھول کر اپنے ساتھی کو کہہ دے کہ آؤ جوا کھیلیں تو اس کو خیرات کرنا ہوگی۔

غور کیجئے اگر سہواً جوئے کا نام لیا تو خیرات لازم اور اگر جان بوجھ کر کوئی جوا کھیلے گا تو؟ یقیناً عذاب لازم۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس فعلِ قبیح سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

اے مسلمان غور کر یہ جسم یہ جان، یہ حسن یہ جمال، یہ آواز یہ کمال یہ صحت یہ دولت، یہ طاقت یہ زور، یہ زبان یہ کان، الغرض اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں جو اس نے تجھے عطا کی ہیں کہیں تو ان کی ناشکری تو نہیں کر رہا۔ کہیں تو ان کا غلط استعمال تو نہیں کر رہا۔ کہیں تو ان کو اپنے ہاتھوں تباہ تو نہیں کر رہا؟ اگر ایسا ہے تو فوراً آج ہی اسی وقت سچی توبہ کر۔ اللہ غفور و رحیم ہے اور اگر پہلے ہی شکر گزار ہے تو مزید عبداً شکور بن جا، تاکہ اللہ تجھے اپنا ولی بنا لے۔

؎ قدم رکھنا ہے شہادت گہِ اُلفت میں
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

ہائے افسوس

آج ہمارا معاشرہ اس قدر بگڑ گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی راہِ حق اختیار کرتا ہے اور برائی سے توبہ کر لیتا ہے اور نیکی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی طرف دعوت دیتا ہے تو اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور اس کو طرح طرح کے طعنے دیئے جاتے ہیں طعنے

افسوس اس معاشرے پر اور حیرت ان لوگوں کی سوچ پر جو اس فانی زندگی کو باقی سمجھ بیٹھے اور باقی زندگی کو فراموش کر بیٹھے۔ حالانکہ ہم سب کو آیک نہ ایک دن اس اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے جو ہمارا خالق و مالک ہے۔ اپنے کردہ اعمال کا جواب دینا ہے۔ اگر یہ اندازِ تفکّر اپنا لیا جائے تو ہر قسم کی آفات سے نجات ملنا ممکن ہے اور اگر سابقہ روش، اہلِ حق کا مذاق اُڑانا کسی کو نیک اعمال کرتے دیکھ کر حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے اس کی حوصلہ شکنی کرنا اور نیکی کی دعوت میں ساتھ دینے کی بجائے مخالفت کرنا، پر قائم رہا جائے تو ہرگز اصلاحِ احوال نہیں ہو سکتی۔ دُنیا میں وہی قومیں ترقی کرتی ہیں جن کو اپنے مشن کے ساتھ محبّت ہوتی ہے۔ جو قومیں اپنے مقصد سے انحراف کرتی ہیں اور حقائق کو مُنہ چڑاتی ہیں وہ کبھی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار نہیں ہوتیں۔ حق اور باطل کا معرکہ ہمیشہ سے گرم ہے اور رہے گا لیکن انجام کار حق ہی غالب آتا ہے، باطل ہی سرنگوں ہوتا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

بندہ مومن اور مجاہدہ

اگر کوئی یہ کہے کہ وہ راہِ حق پر بھی چلے اور اس کو مصیبت کا سامنا بھی نہ کرنا پڑے تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مومن کی ساری زندگی مجاہدے سے عبارت ہوتی ہے اور اس کو جو انجام دُنیا و آخرت میں دیا جاتا ہے وہ بھی مجاہدے ہی کی بدولت ہوتا ہے، انسان کی سعی کو اس کے اعمال میں بہت حد تک دخل ہے۔ بندہ مومن کی کوشش سے حق غالب آتا ہے اور باطل سرنگوں ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اب تو زمانہ اتنا بگڑ چکا ہے کہ حق غالب آتا نظر نہیں آتا، تو اس کا جواب مختصراً یہ ہے کہ بدر والی فضا سے زیادہ سخت حالات تو نہیں ہیں، یا اُحد سے زیادہ خرابی والا معاملہ

تو نہیں ہے حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے بلکہ جدوجہد کو تیز کرنا چاہیے۔

؎ آ تجھ کو بتادوں میں تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

حدیث نمبر ۱۸

عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَۃَ قَالَ کُنْتُ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَہٗ لَآ اٰکُلُ وَاَنَا مُتَّکِئٌ[1]

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ آپ نے ایک شخص سے فرمایا جو آپ کے پاس تھا کہ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔

اس حدیث مبارکہ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری اُمّت کو ایک پیارا طریقہ عطا فرمایا ہے۔ جس پر عمل کرنے میں ہمارا بہت فائدہ ہے یہ ربّ کائنات کا فضلِ عظیم ہے کہ اس نے ہمیں لپنے لاڈلے اور آخری رسول کی اُمّت بنایا۔ اور ہمیں جہنّم کی آگ سے بچنے کا طریقہ سکھایا، رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو خوب خوب تعلیم دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے دیئے ہوتے نظامِ حیات کے مطابق زندگی بسر کریں۔

اُمّت کو تعلیم اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری کتاب الاطعمہ۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا [1]

ترجمہ: اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح کے علوم عطا فرما دیئے۔ گویا یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب پر فضل عظیم ہے۔ رسولِ پاک نے اپنی اُمت کو زندگی کے ہر ہر شعبے میں ہدایات عطا فرمائی ہیں۔ لہٰذا اپنی اُمت کو تعلیم دینے کی خاطر خود عمل کر کے دکھایا اور پھر اس کو اپنی اُمت کے لیے نمونہ بنایا۔ جب نماز و زکوٰۃ والی آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ "صلوٰۃ" کیا ہے تو آپ نے فرمایا:۔

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ۔ [2]

تم نماز اس طرح پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔

کھانا کھانے کے آداب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو یوں تو بے شمار ہدایات، بے شمار نعمتیں، بے شمار دولتیں عطا کیں، لیکن یہ بات بھی نہایت توجہ طلب ہے کہ آپ نے اپنے غلاموں کو کھانا کھانے تک کے آداب بھی سکھائے جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے:

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔ [3]

اس حدیث مبارکہ میں ہمارے آقا علیہ السلام نے ہمیں تکیہ لگا کر کھانا کھانے سے

---

[1] سورہ نساء آیت نمبر ۱۱۳ [2] بخاری شریف [3] بخاری کتاب الاطعمہ۔

منع فرمایا ہے۔ اس میں کئی قسم کی حکمتیں ہیں ایک تو بندہ اگر تکیہ لگا کر کھائے تو متکبّر معلوم ہوتا ہے دوسرا طبّی نکتہ نظر بھی اس طرح کھانا نقصان دہ ہے۔
کھانا کھانے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کھاتے وقت بائیاں زانوں دوہرا کر لیا جائے اور دائیاں زانوں کو کھڑا کر لیا جائے اور اطمینان کے ساتھ آہستہ آہستہ خوب چبا چبا کر کھایا جائے تاکہ معدے کو زیادہ دشواری نہ ہو۔ سنّت پر عمل کرنے میں ہزار فائدے ہیں۔ ایک اللہ و رسول راضی، دوسرا صحت و تندرستی کی ضمانت، تیسرا صبر و تحمل کا درس، یہ سب نعمتیں ہمیں پیارے آقا و مولیٰ ہی کے صدقے میں نصیب ہوئی ہیں۔
ہم سب کو بحیثیت مسلمان اپنے کردار کو سنوارنا چاہیے تاکہ ہماری یہ زندگی اور اُخروی زندگی، دونوں سنور جائیں اور مرنے کے بعد بھی ہماری یاد اچھے انداز میں باقی رہے۔

میری ہستی کا گمان جب خاک میں ملجائے گا
یاد تازہ ہو گی، میری زیست کی تصویر سے

اہل حق کی توجہ کے لیے

اس میں کوئی شک نہیں کہ حقانیت ہمیشہ غالب آکر رہتی ہے مگر اس کے لیے اہل حق کو بڑی زبردست کوشش کرنی پڑتی ہے اور بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں تب کہیں جا کر حق غالب آتا ہے اور باطل مغلوب ہوتا ہے۔
انسان طبعاً متلون مزاج ہے اور یہ اپنے آپ کو آسائش میں رکھنا پسند کرتا ہے اور مشقت سے دُور بھاگتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی ساری کامرانی اس کی سعی و کوشش سے منسلک کر رکھی ہے۔ ربّ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:-
وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝ (سورہ نجم آیت نمبر ۳۹)

ترجمہ: اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش (سے)

انسان بظاہر یہ سمجھتا ہے کہ وہ ترقی کی طرف گامزن ہے اس وجہ سے کہ وہ مال و زر جمع کر رہا ہوتا ہے، بڑے بڑے مکانات تعمیر کر رہا ہوتا ہے بڑے بڑے کارخانے اور فیکٹریاں لگا رہا ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان کی حقیقی ترقی ان چیزوں سے مختص نہیں بلکہ وہ تو اعمال صالحہ کے ساتھ وابستہ ہے اس دُنیا میں جس بیدردی کے ساتھ فحش لٹریچر اور گندی فلموں کے ذریعے نوجوانوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے وہ یقیناً کسی ذی عقل سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اب تو یہ امر پوری دُنیا کے مسلمانوں کے لیے چیلنج کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ خیر اس کا تدارک ممکن ہے مگر اسی صورت میں کہ اہلِ ایمان کو ان کی پہچان کرائی جائے۔

مدنی کلچر

اسی طرح کھانا کھانے میں اہلِ اسلام نے یہود و نصاریٰ کی نقالی اختیار کر لی ہے جو کسی صورت بھی لائقِ التفات نہ ہے۔ جن لوگوں کو رزق میسّر ہے وہ اس کی قدر و منزلت سے بے خبر ہیں اور جن لوگوں کو پیٹ بھر روٹی میسّر نہیں آتی وہ اس کے حصول کے لیے سرگرمِ عمل ہیں۔ ہمارے ہاں شادی بیاہ و دیگر تقریبات پر جس بے دردی کے ساتھ رزقِ خدا کو ضائع کیا جاتا ہے وہ ایک حقیقت ثابتہ ہے، جس سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا۔ برِّاعظم افریقہ میں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے اب وہاں کے لوگ غربت کی وجہ سے عیسائیت اختیار کر رہے ہیں امریکہ انکو روٹی دیتا ہے وہ اس کی طرف مائل ہو ہو کر عیسائی ہو رہے ہیں ایمان والوں کو ان کی کوئی فکر ہے؟ جنّت میں جانے کا راستہ یقیناً یہی ہے کہ ہم مخلوقِ خدا کی خدمت کریں اور اپنے آپ کو مدنی کلچر میں رنگ لیں۔ حدیث پاک میں ہے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم جب کھانا کھا لیتے یا کوئی چیز پی لیتے تو یوں دُعا کرتے۔

کھانا کھانے کے بعد کی دُعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَطْعَمَ وَسَقٰی وَسَوَّغَہٗ وَجَعَلَ لَہٗ مَخْرَجًا[1] ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے کھلایا اور پلایا ٹھہرایا پھر اس کے خارج ہونے کا انتظام فرمایا۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں مذکور ہوا ہے:۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو یوں دُعا کرتے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ[2]

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لیے جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا۔

یہ تو وہ دعائیں ہیں جو ہر مسلمان کو کھانا کھانے کے بعد کرنی چاہئیں اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان بھائی کے ہاں کھانا کھائے تو اس کو جہاں کھانا کھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے وہاں اپنے میزبان بھائی کے لیے بھی دُعا کرنی چاہیے۔ حدیث شریف میں اس کی طرف بھی ترغیب دلائی گئی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ابو الہیثم ن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو بلایا، جب کھانا کھانے سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا، اپنے بھائی کو بدلہ دو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ!

---

[1] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ سنن ابو داؤد، کتاب الاطعمۃ [2] ایضاً۔

اس کا بدل کیا ہے تو ارشاد فرمایا :۔

اَنَّ الرَّجُلَ اِذَا اَدْخَلَ بَیْتَهٗ فَاَکَلَ طَعَامَهٗ وَ شَرِبَ شَرَابَهٗ فَدَعُوا لَهٗ فَذٰلِکَ اِنَابَتُهٗ[1]

ترجمہ : جب کوئی آدمی کسی کے گھر داخل ہو۔ کھانا کھائے اور پانی پیئے تو وہ اس (صاحب خانہ) کے لیے دُعا کرے یہی اس کا بدلہ ہے۔

کائناتِ عالم میں جتنے مذاہب ہیں ان سب میں زیادہ پیارا حسین اور دِل لگتا مذہب اسلام ہے جس کو اللہ رب العالمین نے دین بنایا اور اس کے ذریعے تمام انسانوں کی بھلائی کے لیے ہدایات دی ہیں نبی اکرم تاجدارِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پیارے انداز میں کھانے پینے اور پھر اس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی ترغیب دلائی اور حکم دیا وہ بہت حسین اور دل نشین انداز ہے۔ اللہ تعالےٰ ان فرامین پر عمل کی توفیق دے۔ (آمین!)

---
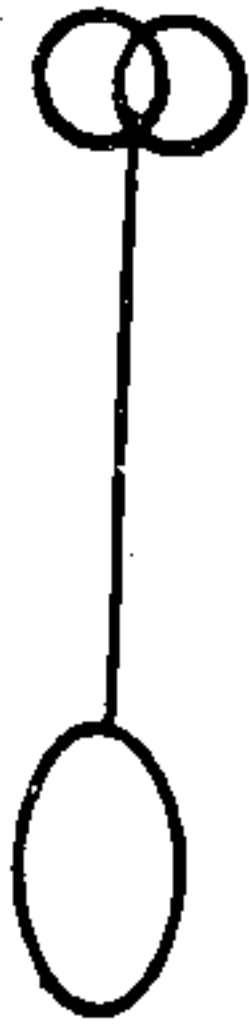
[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ سنن ابوداؤد، کتاب الاطعمہ

حدیث نمبر ۱۹

قَالَ اَخْبَرَنِیْ ثُمَامَۃُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ کَانَ اَنَسٌ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَتَنَفَّسُ فِی الْاِنَاءِ مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلَاثًا وَزَعَمَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَتَنَفَّسُ ثَلَاثًا[1]

ترجمہ: حضرت ثمامہ بن عبداللہ کا بیان ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ برتن سے پانی پیتے ہوئے دو یا تین سانس لیتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین سانس لیا کرتے تھے۔

یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے (مسلمانوں کے) لیے ہی نہیں بلکہ ساری کائنات کے ذرّے ذرّے کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے۔ جیسا کہ ارشاد ربّ العالمین ہے:۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ[2]

اور (اے محبوب) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا جب تک وہ اپنی خواہش کو اس کے تابع نہ کر دے جسے میں لایا ہوں۔

اس حدیث مبارکہ کا واضح اور صاف مطلب یہ ہے کہ بندہ جب تک اپنے آپ کو سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور آپ کی سنّت کے رنگ میں رنگ نہ لے اس وقت تک وہ مومن نہیں ہو سکتا اور ہماری خوش

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، امام: صحیح بخاری، کتاب الاشربہ [2] سورۃ انبیاء آیت ۱۰۷

قسمتی اسی میں ہے کہ ہم اپنے پیارے آقا علیہ السلام کی پیاری پیاری سنتوں پر عمل پیرا ہو جائیں۔

برتن میں سانس نہ لو

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جب تم پانی پینے لگو تو برتن کے اندر سانس نہ لیا بلکہ جب سانس لینے کی ضرورت محسوس ہو تو گلاس سے باہر سانس لو۔ ایک روایت میں ہے: "حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی پانی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے"[1]

اگر بنظر غور دیکھا جائے تو طبی نقطہ نظر سے بھی پانی پیتے وقت برتن میں سانس لینا نہایت نقصان دہ ہے وہ اس طرح کہ جب انسان کے پھیپھڑوں سے ہوا گذر کر لوٹتی ہے تو وہ اپنے ساتھ ہزاروں گندے جراثیم لاتی ہے ان جراثیموں سے بچنا نہایت ضروری ہے اگر ان سے پرہیز نہ کیا جائے تو کئی قسم کی جسمانی بیماریاں لاحق ہو سکتی ہیں۔ لہذا بہتری اسی میں ہے کہ ہم پانی پیتے وقت سانس برتن میں لینے کی بجائے برتن سے باہر لیں اور پانی آہستہ آہستہ پئیں تاکہ دل و جان قرار بھی پائے اور ثواب بھی ملے۔

پانی پینے کا سنت طریقہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر میں اور میرے ماں باپ قربان ہوں آپ نے کیسے پیارے پیارے طریقے ہمیں سکھاتے ہیں۔ جن پر عمل کرنے میں ہماری اپنی ہی بھلائی ہے۔ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ پانی آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر تین سانس لے کر پیو تاکہ تمہیں سکون و قرار ملے اور اللہ کے ہاں ثواب کے مستحق قرار

---

[1] ابو عبداللہ، محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری، کتاب الاشربہ ۞

پائے۔ کھانا کھانے سے پہلے پانی پی لینا بہت ہی فائدہ مند ہے۔ کھانا کھانے کے دوران پانی پینا بھی نقصان دہ نہیں، مگر کھانا کھا چکنے کے بعد پانی پینا اور گٹا گٹ پیتے جانا نقصان دہ عمل ہے اس سے گیس ٹربل، پیٹ کا اپھارہ بدہضمی وغیرہ کی شکایت ہو سکتی ہے۔

دَورِ صداقت

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ علم و حکمت جس کو عطا فرمایا وہ محبوب رب العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کا ہر فرمان بے پناہ حکمتوں پر مبنی ہے۔ پانی پینے کا جو طریقہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔ اس سے بہتر طریقہ دُنیا کا کوئی طبیب ہرگز نہیں بتا سکتا۔ اس جدید دَور میں مسلمان احساسِ کمتری کا شکار نا معلوم کیوں ہے حالانکہ یہ زمانہ اسلام کی صداقتوں کا زمانہ ہے سائنس کے تجربات کھُلے کھُلے انداز میں اسلام کی حقانیت کو واضح کر رہے ہیں۔ انسان کے مُنہ کی ہوا جب وہ پھیپھڑوں سے ہو کر آتی ہے تو اپنے ہمراہ ہزاروں جراثیم لیکر آتی ہے اگر وہ پانی کے اندر داخل ہو جائے تو اپنے بُرے اثرات یقیناً اس پر چھوڑے گی جس سے صحتِ انسانی کے متاثر ہونے کا قوی امکان ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے سے اس لیے روکا کہ کہیں پانی جراثیم سے آلودہ ہو کر اندر نہ چلا جائے اور انسان کو کسی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ہمارا ایمان و یقین کامل ہونا چاہیے کہ وہی طریقہ برحق ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب علیہ السلام نے بتا دیا ہے۔ دُنیا والے اگر خلافِ سنت چلیں تو ان کو منع کرنا لازم ہے نہ یہ کہ ہم خود بھی اسی رَو میں بہہ جائیں اللہ توفیق عمل دے (آمین)

حدیث نمبر ⑳

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ خَاتَماً مِّنْ ذَهَبٍ فَنَبَذَهُ فَقَالَ لَا أَلْبَسُهُ أَبَداً فَنَبَذَ النَّاسُ خَوَاتِيْمَهُمْ[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہنی، پھر پھینک دی اور فرمایا میں اسے اب کبھی نہیں پہنوں گا تو لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔

اس حدیث مبارکہ میں ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ سونے کی انگوٹھی مسلمان مرد کے لیے جائز نہیں ہے۔ بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ہے[2]۔

سونے کی انگوٹھی اور ہمارا عمل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی کو حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے کسی مسلمان مرد پر اس کا پہننا درست نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اس حکم کے سُن لینے کے باوجود بھی سونے کی انگوٹھی پہنے گا تو وہ یقیناً سخت گنہگار ہوگا۔

اس دَور میں عام طور پر نوجوانوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ سونے کی ایک نہیں بلکہ دو، دو تین، تین انگوٹھیاں پہنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اس عمل سے ان

---

[1] ابوعبداللہ، محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: صحیح بخاری، کتاب اللباس [2] ایضاً ۔

لوگوں کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ وہ دوسروں میں ممتاز نظر آئیں، لوگ ان کو صاحبِ ثروت، مالدار سمجھیں اور ان کی عزّت کریں۔ گویا اب ہمارے ہاں عزّت کا معیار تقویٰ و پرہیز گاری نہیں بلکہ مال و زر ہے سونا اور چاندی ہے۔ روپیہ پیسہ ہے۔ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو کسی بھی انسان کی عزّت و عظمت کا معیّار اس کا مال و زر نہیں ہوتا بلکہ اس کا کردار ہوتا ہے اگر اس کا کردار عمدہ ہے تو وہ شخص صاحبِ عزّت ہے اور اگر کردار درست نہیں ہے، تو دُنیا اس کی کتنی ہی معترف اور معتمد کیوں نہ ہو جائے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کوئی مقام و مرتبہ نہیں ہے۔ اسی نکتے کو واضح کرتے ہوئے ربّ العالمین اپنی مقدس کتاب، قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝[1]

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں خاندان اور قبیلے بنایا تاکہ آپس میں تعارف رکھو۔ بیشک اللہ کے ہاں تم میں سب سے زیادہ عزّت والا پرہیزگار ہے بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عزّت و وقار کا معیار تقویٰ و پرہیزگاری کو قرار دیا ہے۔ اہل حق کے نزدیک یہی معیارِ عظمت ہے اور اسی عظیم دولت (تقویٰ) کے باعث انسان دُنیا و آخرت میں سرخرو ہوگا۔

چاندی کی انگوٹھی جائز ہے

سونے کی انگوٹھی پہن کر اگر کسی نے نماز ادا کی تو وہ نماز قابلِ قبول نہ ہوگی مرد

---

[1] سورہ حجرات آیت نمبر ۱۳

کی زینت سونا نہیں بلکہ حُسنِ خلق ہے۔ کسی شخص کے جس قدر اخلاق اچھے ہوں گے اسی قدر وہ دوسروں میں ممتاز ہوگا۔ اگر ضرور ہی انگوٹھی پہنے کو جی چاہے تو پھر چاندی کی انگوٹھی جس کا وزن ساڑھے چار ماشہ سے زیادہ نہ ہو ایک نگینے والی پہن لینی چاہیے[1]

اسی طرح سونے کے بٹن اگر قبا وغیرہ کو لگے ہوں مگر ان کو زنجیری کے ساتھ باہم ملایا نہ گیا ہو وہ بھی جائز اور درست ہیں سونے کی زنجیری یا چین گلے میں پہننا مردوں کے لیے حرام ہے۔ بازو میں سونے یا چاندی کا چین یا کڑا پہننا بھی ناجائز ہے۔

یوں تو سیّد بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مُسلمان بھی ہو

احکامِ شرع پر عمل

اس میں کوئی شک نہیں دین و دُنیا کی بھلائی سیّدِ عالم فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سُنّتِ مقدّسہ پر عمل کرنے میں ہے، لیکن ہمارے زمانے میں لوگ دُنیوی زیب و زینت کو اس قدر اہمیّت دیتے ہیں کہ اپنے اصل مقام ہی سے گر جاتے ہیں۔ اگرچہ مرد کی زینت زیورات میں نہیں، اس کی زینت اس کے عمدہ کردار میں ہے۔ وائے ناکامی کہ مسلمان کی سوچ اہلِ یورپ کی نکاہ میں پست ہو گئی، اس نے یہ باور کر لیا کہ شاید کامرانی کا راز مال و زر ہے حالانکہ سونا اور چاندی تو وہ چیزیں ہیں جن کو ہمارے اکابر نے پائے حقارت

---

[1] آج کل بریلی شریف کی بنی ہوئی چاندی کی نہایت خوبصورت انگوٹھی جس کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہے وہ مکتبہ تعلیم و تربیت ۱/ مرکز الادیس دربار مارکیٹ سستا ہوٹل لاہور سے لے کر پہن لینا چاہیے۔

سے ٹھکرا دیا ہے۔ اسلام نے اعلیٰ زندگی اور اعلیٰ شخصیت کا معیار تقویٰ رکھا ہے۔ انسان ہزار کوشش کرے علوم و فنون میں مہارتِ تامّہ حاصل کرے کتابیں لکھ ڈالے لوگوں میں بہت ممتاز ہو جائے، ان سب کمالات کے ہوتے ہوئے بھی اس کو قلبی سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔ دل کا چین صرف اور صرف اللہ ربّ العالمین کی یاد میں ہے۔ انسان اس جہاں میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اور یہ نائبیت، نائبیتِ کبریٰ ہے۔ اس سے بڑا کمال اور کیا ہو سکتا ہے۔ بندہ اپنے خالق کے احکامات پر عمل پیرا ہو جائے اور احکامِ شرع پر عمل کرنے کو اپنی نجاتِ اُخروی کا ذریعہ جانے۔

وہ زندگی کتنی حسین زندگی ہے ؟ ظاہر و باطن کے اعتبار سے ایک ہو، ظاہر بھی صاف ستھرا اور پاکیزہ ہو، اسی طرح باطن بھی نہایت صاف ستھرا اور پاکیزہ ہو۔ مؤمن کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کے لحاظ سے ایک سا ہوتا ہے۔ جس شخص کا ظاہر و باطن ایک جیسا نہ ہو اس کو منافق کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو احکامِ شرع پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرماتے آمین! لیکن صرف اس سے بھی کام نہیں چلتا بلکہ دوسروں کو بھی نیکی کی دعوت دی جائے اور دینِ حنیف کی تبلیغ کی جائے اور اپنے مسلمان ہونے کا حق ادا کیا جائے۔ ہاں اس راہ میں بڑے بڑے خطرات ہیں، مصیبتیں ہیں، آفات ہیں، بلّیات ہیں، مگر ان سب کا مقابلہ کرنا ایک مؤمن کی صفت ہے وہ ان تمام آزمائشوں سے گزر کر اپنے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی حاصل کر لیتا ہے آئیے عہد کریں کہ آئندہ خلافِ شرع کوئی کام نہیں کریں گے۔

حدیث نمبر (۲۱)

عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ مَا سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ قَطُّ فَقَالَ لَا۔[1]

ترجمہ: محمد بن مُنکَدِر کا بیان ہے میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بھی کوئی سوال کیا گیا تو آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ "نہیں"۔

اس حدیث مبارکہ میں ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کمال کی طرف اشارہ ہے اور وہ کمال یہ ہے کہ کسی شخص نے جب بھی ہمارے نبی سے کوئی سوال کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ "لا" یعنی مجھے اس سوال کا جواب نہیں آتا یا یہ کہ جو چیز تم طلب کر رہے ہو میں دے نہیں سکتا۔

اس حدیث پاک کی ترجمانی کرتے ہوئے امام اہلسنّت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مانگیں گے مانگے جائیں گے مُنہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے[2]

مجھے زمین کے خزانوں کی کُنجیاں دی گئیں

بخاری شریف میں ہے حضرت

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری : امام صحیح بخاری کتاب الادب۔

[2] احمد رضا بریلوی، امام حدائق بخشش۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ ایک دن رسول اللہ نکلے اور اہلِ اُحد پر آپ نے نماز پڑھی بالکل ایسے جیسے میت پر نماز پڑھی جاتی ہے پھر (لوٹ کر) آپ منبر پہ جلوہ گر ہوئے اور فرمایا (اے صحابہ!) میں تم سے خوش ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔ پھر فرمایا:

وَاِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ اَوْمَفَاتِیْحَ الْاَرْضِ وَاِنِّیْ وَاللّٰهِ مَا اَخَافُ عَلَیْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِیْ وَلٰكِنْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْهَا [1]

ترجمہ: اور مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں یا زمین کی کنجیاں دی گئی ہیں، بخدا مجھے اس بات کا (اتنا) ڈر نہیں کہ تم شرک کرنے لگو گے لیکن تم پر دنیا کے غالب آنے کا اندیشہ ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب دانائے کلِ غیوب، عالم ماکان و مایکون، حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خزانوں کا مالک و مختار بنایا ہے اور ہر قسم کی نعمتیں اپنے پیارے رسول کو عطا فرمائی ہیں، آپ کو تمام کمالاتِ ظاہر و باطن کا منبع بنایا ہے۔ ہر قسم کے علوم عطا فرمائے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:۔

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذی شان گیا [2]
ساتھ ہی منشیٔ رحمت کا قلمدان گیا

ایک اور حدیثِ پاک میں آیا ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ یُعْطِیْنِیْ [3] (اللہ مجھے عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں)

---

[1] بخاری، کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی الشہید [2] حدائق بخشش جلد ۱ ص ۱۹
[3] ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام صحیح بخاری۔ کتاب العلم ص ۱۴ ج ۱

اس حدیث میں قید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا عطا کیا اور آپ کیا کیا تقسیم کرتے ہیں بلکہ معنیٰ عام ہے جو کچھ اللہ ربّ العزّت نے تخلیق فرمایا جو نعمتیں دنیا و آخرت میں ہیں وہ سب حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیں اور ساتھ ہی اختیار عطا فرما دیا کہ اے محبوب جسے چاہو جتنا چاہو عطا کر دو۔ قرآن مجید میں ہے:

"اور جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے باز آجاؤ۔" [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں جب بھی کوئی سوالی آیا وہ کبھی خالی نہ لوٹا، آپ اسے اتنا عطا کر دیتے کہ دوبارہ کسی دوسرے دَر پر جانے کی حاجت ہی باقی نہ رہتی۔ آج بھی اگر کوئی صدق دل سے سرورِ عالم کی بارگاہِ عالیہ میں سوال کرے تو آپ اللہ کے اذن سے عطا فرماتے ہیں اور قیامت تک فیضان کا سلسلہ جاری رہے گا اور بعد از قیامت بھی۔

لب وا ہیں آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک تیرے پاک دَر کی ہے [2]

عقل سلیم کا تقاضا

یہ بات سمجھنے سے ہر ذی شعور قاصر ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے ایک کلمہ گو اپنے پیارے نبی کے کمالات کا منکر ہو اور بڑی ڈھٹائی سے کہہ دے کہ رسول اللہ کو فلاں بات کا علم نہ تھا۔ عقل سلیم اور ایمان کامل والا تو یقیناً پریشان ہو گا مگر اسی سبب سے حقیقت حال بھی نکھر کر سامنے آئے گی۔ اگر کوئی شخص مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا انکار بھی کرے تو وہ مسلمان نہیں بلکہ منافق ہے۔

---

[1] سورہ حشر آیت ۷ [2] احمد رضا بریلوی، امام: حدائق بخشش جلد ۱ صفحہ ۹

قرآن حکیم اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ کمالاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار یا تو مشرکین و کفار نے کیا یا پھر منافقین نے۔ اس جانب اشارہ کرتے ہوئے سورۃ منافقون میں فرمایا:۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ؕ[1]

ترجمہ: جب منافقین تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بے شک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

اللہ دلوں کے راز جانتا ہے

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو منافق قرار دیا جو دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھتے تھے لیکن زبان سے ایمان و یقین کا اعلان کرتے تھے قسمیں کھا کھا کر یقین دہانی کراتے تھے کہ ہم رسول اللہ پر ایمان رکھتے ہیں ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مانتے ہیں مگر ان کا زبانی ادّعا ردّ کر دیا گیا اور ان کو مُفتَرِی قرار دیا گیا اور ان کو جھوٹا کہا گیا بلکہ صاف صاف اعلان کر دیا گیا کہ یہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں جھوٹ ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ارشاد ہوا کہ اللہ تعالےٰ بندے کے دلوں کے راز جانتا ہے اور دل کے رازوں پر آگاہی اس رحمٰن و رحیم کی صفت ہے وہ فرماتا ہے:

---

[1] سورۂ منافقون آیت ۱

إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ [1]

ترجمہ: بے شک اللہ دلوں کی بات جانتا ہے:

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر لمحہ ہر آن اپنے بندوں کے جملہ احوال سے باخبر ہے۔ ربّ تعالیٰ کی ایک صفت ستّار ہے اور اس کا مطلب ہے عیبوں کو چھپانے والا پردہ ڈالنے والا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو وہ کمالات عطا فرمائے ہیں جن کا شمار حد و حساب سے باہر ہے ارشاد ربّانی ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى [2]

ترجمہ: اور عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے:

مَیں کیا کیا کہوں تجھے

یہ وہ مقام رفیع ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے۔ کوئی صاحب عقل اس بات سے ہرگز انکار نہیں کر سکتا کہ جو کمالات رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو عطا فرمائے ہیں وہ کسی دوسرے کو ہرگز عطا نہ فرمائے جب رب تعالیٰ خود فرمائے کہ اے محبوب ہم تجھے اتنا عطا کریں گے کہ تم راضی ہو جاؤ گے، تو کسی کی کیا مجال کہ وہ دم مارے اور عطائے رب کو احاطہ میں لا سکے۔ لیکن بعض لوگوں کو نامعلوم کونسا دورہ پڑتا ہے جو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شوکت خداداد کا بھی انکار کر دیتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ بندہ مومن ہوتا ہی وہ ہے جس کے سینے میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجزن ہو جس کا سینہ عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی ہو وہ ہرگز ایمان دار نہیں ہو سکتا۔ اوصاف سیّد عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً شمار و حساب سے باہر ہیں۔ امام احمد

---

[1] سورۃ مائدہ آیت ۷ [2] سورۃ الضحیٰ آیت ۵

بریلوی
رضا خاں محدث نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں :

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اتنا عطا فرمایا کہ پھر جس نے بھی درِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مانگا مل گیا۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے جب بھی کسی نے کچھ مانگا اسے وہ عطا ہوا بلکہ مانگنے والے کی طلب سے زیادہ دیا گیا۔ آج بھی کوئی مانگنے کا طریقہ تو سیکھے وہ عطا فرمانے پر پوری طرح قادر ہیں۔ ان کے رب نے انہیں دائمی طور پر خزانوں کا مالک بنا رکھا ہے۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں دُر بے بہا دیئے ہیں

اغیار کے کاشانوں پر حاضری

آج ہماری ذلت کا باعث بھی صرف یہی امر ہے کہ ہم نے درِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرار حاصل کر رکھا ہے۔ اغیار (یہود و نصاریٰ و دیگر کافروں) کے کاشانوں پر حاضری دیتے ہیں ان سے استمداد کرتے ہیں ان سے خیرات مانگتے ہیں حالانکہ وہ خود محتاج ہیں۔ ہمیں صرف اپنے رب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے مانگنا چاہیے اور بواسطہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مانگنا چاہیے۔ آج تک جس نے مانگا اُسے ملا اور آئندہ بھی قیام قیامت تک جو مانگے گا ملتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

وَمَا نَقَمُوٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ[1]

ترجمہ: اور انہیں کیا بُرا لگا یہی نہ کہ اللہ و رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

---

[1] سورہ توبہ آیت ۷۴

قرآن حکیم کی یہ آیت مبارکہ اس امر کی طرف واضح اشارہ کر رہی ہے کہ کافروں اور منافقوں کو یہ بات نہایت بُری لگتی ہے اہل ایمان کو اللہ و رسول (جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم) غنی کر دیں۔ پتہ چلا کہ اللہ و رسول (جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم) اہل ایمان کو غنی کر دیتے ہیں۔ اور یہ بات یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا عطا کرنا ہے اور رسول اللہ سے مانگنا اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا ہے۔

اس نکتہ کی جانب بار بار اشارہ اس لیے کرنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے زمانے میں بعض لوگ رسول اللہ سے مانگنے اور سوال کرنے کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ یہ بات سراسر خلاف قرآن و حدیث ہے۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا[1]

ترجمہ: اور جو رسول تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں باز آجاؤ۔

اس حکم کے ہوتے ہوئے بھی راہِ حق سے فرار اختیار کرنا اور یہ سمجھنا کہ معاذ اللہ رسول اللہ سے سوال کرنا شرک ہے یہ سراسر اندھا پن ہے۔ اللہ گواہ ہے اگر امت میں اس قسم کے باطل نظریات جنم نہ لیتے تو کبھی یہ اُمت ذلت و رسوائی کی بھینٹ نہ چڑھتی۔ کوئی نظریہ کسی قوم میں جلدی سے راسخ نہیں ہو جاتا بلکہ اس کو پروان چڑھتے چڑھتے کچھ وقت لگتا ہے کچھ عرصہ صرف ہوتا ہے۔ اس کام کے لیے جدوجہد کرنا پڑتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل اسلام کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کرم سے وابستگی ہی سلامتی ایمان کا سبب ہو سکتی ہے مگر یہود و نصاریٰ نے اس کے خلاف بڑے وسیع پیمانے پر سازش کر کے خوب مال و زر صرف کر کے یہ نظریہ

---

[1] سورہ حشر آیت ۷

اہلِ اسلام میں پھیلانے اور اسے مسلمانوں کے اذہان و قلوب میں راسخ کرنے کے لیے اپنے گماشتے ان میں چھوڑے جن کے ذریعے سے اہل ایمان کو ورغلایا گیا، ان میں پھُوٹ ڈالی گئی ورنہ ہم نے ابھی عرض کیا ہے کہ یہ عقیدہ ابتدا ہی سے اہلِ اسلام کا رہا ہے کہ جب بھی کوئی مشکل پڑی بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں التجا کی جائے ؎

اے خاصۂ خاصانِ رُسُل وقتِ دُعا ہے
اُمّت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

یہ باتیں ہم جوش میں آکر نہیں لکھ رہے بلکہ حقیقت کا بیان ہے اس سے کوئی راہِ فرار اختیار نہیں کرسکتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہمیشہ یہ عمل رہا۔ جب بھی انہیں کوئی مشکل پیش آتی اس کے حل کے لیے سیدھے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ کافروں کو یہ بات کسی صورت میں بھی گوارا نہ تھی نہ ہے کہ مسلمان اپنے نبی کے دامن رحمت سے وابستہ رہیں بلکہ ان کی خواہش تو ہر ممکن یہی ہے کہ اہلِ ایمان کے دلوں سے محبّت و عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نکال دیا جائے۔ ؎

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
رُوحِ محمّد اس کے بدن سے نکال دو

جب کسی مسلمان کے سینے میں دھڑکنے والے دِل میں محبتِ رسول کا ذرہ بھی باقی ہوتا ہے وہ گمراہ نہیں ہوتا اور جب کوئی اس نعمت سے محروم ہو جاتا ہے تو پھر وہ دولتِ ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔ آپ اکثر مشاہدہ فرمائیں گے کہ جو لوگ راہِ حق سے بھٹک جاتے ہیں وہ کھلے بندوں کہنے لگتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو انسان ہی تھے اور ان پر بھی موت آئی

اور پھر..... میرا قلم کیا لکھے؟ لکھنے سے قاصر ہے۔ میری زبان کیا کہے؟ کہنے سے قاصر ہے..... بس مَیں تو اتنا ہی عرض کروں گا کہ اگر دامنِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ میں ہے تو ایمان سلامت اور اگر وہ چھوٹ گیا تو ایمان ......
آپ بھی تو غور فرمائیں آپ بھی تو راہِ حق کی طرف آئیں اور اپنا فرض نبھائیں۔

اپنا فرض پورا کرو

الحمدللہ مسلمان پوری دنیا میں موجود ہیں اور جہاں جہاں ہیں وہاں وہاں اللہ اور اس کے پیارے رسول کا ذکر کرتے ہیں خواہ کسی حال میں بھی ہوں اور ان کا ذکر کرنے کا طریقہ خواہ کیسا بھی ہو، لیکن سوال تو یہ ہے کہ آج اتنی اکثریت میں ہونے کے باوجود بھی زبوں حال کیوں ہیں؟ اس کا جواب سیدھا سادھا یہ ہے کہ ہم نے اپنا فرض منصبی نہیں نبھایا اگر وہ نبھایا ہوتا تو آج ہماری یہ حالت ہرگز نہ ہوتی۔ ہم نے دوسروں کو دعوتِ الی اللہ دینے کی کبھی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ اپنے کاروباری معاملات میں اس قدر اُلجھ کر رہ گئے ہیں کہ ہمیں ہمارا فرض منصبی تک یاد نہیں رہا۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر آپ نے اپنا فرض منصبی ادا کیا اور دوسرے لوگوں کو دعوت الی اللہ دی تو کامرانی یقیناً آپ کے قدم چُومے گی۔ اگرچہ یہ زمانہ پُرآشوب ہے مگر آج بھی اگر راہِ حق کی طرف خود کو گامزن کرکے دوسروں کو اس کی طرف دعوت دی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ کلمہ پڑھنے والے تمہارا ساتھ نہ دیں۔ بس تھوڑی سی ہمت کیجیے اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہوگی۔ رب العالمین فرماتا ہے:۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (سورہ سجدہ آیت ۳۳)

ترجمہ: اور اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیکی کرے اور کہے میں مسلمان ہوں ؂

اس ارشاد باری تعالیٰ کو پڑھنے کے بعد آپ آج اسی وقت فیصلہ کریں کہ میں دعوت الی اللہ کا کام کروں گا۔ رسول اللہ کے بھٹکے ہوئے غلاموں کو راہِ حق کی طرف بلاؤں گا وہ مذاق اڑائیں گے تو ہرگز برا نہ مناؤں گا بلکہ اپنا کام کرتا چلا جاؤں گا پھر انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

حدیث نمبر (۲۲)

عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اٰوٰى إِلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ بِاسْمِكَ أَمُوْتُ وَأَحْيَا وَإِذَا قَامَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ [1]

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر تشریف لے جاتے تو کہتے تیرے نام کے ساتھ سوتا اور جاگتا ہوں جب آپ بیدار ہوتے تو کہتے خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں مرنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ؂

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو زندگی گزارنے کا کامل طریقہ عطا فرمایا جس کو سنت کہتے ہیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے، سونے جاگنے، اٹھنے بیٹھنے اور رہنے سہنے کا ایک اکمل نظام

---

[1] بخاری شریف، کتاب الدعوات ؂

عطا فرمایا، جو حدیث مبارکہ ابھی ابھی آپ کی نظر سے گزری ہے اس میں ہمارے آقا و مولیٰ کا ایک ایسا عمل بیان ہوا ہے جو ہمارے لیے باعثِ رحمت ہے۔

جب سرکارِ مدینہ سونے کے لیے بستر پر جلوہ گر ہوتے تو دُعا کرتے جس کے الفاظ یہ ہیں :-

بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيَا ۔ (تیرے ہی نام کے ساتھ سوتا اور جاگتا ہوں)

یہ دُعا ہر مسلمان کو یاد ہونی چاہیے تاکہ وہ بستر پر جائے تو سُنّت کے مطابق سوئے اور ثواب کا مستحق قرار پائے۔ جہاں تک سنّت پر عمل کرنے کے اجر کا تعلق ہے خود سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ [1]

ترجمہ : جس نے میری سنّت کو اس وقت اپنایا جب میری اُمّت میں فساد برپا ہوگا اس کے لیے سَو شہید کا ثواب ہے۔

ہمارے پیارے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے سے بیدار ہوتے تو یوں دُعا کرتے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۔

ترجمہ : اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں مرنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔ (بخاری، کتاب الدعوات)

ان دُعاؤں کو یاد کرنا اور پھر اپنی عملی زندگی میں ان کو نافذ کرنا ہماری آخرت کی زندگی میں حصولِ نور کا باعث ہوگا۔

---

[1] ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری امام : صحیح بخاری ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری۔

لیٹنے کا سُنّت طریقہ

جب مسلمان سونے کے لیے بستر پر چلا جائے تو سونے کے لیے لیٹنے کا صحیح اور سنت طریقہ یہ ہے کہ وہ دایاں ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھے اور بایاں ہاتھ اپنے کولھے پر، اس طرح دائیں کروٹ لیٹ جائے اور وہ دُعا جو اوپر ذکر ہوئی پڑھ کر سو جائے۔ انشاء اللہ رات نہایت حسین اور چین و سکون سے گزرے گی اور بیداری پر خوب اللہ کا ذکر کرے تاکہ اللہ اس کو اپنے شکر گزار بندوں میں شامل کرے۔

ہماری حالت اس دَور میں قابلِ رحم ہے۔ ہمارے نوجوانوں کی صورتحال تو یہ ہو گئی ہے کہ ان کو فرائض غسل تک کا علم نہیں ہوتا۔ فرائض وضو نہیں آتے دُعائے قنوت یاد نہیں ہوتی اور کیا کیا نہیں آتا یہ تو وہ خود جانتے ہیں۔ اگر مسائل پڑھنے کا ارادہ ہو تو ہماری کتاب "حسنِ ایمان" دیکھو۔ مگر دنیوی میدان میں اور لغویات کے میدان میں وہ اتنے تیز ہیں کہ کسی دوسرے کو مجال ہے جو آگے نکلنے دیں۔ وی سی آر نے قوم کی رہی سہی ہمت اور طاقتِ ایمانی پر پانی پھیر کر رکھ دیا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس کا اچھا پہلو بھی تو ہے کہ علماء کرام کی تقاریر اور دینی پروگرام بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ ہم ان کے مخالف نہیں۔ احقر عرض گزار ہے کہ وی سی آر پر جو کچھ دیکھا جاتا ہے۔ جس طرح انڈین فلمیں، انگریزی فلمیں دیکھی جاتی ہیں، ملّت میں بے ہودگی پھیلائی جاتی ہے۔ ساری ساری رات جاگ کر اس گناہ میں صرف کر دی جاتی ہے۔ اے کاش کہ جاگنے والے اللہ کی یاد میں شب بیداری کریں تو وہ ضرور ان کو اپنا مقبول بندہ بنا لے۔ مگر یہ درس کس کو دیا جائے، کون ہے جو ہماری پکار پر لبیک کہے؟ اور راہِ حق پر عملاً نکل پڑے اور اللہ کے دین کے غلبے کے لیے کام کرے۔

خود کو بری الذمہ سمجھ لیا

اسلام یقیناً دینِ حق ہے یہ مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کے سنہری اُصولوں پر عمل کرنے میں ہی انسانیت کا بھلا ہے جس قدر حقوقِ انسانیت کا خیال اسلام نے رکھا کسی مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی چونکہ اسلام نے قیامِ قیامت تک باقی رہنا ہے اور اس کے اصولوں نے ابدی طور پر انسانوں کی راہنمائی کرنی ہے اس لیے اس کا ہر ہر طریقہ قابلِ عمل اور باعثِ راحت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو سونے، جاگنے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور کھانے پینے تک کے طریقے اور آداب سکھائے اور سمجھائے۔ جب تک ہم پیارے آقا و مولیٰ علیہ السلام کی پیاری پیاری سُنتوں پر عمل پیرا تھے دُنیا جہان کی کوئی طاقت ہمیں نہ دبا سکی نہ جھکا سکی، لیکن آہستہ آہستہ جیسے جیسے ہم محبوب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں سے دُور ہوتے چلے گئے ویسے ہی کامرانیاں، کامیابیاں ہم سے دُور ہوتی چلی گئیں۔

یہ ہر باپ کا فرض تھا کہ وہ اپنے بچّوں کو دین بتلاتے سمجھاتے مگر یہ سارا کام صرف مولوی کے سپرد کر دیا گیا اور خود کو اس سے بری الذمہ سمجھ لیا گیا جس کا نتیجہ تباہی کی صورت میں نمودار ہو رہا ہے۔ معمولات ایسے بدلے کہ عقل و دانش سر پیٹ کر رہ گئی۔ وہ قوم جس کا معمول نمازِ عشاء پڑھ کر فوراً محوِ استراحت ہو جانا تھا، جبکہ کوئی دینی کام نہ ہو اور صبح نمازِ فجر کے لیے جلد بیدار ہو جانا تھا اس نے رات دیر تک جاگنا، فلمیں دیکھنا، ڈرامے دیکھنا اور وی، سی، آر پہ واہیات قسم کے پروگرام دیکھنا اپنا معمول بنا لیا اور اس پر مطمئن ہو گئی حالانکہ اس طرزِ عمل نے اس کو من حیث القوم کمزور کر دیا۔ جسمانی صحت کے اعتبار سے یہ لوگ لاغر ہو گئے اور طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔ کچھ وقت

یادِ خدا کے لیے نہ نکالنے والے ڈاکٹروں کے دروازوں پر دھکے کھانے لگے ایک ایک دو دو ماہ بعد کا وقت لیکر ماہرین سے اپنا چیک اپ کروانے لگے اور مہنگی قسم کی دوائیاں خرید کر استعمال میں لانے لگے اس سب کچھ کے باوجود اپنے آپ کو صحیح و درست راہ پر سمجھنے لگے اور روپے پیسے کا ضیاع، وقت کا ضیاع کر کے بھی یہ بات سمجھ نہ سکے کہ ہم خسارے میں ہیں۔

سچّا مُفتی

اب ہم بتاتے ہیں اور حق کہتے ہیں یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کے فضل اور اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ کرم سے لکھ رہے ہیں۔ آپ کا دماغ چاہے اقرار نہ بھی کرے مگر آپ کا دل ضرور گواہی دے گا۔ یہ تحریر حق ہے اس لیے کہ ہر دَور میں کوئی بھی مفتی ڈنڈی مار سکتا ہے مگر دِل ہی تو ایک ایسا مفتی ہے جو کبھی ڈنڈی نہیں مارتا بلکہ حق حق بتا دیتا ہے اور سچ سچ سمجھا دیتا ہے۔

اگر کسی مسلمان کو نماز کی دعوت دی جائے اور دوسروں کو بھی دعوت الی اللہ دینے کے لیے کہا جائے تو فوراً جواب دے دیا جاتا ہے کہ صاحب بچوں کی روٹی پوری نہیں ہوتی تو وقت کہاں سے نکالیں، غور فرمایا آپ نے کیسا بہترین عذر ہے۔

خوش گپیوں کے لیے وقت ہے، اِدھر اُدھر کی ہانکنے کے لیے وقت ہے، اور اگر وقت نہیں ہے تو صرف دینِ حق پر عمل کرنے اور دوسروں کو اس کی دعوت دینے کے لیے نہیں ہے۔ آج کا مسلمان جس بُری طرح سے راہِ حق سے پھسلا ہے اگر اب بھی قوتِ مزاحمت نے اس کو نہ روکا تو سیدھا نارِ جہنّم میں جا گرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّـةً

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿﴾

ترجمہ : اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

کیا انسان کا کھلا دشمن کبھی چاہے گا کہ یہ راہِ حق پر قائم رہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی غلامی حاصل کر کے جنت کا حقدار قرار پائے۔ وہ تو یقیناً یہی چاہے گا کہ یہ راہِ حق سے بہک جائے، اللہ تعالیٰ کے قانون کی خلاف ورزی کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مقدسہ کے خلاف چلے اور پھر آہستہ آہستہ صراطِ مستقیم سے اس قدر دور نکل جائے کہ اس کا لوٹنا محال ہو جائے۔

بدقسمتی سے اس وقت ملت اسلامیہ کا ستر فیصد حصہ مکمل طور پر دُنیا کی گرفت میں آچکا ہے اور وہ مقصدِ زندگی فقط حصولِ زر کو قرار دے رہا ہے۔ اسی کو مہذب ہونے کی علامت گردانتا ہے۔ اسی کے لیے دن رات سر توڑ کوشش کرتا ہے باقی رہ گیا تیس فیصد طبقہ تو وہ دین کی طرف مائل ہے مگر وہ بے چارے اسی نہج پر ہیں کہ اپنی ضروریاتِ زندگی بمشکل پوری کر رہے ہیں۔ البتہ دین انہی لوگوں کی وجہ سے زندہ ہے۔ وہ غریب لوگ ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول (جل وعلا صلی اللہ علیہ وسلم) پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کہتے ہیں ؎

امرا نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملتِ بیضا غربا کے دم سے

اگر ہماری دعوت پر کوئی صاحب مال راہِ حق کی طرف قدم بڑھائے اور مال راہِ حق میں صرف کرے، تو شاید اس کے ساتھ ہماری بھی بخشش کا سامان

بنے۔ آئیے دین کی دعوت دینے کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں انشاء اللہ اس معاشرے میں ایک بار پھر عظیم الشان انقلاب برپا ہوگا۔

ے دل سے جو نکلتی ہے وہ بات اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

قتل و غارت کا بازار گرم

یہ آیت مبارکہ اس طرف واضح اشارہ کر رہی ہے کہ اہل ایمان پر یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھی نار دوزخ سے بچائیں اور اپنے گھر والوں کو بھی، مگر افسوس کہ ہمارے زمانے میں لوگوں نے قرآن حکیم کے درس کو بالکل فراموش کر دیا ہے اپنی تمام توجہ کا مرکز فقط دنیا اور اس کے متعلّقات کو قرار دے دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حالات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ بے چینی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ قتل و غارت کا بازار خوب گرم ہو رہا ہے۔ چوری ڈاکہ عام ہو گئے ہیں۔ کسی کی عزّت محفوظ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ سفر کرنا بھی دشوار ہو گیا ہے۔ آئے دن بس میں بم دھماکے، ریل گاڑیوں میں بم چلنے سے تباہی یہ سب کچھ کیا ہے مسلمانوں کے ملک میں ایسا ہونا کوئی چھوٹی بد قسمتی نہیں ہے۔ اہل ایمان کی تو پہچان یہ ہے کہ وہ خود آگ سے بچتے ہیں اور دوسروں کو آگ سے بچاتے ہیں مگر ہمارے زمانے میں اس کا خلاف ہو رہا ہے اس کا سبب صرف اور صرف دینِ اسلام سے دوری اور نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت ہے ہم نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑے مارے ہیں اپنی جڑ خود کاٹنے کے درپے ہیں۔ جس درخت کے سائے تلے آرام کرتے ہیں اسی کو کاٹنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ایسے بے عقل

(حاشیہ صفحہ سابقہ) لے سورہ بقرہ آیت ۲۰۸ پ

لوگوں کا علاج سوائے اس کے اور کیا ہے کہ یا تو ان کو خود سمجھ آجائے یا پھر ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے مگر اب یہ اُمّت عذاب میں مبتلا نہ ہو گی کہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں اعلان فرما چکا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ[1]

ترجمہ: اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔

آسمانی عذاب تو اس فرمان اقدس کی روح سے قیامت تک نہیں آسکتا البتہ اُمّتِ مسلمہ کی بداعمالیوں کی وجہ سے زمینی آفات تو یقیناً آسکتی ہیں اور وہ اس امّت پر مسلط ہیں ہم مانیں یا نہ مانیں یہ سب کچھ ہمارے اعمالِ بد کا نتیجہ ہے ؎

حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ مرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

اس ملّت کی فلاح کا راستہ صرف ایک ہے اور وہ ہے اصلاحِ اعمال ہم اپنے اعمال کی خود اصلاح کریں اور دوسروں کو اعمال صالحہ کی دعوت دیں۔ اس طرح یہ ملّت ظلمتوں سے نکل کر نور کی طرف آسکتی ہے۔ ظلم و ستم کی شبِ تاریک کو ختم کرنے کے لیے ہمارا خود راہِ راست پر آنا اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دینا ضروری ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر[2] ہی ہماری کامیابی ہے۔

---

[1] سورہ انفال آیت ۳۳ [2] نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا۔

حدیث نمبر ۲۳

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِلنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِی النَّاسِ الضَّعِیْفَ وَالسَّقِیْمَ وَذَا الْحَاجَةِ۔[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی (مختصر) نماز پڑھائے کیونکہ لوگوں میں کمزور اور بیمار اور کام والے ہوتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ کامل و اکمل دین اسلام ہے اس کی حقانیت، صداقت اور آفاقیت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے جو احکامات جاری فرمائے وہ یقیناً ہم سب کے لیے باعث سکون و اطمینان ہیں۔ یہ حدیث مبارکہ جو ابھی ابھی آپ کی نظر سے گزری ہے اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قانون بیان فرمایا جس کا تعلق نماز کے ساتھ ہے۔

اماموں کو ہدایت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ائمہ کرام کو ہدایت کی ہے کہ وہ نماز بہت طویل نہ پڑھایا کریں بلکہ جب بھی نماز پڑھائیں مختصر اور ہلکی پڑھائیں تاکہ بیمار، کمزور و ناتواں اور کام کاج پر جانے والوں کو دِقّت نہ ہو۔ ایک حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور عرض کی میں فلاں شخص (امام) کی وجہ سے نماز فجر میں شریک نہیں ہوتا کیونکہ وہ لمبی قرأت کرتا ہے۔ چنانچہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت کرتے وقت اس قدر غصے میں کبھی نہیں دیکھا تھا جتنا اس دن دیکھا۔ فرمایا اے لوگو! تم میں سے بعض لوگوں کو دین سے متنفّر کرتے ہیں جو کوئی تم سے امامت کرے وہ مختصر نماز پڑھائے اس لیے کہ اس کی اقتداء میں بوڑھا، ضعیف اور کام کاج کرنے والا ہوتا ہے۔[1]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امت کی بھلائی، خیر خواہی اور ان کی آسانی کے لیے اماموں کو مختصر نماز پڑھانے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے "اکیلا نماز پڑھے تو جس طرح جی چاہے پڑھے"[2] مطلب یہ ہے کہ جب امامت کرے تو مختصر نماز پڑھائے اور جب اکیلا پڑھے تو لمبی قرأت کرے۔ سبحان اللہ کس قدر آسانی اور نرمی کا دین ہے مگر افسوس کہ ہم اس سے اور اس کی بھلائیوں سے دُور چلے گئے ہیں۔ آج ہمیں فکرِ آخرت نام کی کوئی شے یاد نہیں۔ کبھی اپنی عاقبت کی فکر تک نہیں کی۔ حالانکہ مومن اس زندگی میں یوں رہتا ہے جیسے مسافر کہ اس کو گھر جانے کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ مومن کا اصل گھر آخرت میں ہے وہ گھر جنّت ہے۔ اور اللہ رب العالمین کا وعدہ ہے جس نے میری طرف سے آئی ہوئی ہدایت کی پیروی کی ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ پریشان ہوں گے۔[2]

اماموں کو ہدایت کرنے میں حکمت یہ تھی کہ لوگ ان برگزیدہ لوگوں سے

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۳۸ [2] ایضاً۔

محبت کریں یعنی اپنے اماموں کو عزّت کی نگاہ سے دیکھیں مگر آج تو لوگوں کو نماز پڑھنے کی فرصت ہی نہیں ملتی وہ بے چارے لمبی قرأت اور چھوٹی قرأت کے مسئلے کو کیا جانیں ؟

بہر حال مسلمانوں کو ان مسائل سے آگاہی ضروری ہے نماز ہی ایک ایسا عمل ہے جو کافر اور مسلم کے مابین وجہ امتیاز ہے ۔ جہاں ہم دنیا کے ہزاروں کام کرتے رہتے ہیں اور ہر ایک میں دنیوی فائدہ مضمر ہوتا ہے ۔ اسی طرح عقلمند انسان وہ ہے جو دُنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کے لیے بھی کچھ کمائے اور کچھ نہ کچھ توشہ آخرت کے لیے بھی تیار کرے تاکہ مرنے کے بعد والی زندگی میں وہ اس کے کام آئے ، ورنہ فقط دنیا کی جاہ وحشمت اور بادشاہت تو بڑوں بڑوں کو کچھ نہ دے سکی ؎

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے ناموں کے نشان کیسے کیسے

مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے خالق و مالک کا بندہ بن کر رہے تاکہ دُنیا و آخرت دونوں جہانوں میں عزّت پائے ۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے :-

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ [1]

ترجمہ : اور میں نے جنّ اور آدمی اسی لیے پیدا کئے کہ میری بندگی کریں ۔

عوام کی بھلائی

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ ہر مقام پر اپنی امت کی بھلائی مطلوب ہوتی ہے اسلیے ایسا حکم جاری فرماتے ہیں جس میں عوام الناس کی بھلائی کا پہلو روشن اور نمایاں

---

[1] سورہ ذاریات آیت ۵۶ ۔

ہو۔ عوام کی خوشحالی، عوام کی بھلائی، عوام کی فلاح، عوام کی کامیابی، عوام کی عزّت، عوام کی عظمت، عوام کی کامرانی اور عوام کی آسانی جس قدر نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے اس قدر دوسرے کسی نظام میں ہے نہ کسی ازم میں۔ اسلام سلامتی کا دین ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا میں مسلمانوں کی بھلائی کا پہلو روشن ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بچّے کو روتا سنتے تو (جو اپنی والدہ کے ساتھ نماز کے لیے آیا ہوتا تو) آپ چھوٹی سورت تلاوت فرماتے (نماز مختصر فرماتے)۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ الثَّقَفِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ اُمَّ قَوْمَكَ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ وَسَلَّمَ، اِنِّیْ اَجِدُ فِیْ نَفْسِیْ شَیْئًا قَالَ ادْنُہْ مَجْلِسِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ ثُمَّ وَضَعَ کَفَّہٗ فِیْ صَدْرِیْ بَیْنَ ثَدْیَیَّ ثُمَّ قَالَ تَحَوَّلْ فَوَضَعَھَا فِیْ ظَھْرِیْ بَیْنَ کَتِفَیَّ ثُمَّ قَالَ اُمَّ قَوْمَكَ فَمَنْ اُمَّ قَوْمًا فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْھِمُ الْکَبِیْرَ وَاِنَّ فِیْھِمُ الْمَرِیْضَ وَاِنَّ فِیْھِمُ الضَّعِیْفَ وَاِنَّ فِیْھِمْ ذَا الْحَاجَۃِ فَاِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ وَحْدَہٗ فَلْیُصَلِّ کَیْفَ شَآءَ[1]

ترجمہ: عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اپنی قوم کے امام بن جاؤ،

---

[1] نووی شرح مسلم ؛

انہوں نے عرض کی یارسول اللہ میں اپنے دل میں کچھ (کھٹکا) محسوس کرتا ہوں آپ نے فرمایا میرے قریب آؤ اور مجھے اپنے سامنے بٹھایا پھر اپنی ہتھیلی مبارکہ میرے سینے پر رکھی پھر فرمایا گھوم جاؤ تو اپنی ہتھیلی میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھی پھر فرمایا جاؤ اپنی قوم کی امامت کرو جو کوئی کسی قوم کی امامت کرے اس کو چاہیے کہ وہ نماز مختصر پڑھائے اس لیے کہ (اس کے پیچھے) کوئی بوڑھا بیمار ضعیف اور کام پر جانے والا ہوتا ہے اور جب تم سے کوئی اکیلا نماز پڑھے تو جیسے جی چاہے پڑھے۔

اس حدیث مبارکہ میں بھی عوام کی بھلائی کے لیے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو مختصر نماز پڑھانے کا حکم دیا تاکہ کمزور اور بوڑھے، بیمار اور ڈیوٹی پر جانے والے کو آسانی ہو اور وہ کسی طرح کی دقت محسوس نہ کریں۔

فیضانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جب سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اپنی قوم کی امامت کرو، تو انہوں نے اس بڑے منصب پر فائز ہونے کے لیے اپنے دلی خدشہ کا اظہار فرمایا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن ابی العاص کے سینہ اور پشت پر ہاتھ پھیر کر تمام خدشات دُور فرما دیئے۔ چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں:

یہ جو عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں اپنے دل میں کچھ پاتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عثمان کو ڈر لگا ہوگا کہ امام بننے سے کہیں غرور اور تکبر پیدا نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی کی برکت سے دُور کر دیا[1]

---

[1] نووی۔ شرح مسلم

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی مبارکہ کا فیضان یہ ہے کہ دلوں کے تمام خدشات دُور کر دیتا ہے۔ آپ کے تمام کمالات کا کون احاطہ کر سکتا ہے۔ امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں:

عیدِ مشکل کشائی کے چمکے ہلال
ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام[1]

راہِ حق کے متلاشی

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کمالات عطا فرمائے ہیں جن کا احاطہ کرنا کسی انسان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ آج بھی اگر اہل اسلام کو سیّد عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات سے صحیح معنوں میں آگاہ کر دیا جائے۔ ان کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شانیں جو رب تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی ہیں کھُلے لفظوں میں بیان کر دی جائیں تو قسم بخدا آج بھی لوگ صرف اور صرف دینِ اسلام ہی کی طرف مائل ہوں اور متاثر ہو کر غیر مسلم کلمہ پڑھنے لگیں اور پہلے سے مسلمان عملی طور پر مسلمان بن جائیں مگر مصیبت تو یہ ہے کہ جن لوگوں نے درسِ ہدایت دینا تھا، جن لوگوں نے دوسروں کے لیے مشعلِ راہ بننا تھا وہ لوگ خود اس قدر دنیوی حالات میں اُلجھ گئے کہ راہِ حق کے متلاشی پریشان ہو کر رہ گئے۔

ع خداوندا یہ تیرے سادہ لوح بندے کدھر جائیں

گھبرائیے نہیں بلکہ کمر ہمت باندھیے اللہ تعالیٰ کی نصرت و کامیابی تمہارے ہمراہ ہوگی تبھی تو وہ لوگ ہو جن کو اللہ تعالےٰ نے اپنا نائب بنایا ہے۔ ساری عزتیں تمہارے لیے ہیں، عظمتیں تمہارے لیے ہیں مگر شرط صرف یہ ہے کہ تم سیّد عالم کے

---

[1] حدائق بخشش:

ہو جاؤ اور ان کے سچے غلام بن جاؤ۔ تمہاری صورت تمہاری سیرت یعنی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مقدسہ کی عکاس ہو۔ خود نارِ دوزخ سے بچو اور اپنے گھر والوں کو بھی نارِ جہنم سے بچاؤ۔ ارشاد ربانی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ [1]

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

مجرم ہوں اپنے عفو کا ساماں کروں

اس آیت مبارکہ کا انداز بتا رہا ہے

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو یہ واضح طور پر بتانا چاہتا ہے کہ تم پر یہ لازم ہے کہ تم خود بھی دوزخ کی آگ سے بچو اور اپنے گھر والوں کو بھی اس سے بچاؤ۔ آیئے اب ذرا اپنے فرائض کا جائزہ لیں۔ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے حوالے سے اپنا جائزہ لیں کہ ہم کس حد تک اس کو پورا کر رہے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم خود ہی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرف لے جانے والے ہوں وہ اس طرح کہ اگر ہم نے اپنے بچوں کو دینی تعلیم دینے کی بجائے فقط دنیوی تعلیم دلوائی اور انہیں قرآن و حدیث کی تعلیم سے بیگانہ رکھا تو آئندہ آنے والی نسل اسلامی اصولوں سے بالکل بے خبر ہو کر رہ جائے گی۔ اگر ہم نے اپنے بچوں کے لیے ٹیلی وژن، وی سی آر اور ڈش انٹینا کا بندوبست تو کر دیا مگر انہیں اعلیٰ درجے کے مسلمان ہونے کا درس نہ دیا تو ان کی تباہی کی ذمہ داری صرف ان پر ہی نہیں بلکہ تم پر ہو گی۔ اگر کوئی ایک دو فرد

---

[1] سورہ تحریم آیت ۶

کسی بُرائی کا ارتکاب کریں تو فطرت ان سے صرفِ نظر کرلیتی ہے مگر اگر ساری کی ساری ملت ہی بحرِ عصیاں میں غرقاب ہو جائے تو پھر فطرت بھی معاف نہیں کرتی۔ بقول اقبال ؎

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
لیکن کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

معاشرتی افراتفری، معاشی بحران، سیاسی عدم استحکام، عمدہ اقدار کی رسوائی یہ سب کچھ نتیجہ ہے دینِ اسلام کے سنہری قوانین سے دُوری کا۔ کوئی اس بات سے اتفاق کرے نہ کرے ہم تو پورے زور سے کہیں گے کہ جب تک ہمارے اندر عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ موجزن نہیں ہو جاتا اور ہماری عملی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے تابع نہیں ہو جاتی ہم کسی میدان میں بھی ترقی نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہم کسی میدان میں دوسری اقوام سے آگے نکل سکتے ہیں۔ ہر باپ پر لازم ہے کہ وہ اپنی اولاد کو دینِ اسلام کے سنہری اصولوں سے روشناس کرائے اور پھر دوسروں کو بھی اس کی طرف دعوت دے۔

حدیث نمبر (۲۴)

عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْنِیْ وَقَالَ ابْنُ حَاتِمٍ اِذَا اُقِیْمَتْ اَوْ نُوْدِیَ[1]

ترجمہ: ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کے لیے تکبیر ہو تو تم کھڑے نہ ہوا کرو جب تک مجھے نہ دیکھ لو۔ ابن حاتم نے کہا اذا اُقِیْمَتْ ہے یا نُوْدِیَ ہے۔

یہ روایت مسلم شریف کے جس باب سے لی گئی ہے اس کا عنوان ہی یہ ہے کہ مَتٰی یَقُوْمُ النَّاسُ لِلصَّلٰوۃِ[2] جو اس امر کی واضح شہادت ہے کہ اس حدیث میں ذکر ہی اس بات کا ہوا ہے کہ نماز کے لیے نمازی کب کھڑے ہوا کریں۔ مطلب یہ ہے کہ جب مکبر تکبیر شروع کرے تو آیا نمازی تکبیر کے شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جائیں یا ذرا ٹھہر کر اور اگر کچھ وقفے سے کھڑے ہوں تو کس کلمے پر کھڑے ہوا کریں۔

نمازی کب کھڑے ہوں

حدیث مبارکہ میں یہ تو صاف صاف موجود ہے کہ "جب نماز کے لیے تکبیر ہو تو کھڑے نہ ہوا کرو حتیٰ کہ مجھے دیکھ لو۔" امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ "جب تک موذن اقامت سے فارغ نہ ہو تب تک کوئی کھڑا نہ ہو۔"[3]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نہایت پیارے صحابی حضرت انس

---

[1] صحیح مسلم، کتاب المساجد، بابُ حتّٰی یَقُوْمُ النَّاسُ للصَّلٰوۃ [2] لوگ (نمازی) نماز کے لیے کب کھڑے ہوں [3] صحیح مسلم شرح نووی۔

رضی اللہ عنہ، کا عمل مبارک امام نووی نقل کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ جب مؤذن قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کہتا اس وقت کھڑے ہوتے[1]

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ (م ۱۵۰ھ) کا مسلک اس مسئلہ میں یہ ہے کہ نمازی اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ پڑھ رہا ہو[2] الحمد للہ آج اہلسنت وجماعت کا عمل حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کے عین مطابق ہے۔

سراج الفقہا حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مقلدین کو چاہیے کہ وہ نماز کے لیے اس وقت اٹھا کریں جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ پڑھ رہا ہو۔ وہ لوگ جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تقلید کا دم بھرتے ہیں مگر عمل حضرت کے فرمان کے خلاف کرتے ہیں وہ ہرگز امام صاحب کے مقلد نہیں ہیں بلکہ محض دھوکہ دہی کے لیے ایسا کرتے ہیں جیسے دیوبندی حضرات بھی اپنے آپ کو امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مقلد کہتے ہیں مگر ان کا عمل بھی اس مسئلہ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کے خلاف ہے۔

مسلم شریف کی وہ حدیث جو آپ نے ابھی ملاحظہ فرمائی جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ نمازی نماز کے لیے کب اُٹھیں اس کی تائید بخاری شریف کی وہ حدیث کرتی ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن قتادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم شرح نووی [2] ایضاً

لَا تَقُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْنِیْ وَعَلَیْکُمُ السَّکِیْنَۃُ [1]

ترجمہ: جب تک مجھے نہ دیکھ لو اس وقت تک (نماز کے لیے) کھڑے نہ ہوا کرو اور تم پر اطمینان لازم ہے۔

اس حدیث مبارک میں صاف صاف فرمایا گیا ہے کہ جب تک مجھے نہ دیکھو نماز کے لیے اُٹھا نہ کرو بلکہ اطمینان قلبی سے بیٹھے رہا کرو، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ نماز میں اسی وقت اُٹھنا چاہیے جب موذن حی علی الصلوٰۃ کہے۔ یہی مسلک امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے [2] اور اسی پر اہلسنت کا عمل ہے۔

اس حدیث پاک کی شرح حاشیہ مشکوٰۃ میں مذکور ہے۔

لَعَلَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَخْرُجُ مِنَ الْحُجْرَۃِ بَعْدَ شُرُوْعِ الْمُؤَذِّنِ فِی الْاِقَامَۃِ وَیَدْخُلُ فِیْ مِحْرَابِ الْمَسْجِدِ عِنْدَ قَوْلِہٖ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ وَلِذَا قَالَ وَیَقُوْمُ الْاِمَامُ وَالْقَوْمُ عِنْدَ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ وَیَشْرَعُ عِنْدَ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ [3]

ترجمہ: شاید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موذن کے اقامت شروع کرنے کے بعد حجرہ مقدسہ سے نکلتے تھے اور جب وہ حی علی الصلوٰۃ پر پہنچتا تو آپ مسجد کے محراب میں داخل ہو جاتے تھے۔ اس وجہ سے ہمارے آئمہ نے فرمایا ہے کہ اقامت صلوٰۃ میں امام اور قوم

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجمعہ باب المشی الی الجمعہ [2] مسلم شرح نووی [3] حاشیہ مشکوٰۃ ص ۶۴۔

دونوں حیّ علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں اور قد قامت الصلوٰۃ پر نماز شروع کر دی جائے۔

تکبیر بیٹھ کر سُننی چاہیے

یہ عبارت بخاری شریف کی اس حدیث مبارک کی تشریح ہے جو ابھی آپ کی نظر سے گزری ہے جس میں ذکر ہے کہ "اقامت کے دوران اُٹھا نہ کرو بلکہ بیٹھے رہا کرو جب تک مجھے آتا نہ دیکھو"۔ بڑے بڑے علماء کرام نے اس حدیث مبارک کی تشریح میں یہی لکھا ہے اور اسی پر ان کا عمل رہا ہے کہ اقامت بیٹھ کر سننی چاہیے چنانچہ حضرت علّامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی فرماتے ہیں:

اس زمانے میں یہ طریقہ تھا کہ صحابہ کرام صف بنا کر بیٹھ جاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرۂ اقدس میں تشریف فرما ہوتے مکبّر کھڑا ہو کر تکبیر شروع کرتا جب حیّ علی الصلوٰۃ پر پہنچتا تو سرکار حجرے سے باہر تشریف لاتے اور صحابہ کرام کو نظر آتے تب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے اس سے قبل بیٹھے رہتے تھے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنی جامع میں ایک روایت لائے ہیں جو اس مسئلہ میں بڑی واضح دلیل ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِیْ خَرَجْتُ قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى حَدِيْثُ اَبِیْ قَتَادَةَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ اَنْ يَنْظُرَ النَّاسُ الْاِمَامُ وَهُمْ قِيَامٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِذَا كَانَ الْاِمَامُ فِي الْمَسْجِدِ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَاِنَّمَا يَقُوْلُوْنَ اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ وَهُوَ قَوْلُ ابْنُ مُبَارَكٍ [1]

ترجمہ: عبد اللہ بن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقامت کے وقت نماز کے لیے نہ اُٹھا کرو یہاں تک کہ مجھے آتا دیکھ لو یعنی حجرہ اقدس سے نکلتا دیکھ لو حضرت امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابی قتادہ حسن صحیح ہے۔ اصحاب رسول سے اہل علم کی ایک جماعت نے اس عمل کو مکروہ جانا ہے کہ لوگ اقامت کے وقت کھڑے ہو کر اپنے امام کا انتظار کریں اور بعض اہلِ علم نے یوں کہا کہ اگر امام مسجد میں موجود ہو تو اقامت کہی جائے اور لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب مکبّر قد قامت الصلوٰۃ پڑھے یہی قول ابن مبارک رضی اللہ عنہ کا ہے۔

امام ترمذی کی نقل کردہ روایت نے یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیا کہ نماز میں اقامت کے وقت پہلے ہی سے کھڑے ہو جانا اور اقامت کھڑے ہو کر سُننا خلافِ سنّت ہے اور یہ عمل کسی صورت بھی مشروع نہیں ہے۔

امام نووی کی وضاحت

اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے مسلم شریف کے شارح حضرت امام

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۹۶

نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اِخْتَلَفَ الْعُلَمَآءُ مِنَ السَّلَفِ فَمَنْ بَعْدَهُمْ مَتٰى يَقُوْمُ النَّاسُ لِلصَّلٰوةِ وَمَتٰى يُكَبِّرُ الْاِمَامُ فَمَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَطَائِفَةٍ اَنَّهُ يُسْتَحَبُّ اَنْ لَّا يَقُوْمُ اَحَدٌ حَتّٰى يَفْرُغَ الْمُؤَذِّنُ مِنَ الْاِقَامَةِ وَ نَقَلَ الْقَاضِيْ عِيَاضٌ عَنْ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَعَامَّةِ الْعُلَمَآءِ اَنَّهُ يُسْتَحَبُّ اَنْ يَقُوْمُوْا اِذَا اَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِي الْاِقَامَةِ وَكَانَ اَنَسٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَقُوْمُ اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ وَبِهٖ وَقَالَ اَحْمَدُ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَالْكُوْفِيُّوْنَ يَقُوْمُوْنَ فِي الصَّفِّ اِذَا قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ وَاِذَا قَالَ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ كَبَّرَ الْاِمَامُ وَقَالَ جُمْهُوْرُ الْعُلَمَآءِ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ لَا يُكَبِّرُ الْاِمَامُ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الْاِقَامَةِ[1]

ترجمہ:۔ اس مسئلہ میں علماءِ سلف و خلف نے اختلاف کیا ہے کہ لوگ نماز کے لیے کب کھڑے ہوں اور امام تکبیر کب کہے۔ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت علماء کا مذہب یہ ہے کہ موذن کے اقامت سے فارغ ہونے سے قبل کسی کو بھی کھڑے نہیں ہونا چاہیے۔ قاضی عیاض نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور عام علماء سے نقل

---

[1] نووی شرح مسلم جلد ا صفحہ ۲۲۱؎

کیا ہے کہ اس وقت کھڑا ہونا چاہیے جب موذن اقامت کا آغاز کرے جب کہ حضرت انس رحمۃ اللہ علیہ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب موذن قد قامت الصلوٰۃ پر پہنچتا تھا۔ یہی حضرت امام احمد بن حنبل کا قول ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور کوفی علماء کا قول یہ ہے کہ اس وقت اقامت میں کھڑا ہونا چاہیے جب موذن حیَّ علَی الصّلٰوۃ پر پہنچے اور قد قامت الصلوٰۃ پر تکبیر کہہ لینی چاہیے اور جمہور علماء خلف و سلف کا کہنا ہے کہ مکبر کے اقامت سے فارغ ہونے سے قبل تکبیر نہیں کہنی چاہیے :

ہمارا مذہب ہم نے نہایت دیانتداری سے مسئلہ اقامت میں علماء خلف و سلف کا اختلاف اور ان کے دلائل نقل کر دیئے ہیں اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول بھی نقل کر دیا ہے۔ ہمارے لیے ہمارے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہی حجت ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

قَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَالْکُوْفِیُّوْنَ یَقُوْمُوْنَ فِی الصَّفِّ اِذَا قَالَ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔

ترجمہ : حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور علماء کوفہ کا موقف اس مسئلہ (اقامت) میں یہ ہے کہ لوگوں کو صف میں اس وقت کھڑے ہونا چاہیے جب مکبر حیَّ علَی الصّلٰوۃ پر پہنچے :

ہمارا مذہب اس مسئلہ میں یہی ہے کہ نمازیوں کو پہلے ہی سے کھڑے ہونے کی بجائے اقامت بیٹھ کر سننی چاہیے۔ صدر الشریعہ حضرت علامہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

اقامت کے وقت کوئی شخص آیا تو اسے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے جب حی علی الفلاح پر پہنچے اس وقت

کھڑا ہو یوں ہی لوگ مسجد میں موجود ہیں وہ بیٹھے رہیں اس وقت اٹھیں جب مکبّر حی علی الفلاح پر پہنچے، یہ ہی حکم امام کے لیے ہے[1]

کس قدر واضح اور بین الفاظ میں ہمارے علماء نے اس مسئلہ کو واضح کیا ہے ان دلائل کو پڑھنے کے بعد دل مطمئن ہو جاتا ہے کہ واقعی نمازیوں کو اقامت میں اٹھنے کی جلدی نہ کرنا چاہیے بلکہ تکبیر بیٹھ کر ہی سننی چاہیے اور جب مکبر حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ یا حَیَّ عَلَی الفَلاح پر پہنچے تو اٹھنا چاہیے۔

فقہاء احناف کے اقوال

اب اس مسئلہ میں ہم احناف کے بڑے بڑے فقہاء کے اقوال نقل کرتے ہیں تاکہ مسئلہ فقہہ حنفی کی روشنی میں خوب واضح ہو جائے چنانچہ سب سے پہلے ہم مشہور فقیہہ حضرت شیخ حسن بن علی شرنبلالی کے حوالے سے بات کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

وَالْقِیَامُ حِیْنَ قِیْلَ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح[2]

ترجمہ: نماز کے لیے اس وقت کھڑے ہونا چاہیے جب حَیَّ عَلَی الفلاح کہا جائے۔

اسی طرح حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

فقہاء گفتہ اند مذہب آنست کہ نزد حَیَّ علی الصلوٰۃ باید برخاست[3]

فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ مذہب یہ ہے کہ حَیَّ علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونا چاہیے۔

---

[1] بہار شریعت جلد ۳ صفحہ ۲۴ [2] شیخ حسن بن علی شرنبلالی (نور اللہ مرقدہٗ) نور الایضاح ص۱۰۸

[3] حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شرح مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۳۲۱

فقہ کی مشہور و معروف کتاب کنز الدقائق میں بھی اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی (م ۷۱۰ھ) لکھتے ہیں:

وَالْقِیَامُ حِیْنَ قِیْلَ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ [1]

اور (امامت کے وقت) قیام اس وقت تک کرنا چاہیے جب حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کہا جائے۔

اسی طرح کنز الدقائق کی شرح عینی میں مذکور ہے:

وَالْقِیَامُ حِیْنَ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ [2]

اور (نماز کے لیے) اس وقت اٹھنا چاہیے جب حی علی الفلاح کہا جائے۔

حضرت علامہ ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی (م ۷۱۰ھ) کی تصنیف کنز الدقائق فقہ میں بڑی معتبر کتاب ہے اس لیے اس کی شروح بھی بہت ساری ہیں چنانچہ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں مرقوم ہے:

وَقَوْلُہٗ وَالْقِیَامُ حِیْنَ قِیْلَ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ لِاَنَّہٗ اَمَرَ بِہٖ فَیُسْتَحَبُّ اِلَیْہِ الْمُسَارَعَۃُ [3]

اور صاحب کنز الدقائق کا یہ فرمانا کہ قیام اس وقت کرنا چاہیے جب مؤذن حَیَّ عَلَی الفلاح کہے یہ اس وجہ سے ہے کہ اس (حی علی الفلاح) کے ساتھ وہ حکم دیتا ہے کہ قیام میں جلدی کرنا مستحب ہے۔

اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں صاحب بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ارقام فرماتے ہیں:

---

[1] ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی (م ۷۱۰ھ) کنز الدقائق صفحہ ۲۲ [2] عینی شرح کنز الدقائق صفحہ ۳۱ [3] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق صفحہ ۱۰۸۔

قَوْلُهٗ وَالْقِیَامُ حِیْنَ قِیْلَ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ لِاَنَّہٗ اَمَرَ بِہٖ فَیُسْتَحَبُّ الْمُسَارَعَةُ اِلَیْہِ وَاَطْلَقَہٗ فَشَمَلَ الْاِمَامَ وَالْمَامُوْمَ اِنْ کَانَ الْاِمَامُ بِقُرْبِ الْمِحْرَابِ[1]

صاحب کنز الدقائق کا یہ فرمانا کہ حی علی الفلاح پر قیام کرنا چاہیے اس وجہ سے ہے کہ مکبر اس کے ذریعے سے حکم دیتا ہے تو قیام میں جلدی کرنا مستحب ہے چونکہ صاحب کنز الدقائق نے یہ حکم مطلق فرمایا ہے اس لیے یہ امام و مقتدی دونوں کے لیے ہے۔ اگر امام بھی قرب محراب میں ہو۔

اسی مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے صاحب شرح وقایہ لکھتے ہیں:

وَیَقُوْمُ الْاِمَامُ الْقَوْمُ عِنْدَ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ وَیَشْرَعُ عِنْدَ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ[2]

امام اور قوم حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں اور قد قامت الصلوٰۃ پر امام نماز شروع کرے۔

واضح ہوا کہ تکبیر بیٹھ کر ہی سننی چاہیے اس کے خلاف کرنا درست و صحیح نہیں ہے۔ صاحب تنویر الابصار نے اس مسئلہ کی وضاحت میں فرمایا ہے:

والقیام الامام والمؤتم حین قیل حی علی الفلاح[3]

امام اور مقتدی کا حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہونا سنّت ہے۔

---

[1] بحر الرائق شرح کنز الدقائق صفحہ ۳۲۱ [2] شرح وقایہ جلد ا صفحہ ۱۳۶ مطبوعہ مجیدی کانپور [3] تنویر الابصار صفحہ ۲۵۲-۲۵۳

صاحب مجمع الانہر تحریر فرماتے ہیں :

وَاِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ فِی الْاِقَامَۃِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ قَامَ الْاِمَامُ وَالْجَمَاعَۃُ عِنْدَ عُلَمَآئِنَا الثَّلَاثَۃِ [1]

اور جب مؤذن (مکبّر) اقامت میں حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت کھڑے ہونا چاہیے یہ ہمارے تینوں آئمہ حضرت سیّد امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت امام ابو یوسف و امام محمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک ہے :

علمائے دیوبند کی شہادت

اس مسئلہ میں علماء دیوبند کا بھی وہی موقف ہے جو علماء اہلسنّت کا ہے۔ ہم اس جگہ ان کی طرف سے چند شہادتیں پیش کرتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ اقامت میں پہلے ہی سے کھڑے ہو جانا خلافِ سنّت ہے اور اس طرح کرنے والوں کا عمل درست نہیں ہے چنانچہ مولوی اعزاز علی دیوبندی سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں :

وَمِنَ الْاَدَبِ قِیَامُ الْقَوْمِ وَالْاِمَامِ اِنْ کَانَ حَاضِرًا بِقُرْبِ الْمِحْرَابِ وَقْتَ قَوْلِ الْمُقِیْمِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ لِاَنَّ الْمُقِیْمَ فِیْ ضِمْنِ قَوْلِہٖ ھٰذَا الْاَمْرُ بِالْقِیَامِ فَیُجَابُ [2]۔ (اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ قوم اور امام اگر تکبیر کے وقت محراب کے پاس موجود ہوں تو حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں کہ یہ قول اُٹھنے کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا کھڑے ہوکر اس کا جواب فراہم کیا جائے :

اسی طرح دیوبند کے ایک اور مشہور مولوی احسن نانوتوی صاحب لکھتے ہیں :۔

---

[1] مجمع الانہر صفحہ ۲۶ [2] حاشیہ نورالایضاح صفحہ ۲۷ مطبوعہ رحیمیہ دیوبند :

سارعة لامتثال هذا اذا كان الامام بقرب المحراب [1] (اس میں مکبر کے عمل کی تعمیل ہے اور یہ جب کہ امام محراب کے پاس موجود ہو)

مولوی انوار الحق قاسمی فاضل دیو بند رقم طراز ہیں۔ ایک سوال جس کا نمبر ۶۴ ہے کا جواب دیتے ہوئے صراحت کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۶۴: مَتٰی یَقُوْمُ الْاِمَامُ وَالْقَوْمُ وَمَتٰی یَشْرُعُ فِی الصَّلٰوۃِ [2]

امام اور قوم نماز کے لیے کب کھڑے ہوں اور آغاز نماز کب کریں؟

جواب نمبر ۶۴: جبکہ مؤذن حی علی الصلوۃ کہے تو اس وقت امام اپنی جگہ پر کھڑا ہو جائے۔ اس طرح مقتدی سب جو صف باندھ کر پہلے سے بیٹھے ہوں وہ بھی کھڑے ہو جائیں اور قد قامت الصلوۃ سے ذرا پیشتر نماز شروع کر دینی مستحب ہے، لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک اس کے کچھ دیر بعد شروع کی جائے۔

اسی مسئلہ میں مفتی کفیل الرحمٰن نشاط عثمان فاضل دیو بند تحقیق کرتے ہوئے ارقام کرتے ہیں:

"اور نمازی امام سمیت مسجد میں ہے اس صورت میں جب مؤذن اقامت کہتے ہوئے حی علی الفلاح پر پہنچے تو ہمارے تینوں آئمہ کرام (امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک امام اور نمازیوں کو کھڑا ہونا چاہیے درست یہی ہے۔" [3]

---

[1] حاشیہ کنز الدقائق صفحہ ۲۲ [2] تلوح الوقاہا نوٹ شرح وقایہ مقدمہ مفتی

اگر کوئی یہ کہے کہ صحابہ کرام تو صفوں میں پہلے ہی سے کھڑے ہو جاتے تھے اور اقامت بعد میں ہوتی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عمل اس وقت کا ہے جب تک سرکار مدینہ علیہ السلام کا یہ فرمان صحابہ کرام کے سامنے نہ تھا کہ :

لَا تَقُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْنِیْ وَعَلَیْکُمُ السَّکِیْنَۃَ۔ (کھڑے نہ ہوا کرو اطمینان سے بیٹھے رہا کرو جب تک مجھے نہ دیکھ لو) [1]

لہذا پہلا عمل جس کا ذکر امام مسلم نے اپنی صحیح میں فرمایا ہے وہ منسوخ ہے اور بعد والا ناسخ اب عمل ناسخ پر ہوگا منسوخ پر نہیں۔ دوسرے لفظوں میں جس حدیث شریف میں اقامت سے پہلے کھڑے ہونے کا ذکر ہے وہ منسوخ الحکم ہے۔ لہذا اب اس حدیث شریف پر عمل نہیں ہوگا بلکہ بعد والی حدیث شریف پر عمل ہوگا۔

دل و جان سے تسلیم

دلائل قاہرہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اقامت میں پہلے ہی سے کھڑے ہو جانا خلافِ سنت ہے، اور اگر کوئی اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ حدیث شریف پر عمل کرتے ہوئے حی علی الصلوٰۃ پر ہی قیام کیا کرے اس سے پہلے نہ خود اٹھے اور نہ دوسروں کو اس کا حکم دے بلکہ خود بیٹھا رہا کرے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرے۔ ایسے ہی اگر کوئی اپنے آپ کو مقلد کہتا ہے تو وہ بھی سارے آئمہ کا مذہب دیکھ لے ابتداً کھڑے ہونا تو کسی امام کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے لہذا جسطرح کا حکم ان کے امام مثلاً امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، امام مالک رضی اللہ عنہ، امام شافعی رضی اللہ عنہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے دیا ہے اس کے مطابق عمل کرے یہی اس کے لیے بہتر ہے۔

---

[1] محمد نصیر جامعی مظاہری جلد اول صفحہ ۵۰۴ [2] فتاویٰ عالمگیری اردو جدید جزء ۲ صفحہ ۲۴

ہم چونکہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں لہٰذا ہمارا عمل تو وہی ہے جو حضرت امام اعظم کے قول کے مطابق ہے جیسا کہ دلائل ابھی گزرے ہیں۔ اب آپ سنجیدگی سے فیصلہ فرمائیے کہ اگر ایک مسئلہ میں ہمارے امام کا واضح حکم موجود ہو جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سنّت مقدسہ کی روشنی میں ہو تو ہمیں ہرگز اس کے خلاف نہیں کرنا چاہیے بلکہ دل وجان سے اس حکم کو تسلیم کر لینا چاہیے اس میں ہماری کوئی توہین نہیں ہے بلکہ یہ تو علو مرتبت ہے۔ اگر ایک مسئلہ میں کسی کو تحقیق نہ ہو اور تحقیق کرنے کے بعد ایک بات سمجھ میں آجائے جو قرآن و حدیث اور فقہ کے مطابق درست ہو تو اسے تسلیم کرنا چاہیے اس میں خدانخواستہ کوئی ہزیمت نہیں ہے

دعوتِ حق

آخر میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس میں لڑنے جھگڑنے کی بجائے جو دلائل سے ثابت ہے اسی کو اپنا لیا جائے اور جو کچھ براہین سے ثابت ہے وہ یہی ہے کہ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح حی علی الفلاح پر پہنچے تو نمازیوں کو اُٹھ کر کھڑے ہو جانا چاہیے تاکہ امام کے ساتھ نماز باجماعت ادا کر سکیں بعض لوگ اس مسئلے میں اہلسنّت سے نزع کرتے ہیں حالانکہ اگر حقائق کی نظر سے دیکھا جائے تو ان لوگوں کا اس مسئلے میں لڑنا جھگڑنا قطعاً فضول ہے بلکہ حدیث کی صریح مخالفت ہے۔ جب تک کسی مسئلے کی تحقیق معلوم نہ ہو اس میں اختلاف کا کوئی پہلو ہو سکتا ہے مگر جب تحقیق اظہر من الشمس ہو جائے تو پھر اختلاف کرنا صراصر بددیانتی پر مبنی ہے اور منافقت ہے اس قسم کے طرزِ عمل سے بچنا ضروری ہے اگر پھر بھی کوئی نہ مانے اور اپنے غلط موقف پر اڑا رہے تو ہم فقط یہ کہہ سکتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے افراد کو ہدایت عطا فرمائے اور دل کی آنکھیں کھول دے جس سے حق کو دیکھ سکیں۔ وگرنہ وہ دن قریب ہے جس دن حق اور باطل میں امتیاز ہو جائیگا۔

اب امت مسلمہ کو اتحاد کی ضرورت ہے جب تک تمام مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں ہو جاتے دُنیا میں ان کی عظمتِ رفتہ بحال ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ بھی تبھی ممکن ہے جب ہم سب مل کر ایک ہو کر تمام اختلاف کو مٹا کر صدقِ دل سے میدانِ عمل میں نکل پڑیں۔ ایک ہی نکتہ اتحاد ہے اور وہ ہے اللہ کی توحید اور محبّتِ رسول اکرم، عشقِ رسول معظم اور غلامی مصطفٰے اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ آئیے مل کر سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبّت کے ترانے گائیں، نغمے الاپیں تاکہ دین و دنیا میں فلاح پائیں۔
اللہ تعالےٰ ہمیں اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاک کاشغر

حدیث نمبر (۲۵)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَتَّخِذُوْا شَیْئًا فِیْہِ الرُّوْحُ غَرَضًا [۱]

ترجمہ: حضرت (عبداللہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی جاندار کو نشانہ ہرگز نہ بناؤ۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس کی ہر بات میں کوئی نہ کوئی حکمت جاگزیں ہوتی ہے۔ آج زمانہ ترقی کی راہ پر چل نکلا ہے مگر ضرورت اس

---

[۱] ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، امام صحیح مسلم۔

امر کی ہے کہ اس ترقی کے باعث ہم دین سے دُور ہو رہے ہیں یا قریب؛ اگر قریب آ رہے ہیں تو سبحان اللہ اور اگر دین سے دُوری ہو رہی ہے تو اس کا سبب کیا ہے؟

اگر غور کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اس دَور میں ہماری نئی نسل کو اسلام اور اس کے ضوابط سے ناواقفیت ہی دین سے دُور لے جا رہی ہے اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنی نوجوان نسل کو دینِ اسلام کے سنہری اُصولوں سے روشناس کرائیں تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ مخلوقِ خدا کی بھلائی جس قدر اسلام کے قوانین میں ہے اتنی بہتری کسی دوسرے نظامِ زندگی، کسی دوسرے مذہب، کسی دوسرے ازم، کسی دوسرے نظریئے، کسی دوسرے نصب العین اور کسی دوسرے اصولِ حیات میں ہرگز نہیں ہے۔

رسمِ جاہلیت کی تردید عربوں کے ہاں ایک بری رسم یہ تھی کہ وہ اپنا نشانہ پکانے کے لیے کسی جانور مثلاً مرغی وغیرہ کو باندھ دیتے تھے اور پھر باری باری اس پر تیر اندازی کی مشق کرتے تھے۔ جانور کے مالک سے یہ طے کر لیتے تھے کہ جو تیر خطا ہو گا وہ تمہارا ہو جائے گا۔ اس شرط پر تیر اندازی کرتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسمِ جاہلیت کی تردید فرمائی اور مسلمانوں کو ایسا کرنے سے سختی سے منع فرما دیا۔

یہ ممانعت تحریمی ہے کیونکہ اس سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے امام نووی فرماتے ہیں جانور کو باندھ دینا جبکہ وہ زندہ ہو اور پھر اس کو تیروں وغیرہ سے مارنا اس کو عربی میں صبر کہتے ہیں[1]

---

[1] صحیح مسلم شرح نووی ۔

حضرت سعد بن جُبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک گروہ کے قریب سے گزرے انہوں نے ایک مرغی کو باندھ رکھا تھا اور اس پر تیر برسا رہے تھے جیسے ہی انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو تتر بتر ہو گئے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ کام کس نے کیا ہے بلاشبہ ایسا کرنے والے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔[1]

جانوروں کے حقوق کا تحفظ

بلاشبہ اسلام نے جہاں انسانوں کو ان کا صحیح مقام عطا فرمایا ہے وہاں جانوروں کے حقوق کا تحفظ بھی کیا ہے۔ اس لیے تو ہم کہتے ہیں

(ISLAM IS A COMPLETE CODE OF LIFE)

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ملّت اسلامیہ کی بھلائی کے لیے قوانین عطا فرمائے بلکہ پوری انسانیت کو ایک ایسا رستہ عطا کیا جس پر چل کر وہ حق کو پا سکیں اور پھر ایمان لا کر جنّت کے وارث بن سکیں۔ انسانوں کو جنّت کا رستہ بتایا اور جانوروں کے حقوق کا تحفظ فرمایا۔ چنانچہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّقْتَلُ شَیْءٌ مِنَ الدَّوَآبِّ جَبْرًا[2] (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جانور کو باندھ کر مارنے سے منع فرمایا)

اسی لیے یہ اصول ہے کہ کھانے کی غرض سے شکار کرنا جائز ہے اور محض نشانہ پکانے

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الصید والذباح۔

[2] ابو الحسین، مسلم بن الحجاج، امام: صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ والادب۔

کے لیے اور کھیل تماشے کے لیے کسی جانور کا شکار ممنوع ہے۔ شہروں میں تو یہ بات کم دیکھنے میں آتی ہے لیکن دیہات میں اب بھی ایسا ہوتا ہے کہ نوعمر لڑکے غلیل لے کر نکلتے ہیں اور محض نشانہ پکانے کے لیے عام طور پر چڑیوں اور ایسے ہی دوسرے جانوروں کو مار دیتے ہیں۔ ایسا ہر گز نہیں کرنا چاہیے۔ یہ سخت گناہ ہے۔ شرفِ انسانیت کے خلاف ہے۔ مومن تو وہی ہے جس کا ہر ہر عمل موافق سنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہو۔

ہمارے فائدے کی بات

جو وقت ہم فضول گزار دیتے ہیں اس وقت میں کسی دینی کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ ہماری دینی معلومات بڑھیں اور ہم زیادہ اچھے مسلمان بن سکیں۔ جب تک ہمارے اندر انقلاب نہیں آتا اس وقت تک ملکی سطح پر اسلامی، و روحانی انقلاب کا آنا ناممکن ہے۔ میں نے عملی طور پر اس بات کا تجزیہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمیں اصلاحِ معاشرہ کا آغاز اپنی ذات سے کرنا چاہیے اور اس طرح ہمارا معاشرہ صحیح اسلامی معاشرہ قرار پا سکتا ہے۔ جس دین نے پیدا ہونے سے لیکر مرنے تک کے تمام مسائل کا حل عطا کر دیا ہو اس کو چھوڑ کر کسی اور جانب رجوع کرنا یا تو کم علمی کے باعث ہو سکتا ہے یا پھر جان بوجھ کر اپنے اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھلی بغاوت کرتے ہوئے۔ آیئے مل کر اس پیارے ملک میں بسنے والوں کی فلاح و اصلاح کے لیے کام کریں تاکہ اس دُنیا اور اُس دُنیا یعنی آخرت والی زندگی میں کامیاب و کامران ہو جائیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۰۸)

ترجمہ: اے ایمان والو اسلام میں پورے (پورے) داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے:

کوئی ظالم نہ بچ سکے گا

اس آیت مبارکہ میں رب العالمین نے اہل ایمان کو اسلام میں پورے پورے داخل ہونے کا حکم دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حالات کا رخ کسی طرف بھی ہو جائے زمانے کی رفتار کیسی ہی خراب کیوں نہ ہو جائے تمہیں ہر حال میں حق پر قائم رہنا ہو گا۔ حق پر قائم رہنے کا معنی یہ ہے کہ وہ سب کچھ جو اسلام نے ہمیں دیا ہے اس پر عمل کرنا ہو گا جس طرح کہ حضرت رسول اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی جانور پر بھی ظلم نہ کرو۔ جب پیارے نبی کے پیارے پیارے نظام میں جانوروں پر ظلم کرنا حرام ہے اس نظام میں انسانوں پر ظلم کرنے کی کب گنجائش ہو سکتی ہے۔

ہم اگر صرف انسانیت کے ناطے ہی سے غور کریں تو عمل قائم کرنا اور دوسروں کی حفاظت کرنا یہ بحیثیت انسان ہم پر لازم ہے۔ مسلمان ہونا تو اس سے اگلا درجہ ہے۔ ایک مسلمان اپنے اندر وہ صلاحیتیں پیدا کرتا ہے جن سے وہ پوری مسلم اُمت کے لیے خیر خواہی اور خیر سگالی کے جذبات کو فروغ دے سکے۔ چوری، ڈاکہ، زنا اور قتل جیسی کوئی حرکت ایک مسلمان کیسے کر سکتا ہے۔ جب کہ اسے یہ معلوم ہو کہ ایک دن مرنا ہے اور مر کر رب تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہونا ہے اور اپنے کردہ اعمال کا حساب دینا ہے۔ اس دن ایسا عدل قائم ہو گا کہ کوئی ظالم ظلم کا بدلہ پائے بغیر نہ بچ سکے گا۔ ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہو گا اور حساب بھی اس کے اپنے اعضاء کی تصدیق پر ہو گا اور عذاب بھی اس کے اعضاء کی گواہی پر ہو گا۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ

عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۔[1]

ترجمہ: بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہونا ہے ۔

اپیل نہ ہو گی

وہ وقت وہ سماں کس قدر اندوہ ناک ہو گا جب انسان کے اپنے اعضا ہی اس کے خلاف گواہی دینے لگیں گے۔ آنکھ گواہی دے گی کہ اس نے مجھ سے فلاں منظر دیکھا تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کر رکھا تھا۔ کان گواہی دیں گے کہ اس نے ہم سے فلاں کلام سنا تھا جس کے سننے سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہوا تھا، زبان گواہی دے گی کہ اس نے میرے ساتھ ایسے کلمات ادا کئے تھے جن کا ادا کرنا اس کو جائز نہ تھا۔ ایسی صورت میں فیصلہ اس کے خلاف ہو گا اور کوئی شکوہ بھی نہ کر سکے گا۔ وہ اپیل بھی نہ کر سکیگا کیونکہ گواہ ہی ایسے ناقابلِ تردید ہونگے جس کی وجہ سے اپیل نہ ہو گی۔

فضولیات

اسی لیے کہا گیا کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ یہ نہ ہو کہ تم اپنی مرضی کی باتوں پر تو عمل کر لو اور جو چیزیں تمہیں طبعاً پسند نہ ہوں ان کو فراموش کر دو۔ مسلمان کا ایک ایک عمل موافقِ کتاب و سنّت ہونا ضروری ہے تاکہ غیر مسلم بھی اگر ایک مسلمان کا کردار دیکھیں تو متاثر ہو کر اسلام قبول کرنے لگیں فضولیات میں وقت گزارنا مثلاً اور کچھ نہیں تو جانوروں ہی کی اذیت کے درپے ہو جانا، بندوق پکڑ کر اُن پر صرف نشانہ پکانے کے لیے گولیاں چلانا اور ان کو موت کے گھاٹ اُتار دینا یہ عمل بھی سراسر خلافِ اسلام ہے۔ آج کل جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال دے رکھا ہے وہ اپنے مال و زر پر سخت اتراتے ہیں اور اس کا ناجائز استعمال کرتے

---

[1] سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۶ ۔

ہیں اور پھر اس عمل پر نادم ہونے کی بجائے مباہات کرتے ہیں۔ شادیوں پر گولیاں چلانا یعنی ہوائی فائرنگ کرنا، شُو شا دکھانا، یہ سب عمل سخت ناجائز ہیں اس طرح کئی جانور فضا میں جل بھن کر مر جاتے ہیں اور جانور تو جانور اکثر تو انسان بھی اس طرح کی کارروائیوں کا شکار ہو جاتے ہیں بلکہ بسا اوقات تو خود شادی والے گھر ماتم کدہ بن جاتے ہیں مگر اس کے باوجود بھی ان لوگوں کو کچھ سمجھ نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ فہم عطا فرمائے اور راہِ حق کی طرف پیش قدمی کرنے کی توفیق بخشے (آمین ثم آمین)

حدیث نمبر (۲۶)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُفْتَحُ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَیَوْمَ الْخَمِیْسِ فَیُغْفَرُ لِکُلِّ عَبْدٍ لَّا یُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَیْئًا اِلَّا رَجُلٌ کَانَتْ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ اَخِیْهِ شَحْنَاءُ فَیُقَالُ اُنْظُرُوْا هٰذَیْنِ حَتّٰی یَصْطَلِحَا اُنْظُرُوْا هٰذَیْنِ حَتّٰی یَصْطَلِحَا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنّت کے دروازے پیر اور جمعرات کو کھولے جاتے ہیں تو اس شخص کی بخشش ہوتی ہے جو اللہ کے ساتھ شریک نہیں کرتا مگر اس شخص کی مغفرت نہیں ہوتی جو اپنے بھائی کے ساتھ کینہ رکھتا ہے اور حکم ہوتا ہے ان دونوں پر نظر رکھو حتیٰ کہ یہ دونوں صلح کر لیں ان دونوں پر نظر رکھو یہاں تک کہ دونوں ایک دوسرے سے ملنے لگیں۔

اگرچہ یہ دنیوی زندگی عارضی اور مختصر سی ہے مگر پھر بھی اس زندگی میں انسان کو بہت کچھ کرنا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے بندے کو ایک خاص مقصد کے لیے اس جہاں میں بھیجا ہے اور وہ یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو اور اپنے ربّ کو پہچانے یہ سچ ہے کہ جب انسان اپنی حقیقت سے آشنا ہوتا ہے تو پھر اللہ رب العالمین کا ایسا برگزیدہ بندہ بنتا ہے کہ زمین و آسمان پر اس کی عظمتوں کے چرچے ہوتے ہیں لیکن اللہ و رسول کی بارگاہ میں مقام بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اللہ اور اس کے پیارے رسول کی ایسی اطاعت کریں کہ ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ، ہماری زندگی کی ایک ایک گھڑی، ہماری زندگی کی ایک ایک ساعت، ہماری زندگی کی ایک ایک رات، ہماری زندگی کا ایک ایک دن اور ہماری زندگی کا ایک ایک ماہ و سال (نظام مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق بسر ہو۔

الحمدُ للہ نظامِ مصطفےٰ ہی ایک ایسا جامع نظام ہے کہ جس میں ہر دُکھ کی دُعا ہے زندگی کے ہر شعبے کے لیے مکمل ہدایات موجود ہیں۔ یہ پیاری پیاری حدیث مبارکہ جو ابھی ابھی آپ کی نظر سے گزری ہے اس میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھلتے ہیں اور بندوں کی مغفرت ہوتی ہے اور دو ناراض مسلمان بھائیوں کو صلح کی تلقین فرمائی ہے

بندہ بخشا جاتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے کو بخش دیتا ہے اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ توحید اسلام کا مرکزی نکتہ ہے اور عقیدہ توحید جتنا مضبوط

---

[1] ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، امام صحیح مسلم۔

ہوگا اتنا ہی بندہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا۔ شرک ایک ایسا گناہِ عظیم ہے جس کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرمائے گا۔ اس لیے ہمیں اس گناہ سے بچنا چاہیے۔ اس زمانے میں بعض جاہل مزاراتِ اولیاء کرام پر ناچتے گاتے ہوئے جاتے ہیں۔ بعض لوگ مزارات پر سجدے کرتے ہیں۔ ہم ان لوگوں سے اظہارِ بریت کرتے ہیں ہم اہلسنّت والجماعت کا قطعاً ایسا عقیدہ نہیں ہے کہ کسی نبی یا ولی کی قبر کو سجدہ کرنا جائز اور درست ہے۔ بلکہ ہم اللہ کے سوا کسی دوسرے کی ذات کو خواہ وہ اللہ کے نبی و رسول یا غوث و ولی ہی کیوں نہ ہوں سجدہ کرنا شرک سمجھتے ہیں[1] لہٰذا بعض لوگوں کا یہ پروپیگنڈہ کہ اہلسنت شرک کرتے ہیں سراسر غلط ہے بلکہ ہم پر بہتانِ عظیم ہے۔ سیدھے سادھے مسلمانوں کو اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری ضرور دینی چاہیے اور وہاں جا کر سجدہ وغیرہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔

کینہ رکھنے والوں کی مغفرت نہیں ہوتی

پیر اور جمعرات کو جنّت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور بندوں کو بخشا جاتا ہے مگر ان ایام میں کینہ رکھنے والوں کی بخشش نہیں ہوتی۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو کینہ ایک بہت بڑی بیماری کا نام ہے جو انسان کو اُس کے مرتبے سے ایسی گرا دیتی ہے جیسے ٹی بی انسان کی صحت کو گرا دیتی ہے

---

[1] اس مسئلہ کی تحقیق مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب حرمتِ سجدہ میں ملاحظہ فرمائیے۔ اس مسئلہ کی اگر تفصیل درکار ہو تو امام احمد رضا خاں قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیہ" المعروف حرمتِ سجدہ کا مطالعہ کریں جس میں شرک کی جڑیں اکھاڑ دی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس مرض سے ہمیشہ محفوظ فرمائے۔ جس طرح جسمانی بیماری انسان کے جسم کو کمزور و لاغر کر دیتی ہے اور اسے کہیں کا نہیں چھوڑتی اس طرح غیبت مسلمان کو اندر ہی اندر سے اس طرح گھائل کر دیتی ہے کہ اس کا کوئی نیک عمل باقی نہیں رہتا۔ حدیث صحیح میں آیا ہے[1] :-

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر جمعہ میں دو مرتبہ پیر اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ پھر ہر بندۂ مومن کی مغفرت ہوتی ہے مگر اس بندے کی مغفرت نہیں ہوتی جو اپنے بھائی کے ساتھ کینہ رکھتا ہے (ان کے بارے میں) کہا جاتا ہے ان کو چھوڑ دو یہاں تک کہ دونوں صلح کر لیں[2] (اور مغفرت کے لائق نہیں)

ہمارے زمانے میں یہ وبا اس قدر پھیل گئی ہے کہ اس سے بمشکل ہی کوئی فرد بچا ہوگا (الا ماشاء اللہ) جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے ہمارے معاشرے کی اکثر برائیاں اسی مرض خطرناک (کینہ) سے باعث پروان چڑھ رہی ہیں۔ جس شخص سے ایک بار کسی کو نفرت ہو جاتی ہے اسے وہ اپنے دل کے خانے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکال دیتا ہے حالانکہ مومن کو اس طرح ہرگز نہیں کرنا چاہیے بلکہ اگر کسی ایک موقع پر کوئی ناراضگی ہو بھی جائے تو صبر سے کام لینا چاہیے برائی کا بدلہ بُرائی سے دینا تو کوئی کمال نہیں ہے بلکہ کمال تو یہ ہے کہ برائی کا بدلہ بھی اچھائی سے دیا جائے۔

قرآن مجید نے اس نکتہ نظر کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب [2] ابو الحسین، مسلم بن الحجاج، امام

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ [1]

ترجمہ: اور نیکی اور بدی برابر نہ ہو جائیں گی۔ برائی کا بدلہ ایسے اچھے طرح سے دو کہ جس میں اور تجھ میں دشمنی تھی وہ تمہارا ولی دوست بن جائے ؞

یہ آیت کریمہ ابو سفیان کے متعلق نازل ہوئی، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھتے تھے اور آپ کو ایذا پہنچاتے تھے مگر رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ان کے ساتھ اچھے سلوک کیے حتیٰ کہ ان کی صاحبزادی حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت کا شرف بخشا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر ابو سفیان نے حضور پر ایمان لاکر آپ کے جانثار صحابی بن گئے [2]

اس آیت سے صاف واضح ہوا کہ

اچھے بُرے عقیدے برابر نہیں — اچھے بُرے اعمال برابر نہیں

اچھے بُرے اقوال برابر نہیں — اچھے بُرے برتاؤ برابر نہیں

اچھے بُرے انسان برابر نہیں لھذا

اچھے عقیدے کا انجام اچھا — بُرے عقیدے کا انجام بُرا

اچھے اعمال کا انجام اچھا — بُرے اعمال کا انجام بُرا

اچھے برتاؤ کا انجام اچھا — بُرے برتاؤ کا انجام بُرا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مصافحہ کیا کرو کینہ جاتا رہے گا۔ یہ علاج ہے اس بہت بڑی بیماری کا جس نے اسلامی معاشرے کی جڑیں ہلا دی ہیں۔ اگر آج

---

[1] سورہ حٰم سجدہ آیت ۳۴ [2] تفسیر نور العرفان از مفتی احمد یار خان نعیمی حکیم الامت ؞

پھر وہ باہمی اعتماد، باہمی محبت، باہمی ہمدردی، باہمی عقیدت، باہمی اتفاق اور باہمی شفقت کا جذبہ بیدار ہو جائے جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں تھا تو اسلام آج بھی پوری دنیا میں غالب ہو سکتا ہے اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ ممکن ہے۔

عقیدہ و ایمان

اسلام نے جن تعلیمات کو اپنے ماننے والوں کے لیے ضروری قرار دیا ان میں سب سے اوّل عقیدہ ہے اگر عقیدہ درست ہو گا تو آئندہ ہونے والے اعمال بھی قابلِ قبول ہوں گے اور اگر عقیدہ ہی صحیح نہ ہو تو اعمال بھی قابلِ قبول نہیں ہوتے اس لیے اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور عقیدہ بھی نیت ہی کا نام ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی دعویٰ کرتا ہے کہ میں مسلمان ہوں میرا عقیدہ اہلِ ایمان والا ہے لیکن جب اس مفروضے کو عملی میدان میں پرکھا جاتا ہے تو وہ اس پر ہرگز پورا نہیں اُترتا تو اس کے اس قول کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی جس میں وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اور اہلِ ایمان ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس مسئلہ کو بڑے واضح انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ[1]

ترجمہ: اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور وہ ایمان والے نہیں۔

اس آیتِ مبارکہ میں رب تعالیٰ نے ایک ایسے طبقے کا ذکر فرمایا ہے جو بظاہر اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں گے مگر اس کے باوجود رب تعالیٰ

---

[1] سورہ بقرہ آیت نمبر ۸

نے ان کو مومنین کی فہرست سے خارج قرار دیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان عقائد اسلام میں سے ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو اس لیے بے ایمان قرار دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان نہیں رکھتے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر اللہ و یوم قیامت پر ایمان فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔ ایماندار ہونے کے لیے رسول اکرم تاجدارِ عرب وعجم سید العالمین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دل و جان سے ماننا ضروری ہے۔ اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ اور رسول اللہ کو ماننا کیا ہے؟ صرف اتنا کہہ دینا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہوں کافی ہے؟ نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا کو حجت شرعی ماننا ضروری ہے۔ سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنانا اور آپ کے ہر حکم کو لائق عمل سمجھنا یہ ہے مسلمانی۔

مؤمن کون؟ رسول اللہ پر ایمان لانے کا تقاضا ہے اگر آدمی یہ کہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت مقدسہ کو حُجّتِ شرعی تسلیم نہیں کرتا تو اس کے لیے تفصیل دلائل تو کسی دوسرے موقعہ پر ہوں گے۔ اختصاراً یہاں ہم یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ قرآن حکیم کی آیات بیّنات اس وقت تک سمجھ میں آ ہی نہیں سکتیں جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت مقدّسہ کا سہارا نہ لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبے کا تعین کرتے ہوا رشاد فرمایا:۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (سورہ نساء آیت ۶۵)

ترجمہ: تو اے محبوب تمہارے ربّ کی قسم وہ مؤمن نہ ہوں گے جب

تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں اور پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے مان لیں ؁

اس آیتِ مبارکہ نے بڑے احسن انداز میں اس طرف اشارہ کیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی انسان حاکم تسلیم نہیں کرتا اور اپنے مؤمن ہونے کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے تو اس کا یہ عمل سراسر بے کار ہے اگر وہ مؤمن ہے تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبے کو ہر حال میں تسلیم کرنا ہوگا اور اگر وہ سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترک کر کے مؤمن بننا چاہتا ہے تو ہرگز مؤمن نہ ہوگا بلکہ بے ایمان کا بے ایمان ہی رہے گا اس لیے کہ ایمان دار ہونے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم ماننا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

ہم عرض یہ کرنا چاہتے ہیں کہ اگر عقیدہ صحیح ہوگا تو اعمال قابلِ قبول ہوں گے اور اگر عقیدہ خراب ہوگا تو کوئی نیکی قابلِ قبول نہ ہوگی۔ اہل اسلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے اور آج ہمارا بھی اپنے بزرگوں کی تتبع میں یہی عقیدہ ہے کہ آپ کی سنّتِ مقدسہ میں قرآن حکیم کی بہترین تفسیر ہے اس سے راہِ فرار اختیار کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہاں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن حکیم نے تو بار بار آباء کے طریقے پر چلنے کی نفی کی ہے اور تم وہی رٹ لگا رہے ہو تو ہم بڑی سادگی کے ساتھ اور بڑی متانت کے ساتھ جواب عرض کرتے ہیں کہ آباؑ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو عقائد و نظریات کے اعتبار سے باطل ہوں اور دوسرے وہ جو عقاید و نظریات کے اعتبار سے حق پر ہوں۔ وہ آباؑ جو صراطِ مستقیم پر ہوں ان کی پیروی اور تتبع سے منع نہیں کیا گیا بلکہ اُن کی تتبع تو لازم و ضروری ہے قرآن حکیم میں ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے

اعلان کیا کہ میں تو اپنے آباؤ اجداد کی تتبع کرتا ہوں اور پھر اُن کے باقاعدہ اسما گرامی ذکر فرمائے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ[1]

ترجمہ: اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کا دین اختیار کیا۔

اس فرمان رب العالمین کے بعد بھی اگر کوئی یہ کہے کہ آباء کی کوئی حیثیت نہیں تو پھر اس کو اپنی عقل کا علاج کروانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم نصیب فرمائے آمین!

اچھے بُرے اعمال

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اچھے اور بُرے اعمال برابر نہیں ہیں۔ نیک اعمال یقیناً اللہ تعالےٰ کے ہاں نہ صرف قابلِ قبول ہیں بلکہ ان کی وجہ سے انسان کو عزت دی جاتی ہے۔ انعام واکرام سے نوازا جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ نیک کاموں میں جلدی کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً[2]

ترجمہ: جو اچھا کام کرے مرد ہو یا عورت اور ہو مسلمان تو ضرور ہم اسے حیاتِ طیبہ دیں گے۔

جو کوئی مسلمان اچھے اعمال کرے گا اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو مرنے کے بعد عمدہ زندگی عطا فرمائے گا۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ اس فانی زندگی سے آخرت والی باقی زندگی یقیناً بہتر ہے اور اس کی عمدگی کا انحصار ہمارے نیک اعمال

---

[1] سورۃ یوسف آیت ۳۸ [2] سورہ نحل آیت ۹۷

پہ ہے۔ ظاہر ہے ایک اُمّتی اگر اعمالِ صالحہ سے اپنی زندگی مزیّن کرتا ہے تو آئندہ
زندگی میں بھی ربّ تعالیٰ اس کو انعام عطا فرمانے کا وعدہ کر رہا ہے۔ اس جہانِ رنگ و بُو
میں آ کر انسان اس کی لذتوں میں اگرچہ اُلجھ جاتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے بندے وہی
ہیں جو اس دُنیا کی فانی اور مختصر زندگی میں اپنی عزّت اور آخرت کی جواب دہی کو فراموش
نہیں کرتے۔ جب بندے کے تئیں نظریہ امر یہ ہے کہ اس کو ایک دن مرنا ہے اور اس
دنیا اور اس کی جملہ آسائشوں کو چھوڑ چھاڑ کر یہاں سے رخصت ہو جانا ہے اور یہ
رخصتی بھی تنہا ہو گی اور پھر حشر تک خاک پر آرام کرنا ہے کہ وہ بندہ کبھی بھی اللہ
تعالیٰ اور اس کے رسول (جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی نہیں کرتا۔

ے جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سایہ تلے
حشر تک سوتا رہے گا خاک کے سایہ تلے

اگر کوئی شخص بُرے اعمال کرتا ہے تو اس کی سزا اسی کو ملے گی کسی دُوسرے
کو اس کی سزا ہرگز نہ دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بڑے واضح انداز
میں فرمایا ہے کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہ اُٹھائے گی۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى
وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ
جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا [1]

ترجمہ: اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس
پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جُدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر
چھوڑ دیں گے اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بُری جگہ ہے
پلٹنے کی۔

---

[1] سورہ نساء آیت ۱۱۵

اس آیت مبارکہ نے واضح کر دیا کہ دین اسی چیز کا نام ہے کہ بندہ رسول مکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت مقدسہ پر عمل پیرا ہو اور اس کی کسی صورت بھی مخالفت نہ کرے۔ اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ وہ سنّت کو چھوڑ کر کتاب اللہ کی تفہیم کر سکتا ہے تو محض غلط و باطل ہے ایسا عقیدہ و عمل ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔

حدیث نمبر ۲۷

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ اَلْیَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ [1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالےٰ فرمائے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو فقط میری جلالت و اطاعت کے لیے باہم محبت کرتے تھے آج میں ان کو اپنے سائے میں لوں گا آج کے دن میرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں۔

اس حدیث مبارکہ میں سایہ سے مراد اللہ کی پناہ ہے۔ سایہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اور یہی اس کے شایانِ شان ہے[2]۔ اس حدیث مبارکہ کی بہترین تشریح مسلم شریف کی وہ حدیث ہے جس کے راوی حضرت تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب البرّ والصلۃ والادب [2] ابوالحسین مسلم بن الحجاج امام صحیح مسلم شرح نووی۔

حضرت تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ فرماتے سنا کہ دین خیر خواہی اور محبّت کا نام ہے ہم نے عرض کیا یارسول اللہ کس کی محبت و خیر خواہی کا نام دین ہے تو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ کی محبت، اس کی نازل کردہ کتابوں کی محبت، اس کے رسولوں کی محبّت، دین کے بڑے بڑے علماء کی محبّت اور تمام عام مسلمانوں کی محبّت ہے[1]

اس حدیث مبارکہ نے واضح کر دیا کہ دین سراپا خیر خواہی ہے اور اسلام کا تو مطلب ہی سلامتی ہے۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص اپنے بھائی سے ملاقات کے لیے ایک دوسرے گاؤں کی طرف جارہا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کی راہ میں ایک فرشتے کو متعین کر دیا جب وہ شخص وہاں پہنچا تو اس فرشتے نے پوچھا کدھر کا ارادہ ہے اس نے کہا اس گاؤں میں میرا ایک بھائی ہے اس کو ملنے جارہا ہوں۔ فرشتے نے کہا اس کا تجھ پر کوئی ایسا احسان ہے جس کو اتارنے جا رہے ہو اس نے کہا کوئی احسان نہیں ہے۔ صرف اللہ کے لیے اسے چاہتا ہوں تو فرشتہ بولا میں اللہ تعالیٰ کا ایلچی ہوں اللہ تعالیٰ تجھ کو چاہتا ہے جیسے تو فقط فی سبیل اللہ اس کو چاہتا ہے[2]

خُدا کی چاہت کا سبب

یہ کتنا بڑا انعام ہے کہ اللہ بندے کو فرمائے گا کہ میں تجھ کو چاہتا ہوں،

---

[1] صحیح مسلم [2] صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ والادب

بندہ تو ہمیشہ یہ کہتا ہے کہ میں اپنے رب کو چاہتا ہوں مگر جب اللہ بندے کو چاہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ کی رضا و خوشنودی چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے خاص کرم و فضل فرماتے ہوئے اسے بخشش کا مژدہ جاں فزا سُنا دیا ہے اللہ تعالیٰ کی اس چاہت کا سبب فقط کسی اللہ کے بندے سے فی سبیل اللہ محبت ہوتا ہے۔ لہٰذا سب مسلمانوں کو آپس میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے محبت کرنی چاہیے۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خُدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

بندے سے اللہ تعالیٰ کی محبت کس حد تک ہے، اس کی وضاحت وہ حدیث مبارکہ کرتی ہے جس میں آیا ہے:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی وہ کہے گا یا اللہ میں تیری عیادت کیسے کرتا تُو تو رب العالمین ہے۔ اللہ فرمائے گا تم کو معلوم نہیں میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تُو نے اس کی عیادت نہ کی اگر تُو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس موجود پاتا۔ اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے کھانا مانگا تُو نے مجھے کھانا نہ دیا۔ وہ کہے گا اے اللہ میں تجھے کیسے کھلاتا تُو تو رب العالمین ہے۔ رب فرمائے گا تجھے معلوم نہیں میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تُو نے اس کو نہ کھلایا اگر تو اس کو کھلاتا تو اس کا ثواب میرے پاس پاتا۔ اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا تُو نے مجھے پانی نہ پلایا۔ بندہ کہے گا میں کیسے

پانی پلاتا تو تو ربّ العالمین ہے ۔ اللہ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تو نے اس کو نہ پلایا اگر پلاتا تو اس کا بدلہ میرے پاس پاتا۔[1]

اس حدیث مبارکہ نے تو کمال اعتبار سے اللہ تعالیٰ اور بندے کی باہمی محبت کو واضح کر دیا ہے۔

اس فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے شمار فوائد نکلتے ہیں۔ ہم سب مسلمانوں کو ایک دوسرے کے کام آنا چاہیے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ مال و زر عطا کیا ہے ان کو اس پر سانپ بن کر نہیں بیٹھ جانا چاہیے بلکہ اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے تاکہ آئندہ زندگی میں (آخرت میں) اس کے کام آسکے۔ اس طرح ہمارا معاشرہ خوشحال ہو سکتا ہے۔ مال دار غریب لوگوں سے نفرت کی بجائے محبّت کریں ان کو دُور کرنے کی بجائے اپنے قریب کریں تو پاکستان میں یقیناً خوشحالی آسکتی ہے۔

ملّتِ اسلامیہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کرنا چاہے تو اس کو پھر اپنے اکابرین کی طرح اس عارضی زندگی کی بجائے اُخروی اور دائمی زندگی سے محبت کرنا ہوگی۔ اس زندگی کی تمام نعمتوں کو عارضی سمجھنا ہوگا اور ان کی حیثیت بمقابلہ آخرت ثانوی جاننی ہوگی۔ اس طرح ایک بار پھر وہی سابقہ وقار، وہی عظمتِ رفتہ وہی عزتِ دائمی، وہی دبدبہ ایمانی، وہی ہیبت سلمانی اور وہی طریقہ جہاں پانی جیسی نعمتوں سے ہم بہرہ مند ہو سکتے ہیں۔ اگر اب بھی ہم نے اپنی اس زبوں حالی کی طرف توجہ نہ دی اور اپنے

---

[1] صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ والادب۔

ذاتی مفادات کے لیے سرگرم عمل رہے تو آنے والی نسلیں کبھی ہمیں معاف نہیں کریں گی۔

اعانت اس کو کہتے ہیں

اس کائنات میں انسان اللہ تعالےٰ کا خلیفہ ہے۔ اس کو ربّ تعالیٰ نے بڑی عزت عطا فرمائی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کا حقیقی مددگار صرف اللہ ہی ہے مگر اس نے اپنے بندوں کو ایک دوسرے کی مدد کرنے پر معمور فرمایا ہے۔ وہ خود اپنی مقدس کتاب قرآن حکیم میں فرماتا ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[1]

ترجمہ: اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔

اگر بندوں کے درمیان باہمی محبت اور اعتماد کی فضا قائم نہ رہے تو ان کے تعلقات کشیدہ ہو جائیں اور اس طرح معاشرے میں بدامنی پیدا ہو جائے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ ساتھ اپنے بندوں کو یہ حکم بھی دیا کہ وہ دوسروں کے کام آیا کریں۔ اسی میں ہزاروں برکتیں ہیں، اسی میں ہزاروں رحمتیں ہیں اور اسی میں ہزاروں خوبیاں پنہاں ہیں کہ بندہ دوسرے لوگوں کے کام آئے اور اُن کی مشکلات دُور کرنے کے لیے جدوجہد کرے تمام برائیوں کی جڑ تعاون باہمی کا فقدان ہے جس معاشرے میں لوگ صرف اپنے لیے جیتے ہیں اور صرف اپنی ذات کے لیے جدوجہد کرتے ہیں اس معاشرے میں یہ تو ممکن ہے کہ عدل قائم ہو جائے مگر احسان کی شیرینی سے وہ معاشرہ کبھی

---

[1] سورہ مائدہ آیت ۲

بہرہ ور نہیں ہوتا۔ بقول علامہ اقبال ؎

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج دریا میں ہے بیرونِ دریا کچھ نہیں

بندے کا رب سے تعلق

بندہ اپنے رب کو اس کی عبادت کر کے راضی کر سکتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں اللہ اپنے بندوں سے کمالِ محبت سے پیش آتا ہے، وہ خود فرماتا ہے کہ اگر تم میرے بندوں سے صرف اس لیے پیار کرو کہ تمہیں میرے جلال سے ڈر لگے تو ایسی صورت میں تم کو اپنی رحمت میں جگہ دوں گا۔

مقامِ غور ہے جس بندے کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں لینے کا وعدہ فرمائے اس کو اس سے بڑھ کر بھلا اور کونسی چیز محبوب ہو سکتی ہے قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ [1]

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے صاف صاف بتا دیا کہ اگر تم میری مدد کرو گے تو میں تمہاری مدد کروں گا مگر سوال تو یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو بھی کسی کی مدد کی ضرورت ہے؟ اس کا جواب یقیناً یہی ہے کہ اس کو قطعاً کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے تو پھر وہ ایسا کیوں فرماتا ہے؟

---

[1] سورۃ محمد آیت ۷۔

اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔

اس کا جواب یہ ہے یہاں اللہ تعالیٰ کی مدد سے مراد اللہ کے رسول اور اس کے دین کی مدد ہے، رب کا مدد فرمانا مسلمانوں کو کامیابی دینا انہیں درجات بخشنا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی مدد لینا شرک نہیں بلکہ رب غنی ہو کر اپنے بندوں سے مدد مانگ رہا ہے تو بندہ استمداد سے کیسے بے پرواہ ہو سکتا ہے۔[1]

پیغامِ محبت

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحیم ہے۔ وہ بار بار فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ اس کا غفور و رحیم ہونا ان لوگوں کے لیے ہے جو اس کی اور اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں۔ اسی محبت کی تشہیر کرتے اور اپنے بندوں کے دل میں اسے راسخ کرنے کے لیے فرمایا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ[2]

ترجمہ: اے محبوب تم فرما دو لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس پیغام میں وہ آفاقیت ہے کہ پڑھنے کے بعد جی چاہتا ہے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں پر جاں فدا کر دی جائے تاکہ رب تعالیٰ کی بخشش حاصل ہو۔ امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں: ؎

---

[1] تفسیر نور العرفان از مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ [2] سورۂ آل عمران آیت ۳۱

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سب سے بڑی سعادت ہے جس کو یہ نصیب ہو رہی ہے وہی دین و دُنیا میں کامران ہوتا ہے۔ سرورِ دنیا و دیں نے تمام انسانیت کی فلاح کے لیے کام کیا اور پوری انسانیت کو آفاقی قوانین عطا فرمائے۔ امتِ مسلمہ کی ترقی کا راز آج بھی اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں مضمر ہے۔ انہی کی محبت ذریعہ نجات ہے اور انہی کی سنتِ مقدسہ پر جنت کا راستہ ہے۔

روحِ اسلام

ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کرنا ضروری ہے۔ اعمالِ صالحہ کرنے کے لیے علم ضروری ہے اگر علم نہیں ہو گا تو اعمالِ صالحہ کیسے ہو سکیں گے لہذا اولاً تو ہر عاقل بالغ مسلمان مرد اور عورت کو علم حاصل کرنا چاہیے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے "علم حاصل کر ماں کی گود سے لے کر لحد تک"۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے "علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے۔" اور ایک روایت میں ہے کہ "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ شریعت مطہرہ پر عمل کرنا ہی ذریعہ نجات ہے۔ پہلے علم حاصل کرو، پھر علم کے مطابق عمل کرو۔ اور یاد رہے اگر علم بھی ہو اور عمل صالح کرنے کی بھی توفیق ہو تو وہ علم و عمل اس وقت نافع ہو گا جب اخلاص بھی شاملِ حال رہے کہ

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

ترجمہ: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اسلام چونکہ بار بار بھلائی کی طرف بلاتا ہے اور ایک دوسرے سے نیک کاموں میں تعاون کا حکم دیتا ہے اس لیے تعاونِ باہمی، محبّت باہمی اور اللہ تعالےٰ کے بندوں کی خدمت اور معاشرے میں امن وامان قائم رکھنے کے لیے ساعی رہنا تاکہ مسلمان چین وسکون کی زندگی بسر کر سکیں یہی "رُوحِ اسلام" ہے اور جو کوئی اس کے خلاف کرے وہ ہرگز رُوحِ اسلام کو نہ سمجھا اس نے اللہ کے دین کی کوئی قدر نہ جانی۔ اللہ تعالیٰ بھی انہی لوگوں کو دنیا وآخرت میں نوازے گا جو اس کے بندوں کی خدمت کریں اور جو لوگ اللہ کے بندوں کے قتل میں سعی کریں ان کا خون بہانا جائز سمجھیں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز معاف نہ فرمائے گا اور اس کے عذاب شدید میں مبتلا ہوں گے۔

حدیث نمبر (۲۸)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاہُ بِاِسْمِہٖ عِمَامَۃً اَوْ قَمِیْصًا اَوْ رِدَآءً ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ کَسَوْتَنِیْہِ اَسْاَلُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَ مَا صُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ[2]

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نئے کپڑے پہنتے تو ان کا خاص نام ذکر کرتے، مثلاً عمامہ، قمیص، چادر پھر یوں کہتے اے اللہ تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں، تو نے مجھے

---

[1] امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، الجامع الصحیح [2] ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ

(لباس) پہنایا میں تجھ سے اس کی خیر اور جس مقصد کے لیے بنایا گیا ہے اس کی خیر کا سائل ہوں اور اس کے شر اور جس مقصد کے لیے بنایا گیا ہے کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں ؛

اس مبارک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایسا عمل مذکور ہوا ہے جو ساری اُمّت کے لیے باعثِ رحمت ہے ، اہلِ ایمان کی عزت وعظمت اس میں پنہاں ہے وہ اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین مبارکہ پر عمل کریں اور جس کام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روکیں باز رہیں قرآن کریم میں ہے :-

مَا اٰتٰـکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَھُوْا[1]

ترجمہ: جو کچھ رسول تمہیں دیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو ؛

نئے کپڑے پہننے کی دُعا

انسان کو طبعاً نئے کپڑے سے پیار ہوتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ میں نئے نئے کپڑے پہنوں تاکہ جاذبِ نظر دکھائی دوں ، اس طرح اسمیں کچھ تکبر کا پہلو نکل سکتا ہے اسکے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری اُمّت کو تعلیم دینے کی خاطر جب بھی نیا لباس زیبِ تن فرمایا تو مندرجہ ذیل دُعا پڑھی ، ہر مسلمان کو یہ دُعا یاد کر لینی چاہیے تاکہ بوقتِ ضرورت فوراً پڑھ لیا کرے ۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ کَسَوْتَنِیْهِ اَسْاَلُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ[2]

ترمذی ، امام جامع ترمذی ، ابواب اللباس [1] سورہ حشر آیت ۷ ۔

[2] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ، امام جامع ترمذی ، ابواب اللباس ؛

ترجمہ: اے اللہ تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں، تُو نے مجھے پہنایا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس کی خیر کا اور جس مقصد کے لیے بنایا گیا ہے اس کی خیر کا، اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس کے شر سے اور جس مقصد کے لیے بنایا گیا ہے اس کے شر سے۔

اسلام مکمل ضابطۂ حیات

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ بڑے ہی پیارے انداز میں اس حقیقت کو واضح فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ [1]

ترجمہ: بیشک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔

قرآنی اصطلاح میں اسلام دینِ محمدی کا نام ہے بلاقرینہ یہی معنیٰ مراد ہوتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ [2]

اسلام ہی مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے ہر ہر شعبے میں ہدایات دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری ہی بندے کو کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کائنات میں سب سے اعلیٰ وارفع ذات اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس کے بعد محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقام و مرتبہ ہے۔

بعد از خدائے بزرگ توئی قصہ مختصر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت مقدسہ پر عمل کرنا ہی ہماری بھلائی کا باعث ہے۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے:۔

---

[1] سورہ آل عمران آیت 19 [2] تفسیر نور العرفان۔ از مفتی احمد یار خاں نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتہ پہنتے وقت دائیں جانب سے آغاز فرماتے۔[1]

نیا کپڑا پہنو

اسلام اپنے ماننے والوں کو عمدہ زندگی گزارنے کا درس دیتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کے پیروکار دنیا کی دوسری اقوام کے مقابلے میں ہر اعتبار سے اعلیٰ نظر آئیں، ان کا کردار عمدہ ہو، ان کی گفتار عمدہ ہو ان کے چلنے کا انداز عمدہ ہو اور ان کا لباس بھی عمدہ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بدن پر ایک کرتہ دیکھا جس کا رنگ سفید تھا اس کو دیکھ کر فرمایا:

ثَوْبُكَ هٰذَا غَسِيْلٌ اَمْ جَدِيْدٌ قَالَ لَا بَلْ غَسِيْلٌ قَالَ اِلْبَسْ جَدِيْدًا وَعِشْ حَمِيْدًا وَمُتْ شَهِيْدًا[2]

ترجمہ: تمہارا یہ کپڑا نیا ہے یا دھلا ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی نہیں دھلا ہوا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نیا کپڑا پہنو عمدہ زندگی گزارو اور شہادت کی موت مرو۔

حدیث مبارکہ میں ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نیا کپڑا پہنو، جب وہ ذرا پرانا ہو جائے تو اس کو صدقہ کر دیا کرو۔ اس فرمانِ رسالت مآب سے ثابت ہوا کہ اہل ثروت کو غریب لوگوں کا خیال رکھنا چاہیے مسلمان کی زندگی ایسی بے مثال ہونی چاہیے کہ کافر بھی اس کو لائق التفات جانے کسی نے خوب کہا ہے:

جیو تو یوں کہ ہر شخص احترام کرے
مرو تو یوں کہ دشمن بھی تمہیں سلام کرے

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام، جامع ترمذی ابواب اللباس [2] ابن ماجہ کتاب اللباس

عُمدہ کردار

ہر عقل مند آدمی جانتا ہے کہ انسان دوسری مخلوقات پر صرف اس لیے فائق ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے اور اس کو لقد کرمنا بنی آدم کا تاج پہنایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان جسقدر عمدہ کردار کا مالک ہو گا اسی قدر اس کی عزّت عظمت دو بالا ہو گی، جس طرح اس کے کردار میں پختگی آتی جائے گی۔ اسی طرح اس کے مقام و مرتبے میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اعمال صالحہ سے انسان کا کردار نکھر کر سامنے آتا ہے اور وہ دوسروں کی نظر میں لائق التفات و عزّت بن جاتا ہے۔ موت اور حیات کی تخلیق کا مقصد ہی اللہ تعالیٰ نے اعمالِ حسنہ کی انجام دہی کو قرار دیا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا[1]

(ترجمہ) وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو تم میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے۔

کردار کی عمدگی ہی عُلُوِّ مرتبت کی دلیل ہے۔ رسول اکرم تاجدارِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ میری تو بعثت ہی اس لیے ہوئی ہے کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کر دوں۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ[2]

(ترجمہ) بیشک میری بعثت کا مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اخلاق کی عمدگی ہی کردار کی عمدگی ہو گی اور کردار کی عمدگی انسان کی زبان اور لباس سے بھی ظاہر ہوتی ہے بندے کو جس سے محبت ہو گی اسی کی سی شکل و صورت بھی بنائے گا۔ جس آدمی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت ہو گی وہ لباس بھی آپ کی سنّت کے مطابق

---

[1] سورہ ملک آیت ۲

[2] مؤطا امام مالک رضی اللہ عنہ

ہی پہنے گا اور جب نیا لباس پہنے گا تو وہ کلمات بھی ضرور زبان سے ادا کرے گا جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی زبانِ مبارک سے ادا فرماتے رہے جن کا ابھی ذکر کیا جا چکا ہے۔

عُمدہ گفتار

ظاہر ہے جب تک کوئی آدمی خاموش رہے کیا خبر کہ وہ کیا ہے۔ جب وہ بولے گا تبھی پتہ چلے گا کہ اس کی کیا اہلیت ہے اور اس کی کیا حیثیت ہے سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی نکتۂ نظر کو واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے:

تا نہ مرد گفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

جب تک کوئی بولتا نہیں اس کے عیب اور ہنر کھل کر سامنے نہیں آتے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مرد خاموش رہے گا تو اس کے عیب و ہنر چھپے رہیں گے اور جب بولے گا تو دونوں چیزیں کھل کر سامنے آ جائیں گی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ ان کی امّت کا ایک ایک فرد مثالی ہو اور اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ موافق شریعت مطہرہ گزرے تاکہ اس کی آخرت سنور جائے۔

واسطہ پیارے کا ایسا ہو کہ جو سُنّی مرے
یوں نہ فرمائیں ترے شاھد کہ وہ فاجر گیا
عرش پر دھومیں مچیں مومن صالح ملا
فرش سے ماتم اُٹھے طیب و طاہر گیا

عُمدہ لباس

لباس انسان کی شخصیّت کا آئینہ دار ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں عمدہ لباس پہنو، اچھی زندگی گزارو اور شہادت کی موت مرو۔ لباس صاف ستھرا ہونا چاہیے

تاکہ جاذبِ نظر لگے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بھی جی لگے کیونکہ اس کی صفائی سے اللہ تعالیٰ کی یاد میں جی لگتا ہے۔ انہماک پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے:

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝[1]

اے بالاپوش اوڑھنے والے، کھڑے ہو جاؤ، پھر ڈر سناؤ اور اپنے ربّ ہی کی بڑھائی بولو اور اپنے کپڑے صاف رکھو۔

لباس کی عمدگی اور طہارت کے حوالے سے یہ آیات بینات بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ جب اللہ تعالےٰ نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑے پاک رکھنے کا حکم دیا تو لازماً ساری اُمت کو کہیں زیادہ کپڑوں کی صفائی رکھنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ توفیقِ عمل دے، آمین۔

واقعی اگر کپڑے صاف ستھرے ہوں گے تو طبیعت میں ایک طرح کی نفاست پیدا ہوتی ہے جو سکون قلب کا باعث بنتی ہے۔ ہر ذی شعور اس عمل کی بابت بخوبی جانتا ہے کہ انسان کی طبع میں جس قدر عمدگی اور طہارت ہوگی اسی قدر اس کے اعمال میں عمدگی اور باقاعدگی ہوگی۔ اعمالِ صالحہ میں استمرار ہی ایسا کام ہے جس کی بدولت بندہ اللہ تعالےٰ سے واصل ہوتا ہے۔ شریعتِ مطہرہ کے تین اجزا ہیں۔

(۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص[2]

شریعت مطہرہ کا پہلا جزو علم ہے، علم کے بغیر کوئی عمل صالح متصور نہیں

---

[1] سورہ مدثر آیات ۱ تا ۴۔

اور اس کی قبولیت کا دار و مدار اخلاص پر ہے جس قدر خلوصِ دل کے ساتھ عمل صالح کیا جائے گا اسی قدر اس میں برکت ہو گی۔ یہی برکت انسان کی ترقئ مدارج کا سبب بنے گی۔ معاملاتِ دین میں مسلمانوں کو اس قدر پختہ ہونا چاہیے کہ اس کا ایک ایک عمل موافق سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری سنّت پر اس وقت عمل کیا جب میری امّت میں فساد برپا ہوگا اس کے لیے سو شہید کا ثواب ہے[1]۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ) مکتوباتِ امام ربّانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز۔

(حاشیہ صفحہ موجودہ) امام ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام، الجامع الصحیح۔

حدیث نمبر ۲۹

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُزَنِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَرٰى اَحَدُكُمْ لَحْمًا فَلْيُكْثِرْ مَرَقَتَهٗ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ لَحْمًا اَصَابَ مَرَقَةً وَّهُوَ اَحَدُ اللَّحْمَيْنِ[1]

ترجمہ : علقمہ بن عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی گوشت خرید ے تو شوربہ زیادہ بنایا کریں اگر کسی کے حصے میں بوٹی نہ بھی آئے تو شوربہ مل جائے اور وہ بھی ایک طرح کا گوشت ہی ہے :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان میں امت کی بھلائی ہوتی ہے اس حدیث میں آپ نے فرمایا کہ سالن جب پکایا جائے تو شوربہ قدرے زیادہ بنا لینا چاہیے۔

شوربے کی برکت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بڑی پیاری بات بتائی ہے وہ یہ کہ جب گوشت پکاؤ تو شوربہ زیادہ بنایا کرو۔ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ دوستو! جب سالن پکایا کرو تو ایک دو پیالی پانی زیادہ ڈال لیا کرو۔ عین ممکن ہے کہ تمہارا کوئی ہمسایہ سالن لینے آجائے تو اس کو بھی مل سکے۔ ویسے اس فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت صاف ظاہر ہے کہ اگر کسی

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام : جامع ترمذی، ابواب الطعام :

رات گھر میں سالن شوربے والا پکا ہوا اور مہمان آجائیں تو پریشانی نہیں ہوتی گزارہ ہو ہی جاتا ہے۔ روٹی شوربے والے سالن کے ساتھ کھانے کے کئی فوائد ہیں مثلاً" روٹی جلد ہضم ہو جاتی ہے۔ جسم ہلکا پھلکا رہتا ہے۔ دماغ تر و تازہ رہتا ہے اگر گیس وغیرہ کی مرض لاحق ہو تو شوربہ بہت ہی مفید ہے۔ ایسی صورت میں شوربہ پھلکا استعمال کرنا چاہیے۔ اس کے کھانے سے غذا بھی مہیا ہو گی اور علاج مرض بھی ہو گا۔[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ثرید بہت پسند تھا۔ ایک حدیث شریف میں ہے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مردوں میں بہت آدمی کامل ہوئے ہیں اور عورتوں میں سے صرف مریم بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون کامل ہوئی ہیں۔ دوسری عورتوں پر حضرت عائشہ کو ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے ثرید کو دوسرے کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔[2]

ثرید شوربے میں ملی ہوئی روٹی کو کہتے ہیں۔ یہ کھانا ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا۔ اس لیے کبھی کبھی شوربے میں روٹی ڈال کر جب وہ خوب نرم ہو جائے کھانا سنّت ہے۔ میں نے خود بہت مرتبہ ثرید بنا کر کھایا ہے واقعی بہت پر لطف کھانا ہوتا ہے۔

اگر کبھی زکام وغیرہ ہو جائے ایسی صورت میں بکرے یا دیسی مرغے کا گرم گرم شوربہ پینا بہت ہی فائدہ مند ہے۔ یخنی بھی اس کا ایک دوسرا نام ہے سرکار مدینہ

---

[1] میں (رانا ارشد) خود ایک مرتبہ معدے کی خرابی کی مرض میں مبتلا ہوا تو حضرت حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری دامت برکاتہم العالیہ نے مجھے پھلکا شوربہ کھانے کا مشورہ دیا اور میں نے اس پر عمل کیا تو مرض جاتا رہا۔ اگرچہ ساتھ دوا بھی دی تھی (ارشد) [2] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی: جامع ترمذی ابواب الطعام۔

صلی اللہ علیہ وسلم کو سری پائے بہت پسند تھے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے:

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی سری پائے پکا کر مجھے دعوت دے تو میں خوشی خوشی قبول کر لوں گا۔"

اگر شوربہ پکا ہو تو دوسروں کی خدمت بھی ہو سکتی ہے چنانچہ حدیث صحیح میں آیا ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص کسی نیکی کو حقیر نہ جانے اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے (مسلمان) بھائی سے خندہ پیشانی سے ہی پیش آئے۔ جب گوشت خریدو یا ہنڈیا پکاؤ تو شوربہ زیادہ رکھو اس سے اپنے پڑوس کو کم از کم چلو بھر دے دو۔[1]

رسول اللہ کی پسند

شوربے کے علاوہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھنا ہوا گوشت بھی پسند تھا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے:۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہلو کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا آپ نے اسے تناول فرمایا اور پھر وضو کیے بغیر نماز کے لیے تشریف لے گئے۔[2]

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت بہت پسند تھا۔ حدیث مبارکہ میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں گوشت لایا گیا اور آپ کو دستی پیش کی گئی۔ آپ کو وہ پسند آئی چنانچہ آپ نے اسے دانتوں کے ساتھ نوچ کر کھایا۔[3]

---

[1] ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی، ابواب الطعام [2] ایضاً [3] ایضاً

اُمّت کی خیر خواہی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت سے بے حد پیار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ہر مقام پر اپنی امت کا خیال رکھتے ہیں اور ان کی خیر خواہی فرماتے ہیں یہاں تک کہ کھانے پینے کے آداب بھی بتاتے ہیں۔ جہاں یہ فرمایا کہ جب گوشت پکاؤ تو شوربا بنا لیا کرو تاکہ سب گھر والوں کو کفایت کر جائے، کوئی قلیل آمدنی والا شخص ممکن ہے اتنا گوشت نہ خرید سکے جو سب کو پورا آسکے یا اگر مہمان آجائیں تو سخت مشکل ہو۔ ایسی صورت میں اگر شوربا بنا ہوگا تو مہمان کو کھانا کھلا کر سب افراد خانہ خود بھی تناول کر سکیں گے جیسا کہ خود سیّد عالم نور مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت فرما دی ہے۔ اسی طرح کھانا کھانے کا طریقہ بھی سمجھایا۔ جامع ترمذی میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَاکُلُ اَحَدُکُمْ بِشِمَالِہٖ وَلَا یَشْرَبُ بِشِمَالِہٖ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ یَاکُلُ بِشِمَالِہٖ وَیَشْرَبُ۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم میں سے کوئی بائیں ہاتھ سے نہ کھائے نہ پیئے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور اسی سے پیتا ہے۔

کس قدر حکمت و معرفت کے موتی بکھیرے گئے ہیں۔ ہر ذی عقل خوب جان جاتا ہے کہ جو کام حضرت انسان کا ازلی دشمن کرتا ہے وہ کام ایک مسلمان کو ہرگز نہ کرنا چاہیے۔ یہ جو بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ جناب دونوں ہاتھ برابر ہیں جس سے مرضی کھاؤ پیؤ سو یہ ہرگز لائق التفات نہیں بلکہ توجہ صرف اور صرف اسی جانب کی جائے

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: م ۲۷۹ھ جامع ترمذی ابواب الطعام ؛

گی جو رحمۃ للعالمین کا فرمانِ اقدس ہے جب رسول اللہ نے بائیں ہاتھ سے کھانے سے منع کر دیا تو اب اس کے خلاف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، ہاں اگر خدانخواستہ کسی کا دایاں ہاتھ شل ہو چکا ہو تو پھر تو مجبوری ہے ورنہ ہرگز بائیں ہاتھ سے نہ کھائے نہ پیئے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے۔

مَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا [1]

اور جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کھانا کھا چکو تو اپنی انگلیاں چاٹ لیا کرو۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَلْعَقْ اَصَابِعَهٗ فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِىْ فِىْ اَيَّتِهِنَّ الْبَرَكَةُ [2]

جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اسے چاہیے کہ اپنی انگلیاں چاٹ لے کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ برکت کونسی انگلی میں ہے۔

اسلام کی ہر بات مبنی علی الحکمت ہے اس کی کوئی بات خلاف حکمت نہیں۔ اس کی کوئی بات خلافِ عقل نہیں، بلکہ جو ضابطۂ حیات اسلام پیش کرتا ہے وہ عقلاً بے مثل ہوتا ہے۔ اگر بظاہر اس کی حکمت عقل میں نہ بھی آئے تو آئندہ کے لیے تحقیق کے راستے کھلتے ہیں اور بالآخر وہی بات برحق ثابت ہو کے رہتی ہے جو کتاب و سنت میں مذکور ہوتی ہے۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ جو کچھ رسول اللہ

---

[1] سورہ حشر آیت ۷۔

[2] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام، جامع ترمذی ابواب الطعام ؂

کے فرامین روایاتِ صحیحہ متواترہ سے سامنے آئیں ان پر عمل کر لیا جائے انگلیاں چاٹ لینے سے بدہضمی نہیں ہوتی ہے۔ گیس ٹربل نہیں ہوتی اور بہت ساری تکالیف جو ہمارے علم میں نہیں دور ہو جاتی ہیں یقیناً سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے میں ہی ہماری بھلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت

کھانا کھانے کے آداب کے حوالے سے اسلام نے سنہری اصول بنائے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی اکرم تاجدارِ عرب وعجم سیّد عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْبَرَکَۃَ تَنْزِلُ وَسَطَ الطَّعَامِ فَکُلُوْا مِنْ حَافَّتَیْہِ وَلَا تَاْکُلُوْا مِنْ وَسَطِہٖ[1]

برکت کھانے کے درمیان میں نازل ہوتی ہے جب کھاؤ تو اپنے سامنے سے کھاؤ درمیان سے نہ کھاؤ۔

چونکہ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے (ISLAM IS A COMPLETE CODE OF LIFE) اس لیے یہ زندگی کے تمام شعبوں کے لیے ہدایات جاری کرتا ہے رزق اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اس کے بغیر انسان کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے اگر خدانخواستہ مسلسل بند ہو جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ ایک آدمی اگر بھوکا ہو گرچہ کروڑپتی ہو اور اس کے سامنے ایک کروڑ روپے ڈھیر کر دیئے جائیں تو وہ ہرگز اس کی نہ پیاس بجھا سکیں گے اور نہ ہی بھوک کو دور کر سکیں گے ایسی صورت حال میں ایک گلاس پانی اور ایک روٹی وہ کام دکھاتی ہے جو ایک

---

[1] ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، ترمذی امام (م ۲۷۹ھ) جامع ترمذی، ابواب الطعام۔

کروڑ روپیہ نہیں دکھا سکتا۔ اگر اس مثال کو پیش نظر رکھ کر سوچا جائے تو یہ عقیدہ بڑی آسانی سے حل ہو جاتا کہ رزقِ خدا کی بڑی اہمیت ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بار بار اس کا ذکر قرآن حکیم میں فرمایا جیسا کہ سورہ بقرہ کے آغاز میں آیا ہے:-

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝[1]

ترجمہ: وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو اور جو بے دیکھے ایمان لائے اور ایمان قائم رکھیں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں اٹھائیں۔

کھانے کے آداب

اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے اس کی راہ میں خرچ کرنا یقیناً عبادت ہے۔

ایک غریب آدمی کے نزدیک دو وقت کی روٹی بڑی نعمت ہے جب کہ امراء عمدہ کھانے کھا کر بھی شکوہ کرتے رہتے ہیں الّا ماشاء اللہ ایسے لوگ بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے تو وہ راہِ خدا میں صرف بھی کرتے ہیں اور نعمت کھا کر ربّ کا شکر بھی بجا لاتے ہیں۔

بعض احباب کی عادت ہوتی ہے کہ جب کھانا کھانے بیٹھتے ہیں تو روٹی کے کنارے اُتار کر پھینک دیتے ہیں اور درمیان سے کھانا شروع کر دیتے ہیں ایسا کرنے سے حدیث شریف میں منع کیا گیا ہے۔ ہاں روٹی پکانے والے کو چاہیے کہ وہ (عورت پکائے یا مرد) عمدہ طریقے سے دیکھ بھال کر پکائے اس طرح

---

[1] سورہ بقرہ آیات ۲، ۳

کہ اس کا کوئی کنارہ بھی کچا نہ رہ جائے اگر کوئی کنارہ کچا رہ گیا ہو جس کے کھانے سے پیٹ میں خرابی کا اندیشہ ہو تو اس کے اُتارنے میں حرج نہیں ہے۔

رزق کا ادب

حدیث شریف میں ہے اگر کوئی شخص کھانا کھا رہا ہو اور اس کا لقمہ گر جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ شک ڈالنے والی چیز کو علیحدہ کر لے اور باقی لقمہ کھا لیا کرے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ طَعَامًا فَسَقَطَتْ لُقْمَتُهُ فَلْيُمِطْ مَارَابَهُ مِنْهَا ثُمَّ لِيَطْعَمْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ [1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھا رہا ہو اور اس کا لقمہ گر پڑے تو شک ڈالنے والی چیز کو دُور کر کے باقی کھا لیا کرے اور اس کو شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔

اہلِ اسلام کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سربلند رکھے اور ان کے ارزاق میں برکت عطا فرمائے۔ ہمارے زمانے میں لوگ خوب خوب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاتے ہیں اور شادی بیاہ پر تو رزقِ خدا کو ضائع کرنے سے قطعاً گریز نہیں کیا جاتا جبکہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے ایک لقمہ تک ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے پس چاہیے کہ اپنی تھالی میں بندہ اتنا ہی کھانا ڈالے جتنا کھا سکے اور زائد ہرگز

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی ابواب الطعام۔

نہ ڈالے پھر بعض لوگ اپنی برادری و خاندان کے لوگوں کو نیچا دکھانے کے لیے یا خواہ مخواہ ان لوگوں سے اُلجھنے کے لیے بھی ایسا کرتے ہیں کہ کھانا ضائع کرتے ہیں۔ گوشت ہڈی کے ساتھ باقی ہوتا ہے تو اسے پھینک دیا جاتا ہے جبکہ گھر میں ہڈی تک چوسی جاتی ہے۔

جس طرح بندے کو اپنی جیب سے مال خرچ کرتے وقت اس کا خوب خوب احساس ہوتا ہے اس طرح دوسرے مسلمان بھائی کا بھی احساس کرنا ہماری اخلاقی ذمہ داری ہے۔

دوسروں کی خواہش کا احترام

رسول اکرم عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اگر کسی کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ نہ رہیں تو گویا اس کے ایمان میں خلل ہے اسے چاہیے کہ فوراً اپنی اصلاح کرے۔ اپنی کمی کو دُور کرے۔ اللہ کے حضور استغفار کرے تاکہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو۔

ہر شخص کو اپنی عزت پیاری ہوتی ہے وہ ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ اس کی عزت محفوظ رہے بلکہ اس میں ترقی ہو وہ پہلے سے زیادہ معزز و محترم ہو جائے اسلامی معاشرے میں جو تقاریب ہوتی ہیں ان میں میزبان یہ چاہتا ہے کہ عزت کے ساتھ اس کا وہ کام انجام کو پہنچ جائے۔

اگر دوسرے افراد اپنے بھائی کی خواہش کا احترام کریں اور اس کی عزت افزائی اور حوصلہ افزائی کریں تو معاشرہ واقعی امن کا گہوارہ بن جائے اگر ہم دوسروں کی خواہش کا احترام کریں گے تو یقیناً دوسرے بھی ہماری خواہش کا احترام کریں گے۔ اسی نکتۂ نظر کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یوں بیان فرمایا ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝[1]

ترجمہ: اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے:

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ غیر خدا سے مدد لینا جائز ہے دوسرے یہ کہ امداد باہمی اچھی چیز ہے۔ مالی ہو یا جسمانی یا روحانی بشرطیکہ جائز چیز پہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کی مدد کرنا بھی گناہ ہے۔ چوری کرنا، چوری کرانا، چوری کا مال گھر میں رکھنا سب جرم ہے۔ ایسے ہی نیکی کرنا اور کرانا اور نیکی پر مدد کرنا سب ہی ثواب ہے[2]

مسلمان بھائیوں کے ساتھ تعاون کرنا کسی بھی جائز معاملہ میں کارِ ثواب ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی تقریب کے موقع پر دوسروں کے کھانے کو ضائع ہونے سے بچانا یہ بھی یقیناً ثواب ہے۔

لہٰذا ہمیں اپنے مسلمان بھائی کی عزت کی خاطر اپنی خواہشِ نفس پر کنٹرول رکھنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ شیطان تو چاہے گا کہ مسلمانوں کا آپس میں جھگڑا ہو۔ یہ آپس میں اُلجھیں تاکہ اس کو ان کا مذاق اُڑانے کا موقع ہاتھ آئے۔ مسلمان وہ ہے جو اپنی خواہش کو اپنے بھائی کی ضرورت پہ قربان کر دے اسی کا نام ایثار و قربانی ہے۔

افرادِ خانہ میں پیار

جس گھر میں کھانا کھاتے وقت سب افراد مل جل کر بیٹھیں گے اور کھانے کے آغاز پر

---

[1] سورۂ مائدہ آیت ۲ [2] تفسیر نور الفرقان زیر آیت سورہ مائدہ ۲

بسم اللہ (الرحمٰن الرحیم) پڑھیں گے اور پھر کھانے کا آغاز کریں گے یقیناً اس کھانے میں برکت ہو گی۔ حدیث شریف میں ہے :۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَةَ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهٗ طَعَامٌ قَالَ اُدْنُ یَا بُنَیَّ فَسَمِّ اللّٰهَ وَکُلْ بِیَمِیْنِكَ وَکُلْ مِمَّا یَلِیْكَ [1]

ترجمہ : حضرت عمر بن ابی مسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے کھانا رکھا ہوا تھا۔ فرمایا بیٹا قریب ہو جاؤ اور بسم اللہ پڑھ کر دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔

اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے زندگی کے ہر ہر شعبے میں کامل ہدایات عنایت فرماتا ہے۔ کھانے، پینے، سونے، جاگنے، کاروبارِ زندگی تجارت غرض ہر معاملے میں بڑی واضح راہنمائی فرماتا ہے۔ ظاہر ہے جب تمام افرادِ خانہ مل کر کھانا کھائیں گے اور بسم اللہ پڑھ کر اپنے سامنے سے کھائیں گے تو آپس میں پیار بھی بڑھے گا۔ اس طرح تمام افرادِ خانہ میں باہمی پیار و محبت کی فضا قائم ہو گی۔ سنّتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر عمل پیرا ہونے ہی میں ہمارا دونوں جہاں میں بھلا ہو گا۔

خانگی زندگی میں شہری کوئی قوم جتنی خوشحال ہو گی اس قدر اس کی خانگی (گھریلو) زندگی خوشحال ہو گی۔ جس خاندان میں اتفاق و اتحاد ہو گا وہ اپنی منزل پر پہنچنے میں اس قدر آسانی محسوس

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام جامع ترمذی ابواب الطعام۔

کرے گا۔ اکثر گھروں میں لڑائی جھگڑا چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہوتا ہے مثلاً فلاں نے یہ کھالیا اور میں رہ گیا فلاں نے یہ پہن لیا اور میں رہ گیا۔ فلاں نے یہ بنالیا اور میں رہ گیا اصلاً ان تمام باتوں کا علاج صرف اور صرف توکّل علی اللہ ہے۔ جو بندہ اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو حق پر قائم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسی کی مدد فرماتا ہے۔ دوسرے افراد کے لیے ایثار کرنے کا جذبہ ایسی عظیم دولت ہے جو انسان کو ہر محاذ پر سربلند کرتا ہے۔ اگر کوئی قوم خاندان یا فرد اللہ پر توکل کرے تو وہ یقیناً اس کی امداد و نصرت فرماتا ہے ارشاد ربانی ہے :-

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا[1]

ترجمہ : اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے بیشک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے بیشک اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ رکھا ؛

ابھی ہم نے عرض کیا کہ جو لوگ اللہ پر توکل کرتے ہیں وہ ان لوگوں کو ہر طرح سے عزت عطا فرماتا ہے۔ گھریلو زندگی میں کھانے پینے پر جو رنجش ہو جایا کرتی ہے وہ صرف اس وجہ سے ہوتی ہے کہ بندہ اپنی اَنا کا مسئلہ بنا لیتا ہے۔ ورنہ اگر اللہ پر توکل کیا جائے اور ہانڈی میں شوربا ہی بنا لیا جائے تو گزارا ہو سکتا ہے۔ بہترین زندگی صرف ان لوگوں کی گزرتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنّتِ مقدسہ پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ سارا جہاں انھی کے دم قدم کی برکت سے آباد ہے اور اس کا نظام اس کے صدقے میں چل رہا ہے امام احمد رضا محدّث بریلوی فرماتے ہیں ۔ ے

---

[1] سورۃ طلاق آیت ۳ ؛

زمین و زماں تمہارے لیے مکین و مکاں تمہارے لیے

چنین و چناں تمہارے لیے بنے دو جہاں تمہارے لیے

دہن میں زباں تمہارے لیے بدن میں ہے جاں تمہارے لیے

ہم آئے یہاں تمہارے لیے اٹھیں بھی وہاں تمہارے لیے[1]

خواتین کی عزت

عورت کو جو مقام اسلام نے دیا ہے وہ کسی مذہب نے نہیں دیا۔ بحیثیت بیوی، بیٹی ماں اور بہن جو مقام اس کو حاصل ہے اس کے تقدس کا صحیح التزام اسلام ہی نے کیا ہے ہمارے معاشرے میں گھر کا جملہ انتظام کھانا پکانا، کپڑے دھونا، گھر کی صفائی رکھنا، بچوں کی پرورش، یہ سب کچھ عورت کی ذمہ داری سمجھا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ جن گھروں میں افراد خانہ کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور بالخصوص جب کسی عورت کے شوہر کے ماں باپ اور بہن بھائی بھی ایک گھر میں رہتے ہوں اور سب گھر کا کھانا بھی اکٹھا ہو تو اس حال میں عورتوں کے لیے خاصی مشکل ہوتی ہے ہاں اگر سالن (گوشت کا) شوربا بنا لیا جائے تو یہ مشکل بہت حد تک آسان ہو جاتی ہے اور عورتوں کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مقدسہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

---

[1] امام احمد رضا محدث بریلوی حدائق بخشش جلد ۲ صفحہ ۴۲

حدیث نمبر (۳۰)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَشَّوْا وَلَوْ بِكَفٍّ مِنْ حَشَفٍ فَاِنَّ تَرْكَ الْعِشَاءِ مَهْرَمَةٌ۔[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شام کا کھانا ضرور کھاؤ اگرچہ مٹھی بھر کھجوریں ہی ہوں کیونکہ رات کا کھانا ترک کرنا بوڑھا کر دیتا ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ایک بہترین عمل تعلیم فرمایا ہے وہ یہ کہ رات کو سونے سے قبل کھانا ضرور کھایا کرو۔

کھانے پر بسم اللہ پڑھنا

ہمارے پیارے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھا کرو۔ حدیث شریف میں ہے:۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے ایک اعرابی آیا اس نے دو لقموں میں سب کھانا صاف کر دیا۔ حضور نے فرمایا اگر یہ بسم اللہ پڑھتا تو یہ کھانا سب کے لیے کافی ہوتا۔ تم میں سے جب کوئی کھایا کرے تو اسے بسم اللہ کہنا چاہیے اگر بھول جائے تو یہ کہے: بِسْمِ اللّٰہِ

---

[1] ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی، ابواب الطعام۔

فِیۡ اَوَّلِہٖ وَاٰخِرِہٖ[1]

اس فرمان رسول کو یاد رکھنا اور اس پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لیے باعث شرف ہے مومن کی شان اس میں مضمر ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنتوں کے تابع بنالے۔ سنت پر عمل تبھی ہو سکتا ہے جب مسلمان کو اپنے پیارے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ہو، اس نعمت کا فیض یہ ہوتا ہے کہ

خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا
جان کی اکسیر ہے اُلفت رسول اللہ کی

عظمتِ اسلام

سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ کا نام لے کر کھانا کھایا کرو[2]" مسلمان کو جس قدر عمدہ اور پاکیزہ نصب العین نصیب ہوا ہے ویسا کسی دوسرے کو ہرگز نصیب نہیں ہوا بلکہ حق تو یہ ہے کہ بہت سارے غیر مسلموں نے اسلام کے سنہری قوانین کو ہمارے پیارے نبی کی احادیث سے چوری کر کے اپنے نام سے شائع کیا اور خود لیڈر بن بیٹھے[3]۔ اسلام کی عظمت کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ حدیث صحیح میں آیا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارا غلام تمہارے کھانے کے لیے گرمی اور دھواں برداشت کرتا ہے تو چاہیے کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ساتھ بٹھا لو اگر انکار کر دے تو ایک لقمہ ہی لے کر اسے کھلا دو[4]۔

---

[1] ابو عبداللہ، محمد بن یزید ابن ماجہ: امام، سنن ابن ماجہ، ابواب الاطعمہ۔

[2]

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رحمٰن کی عبادت کرو کھانا کھلاؤ اور سلام کو رواج دو۔ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔[1]

رزق کا ادب

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر ہر شعبے میں ہدایات دیتا ہے۔ کھانے کا ادب کرنا اس انداز میں سکھایا۔ حدیث مبارکہ میں ہے:۔

معقل بن یسار فرماتے ہیں ہم ایک بار بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ ان کے ہاتھ سے لقمہ گر گیا انہوں نے اٹھا کر صاف کیا اور تناول فرما لیا، یہ دیکھ کر عجمی کسان جو وہاں موجود تھے آپس میں اشارہ بازی کرنے لگے اور کہنے لگے (طنزاً) اللہ امیر معقل کا بھلا کرے اس قدر کھانا سامنے رکھا ہوا ہے اور پھر بھی نیچے سے اُٹھا کر کھا رہے ہیں۔

عبداللہ نے فرمایا میں ان عجمیوں کی وجہ سے وہ کام ہرگز نہیں چھوڑ سکتا جو میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا۔ ہم میں سے ہر ایک کو حکم دیا گیا ہے کہ جب لقمہ گر جائے تو اسے اُٹھا لے اور صاف کر کے کھا لے اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔[2]

یہ ہے رزق کا ادب جو سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو تعلیم فرمایا، اس حدیث مبارکہ کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان کس قدر باادب تھے اور اللہ تعالیٰ کے رزق کا کتنا ادب واحترام کرتے تھے اور ہمارا یہ زمانہ کہ

اگر کوئی شخص کھانا کھا کر برتن صاف کرے تو اسے غریب یا کنجوس تصوّر کیا جاتا ہے اسی تصورِ باطل کا یہ نتیجہ ہے کہ آج مسلمان جب کسی کے ہاں مہمان ہوتا ہے اور میزبان اسے مشروب کی بوتل پیش کرتا ہے تو وہ بوتل پیتے وقت بار بار اسے دیکھتا ہے اور اس بات کا بڑا خیال رکھتا ہے کہ کہیں سارا پانی نہ پی جائے بلکہ بوتل کا چوتھائی یا پانچواں حصہ پانی بوتل ہی میں چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ دیکھنے والے اسے غریب یا کنجوس نہ سمجھنے لگیں حالانکہ اس سوچ اور عمل کا اسلام اور اس کے ماننے والوں سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے لہذا رزقِ خدا کا ادب یہی ہے کہ ضائع نہ کیا جائے۔

اسی طرح شادی بیاہ کے موقعوں پر بھی رزق کی خوب خوب توہین کی جاتی ہے۔ سالن ضائع کیا جاتا ہے۔ بوٹیاں آدھی کھائیں اور پھینک دیں۔ چاول تو بے حساب ڈھیروں ضائع کر دیئے جاتے ہیں حالانکہ اگر اطمینان کے ساتھ اپنی تھالی میں تھوڑے سے چاول ڈالے جائیں اور سالن بھی اتنا ہی ڈالا جائے جتنا کھا لینا ہے تو اللہ کے رزق کی توہین ہونے سے بچ سکتی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت

جہاں اسلام نے کھانے کی کسی چیز کو ضائع ہونے سے بچانے کا حکم دیا اور اس کا ادب بھی سکھایا ہے وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ کے رزق کو عزت کی نظر سے دیکھو خواہ تمہاری انگلیوں کے ساتھ لگا ہوا سالن وغیرہ ہی کیوں نہ ہو چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ

---

[1] ابو عبد اللہ، محمد بن یزید ابن ماجہ، امام: سنن ابن ماجہ، ابواب الاطعمہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلَا يَمْسَحْ يَدَهُ حَتّٰى يَلْعَقَهَا[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی کھانا کھائے تو وہ اپنی انگلیوں کو پونچھنے سے پہلے چاٹ لیا کرے۔

سبحان اللہ! کتنی برکت کی بات ہے کہ کھانا کھانے کے بعد جو تھوڑا بہت کھانا انگلیوں کے ساتھ لگا ہوا سے بھی ضائع نہ کیا جائے بلکہ انگلیاں چاٹ کر صاف کر دی جائیں۔ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:۔

تم میں سے کوئی اپنے ہاتھ چاٹنے سے پہلے نہ پونچھے اس لیے کہ اسے کیا معلوم کون سے کھانے میں برکت ہے۔[2]

مسلمان جب تک اپنے آقا علیہ السلام کے فرامین پر عمل پیرا رہے دنیا جہان کی سب نعمتیں ان کے قدموں پر نچھاور ہوتی رہیں اور جب انہوں نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت سے انحراف کیا دُنیا جہان کی ذلتیں ان کا مقدر بن کر رہ گئیں ؎

خوفِ خدا اور شرمِ نبی
یہ بھی نہیں اور وہ بھی نہیں

برتن صاف کرنا

مسلمان ہونے کے ناطے ہمارے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم کھانا کھانے کے بعد

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، امام سنن ابن ماجہ، ابواب الاطعمہ [2] ایضاً۔

برتن کو اچھی طرح صاف کریں تاکہ اللہ و رسول ہم سے راضی ہوں۔ حدیث شریف میں ہے حضرت امّ عاصم فرماتی ہیں:

دَخَلَ عَلَيْنَا نُبَيْشَةُ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَاْكُلُ فِيْ قَصْعَةٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَكَلَ فِيْ قَصْعَةٍ فَلَحِسَهَا اِسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقَصْعَةُ [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام نُبَیشہ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم ایک پیالے میں کھانا تناول کر رہے تھے حضرت نُبَیشہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جو پیالے میں کھائے اسے چاٹ کر صاف کر دے اس لیے کہ پیالہ اس کے لیے استغفار کرتا ہے:

جو چاہے کہ کھانے والا برتن بھی اس کی مغفرت کی دُعا کرے تو اسے چاہیے کہ کھانے کے بعد برتن اچھی طرح صاف کیا کرے۔ ہم اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ اگر کسی پڑھے لکھے ماحول میں یہ عمل (برتن چاٹنے والا) کیا جائے تو لوگ مذاق اڑائیں گے، مگر ان کے اس طرزِ عمل کی طرف قطعاً توجہ نہ دیتے ہوئے سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کر دینا ہی دنیا و آخرت کی بھلائی کا سبب ہے۔ رسول اللہ پر مرمٹنا ہی دین ہے یہی جنت کا رستہ ہے اسی پر چل کر ہم جنت تک پہنچ سکتے ہیں۔

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب اے منکر دُور ہو
ہم رسول اللہ کے اور جنت رسول اللہ کی [2]

---

[1] ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، امام: سنن ابن ماجہ ابواب الاطعمہ [2] احمد رضا بریلوی، امام: حدائق بخشش:

کھانے میں عیب نہ نکالو

اسلام نے زندگی کے چھوٹے چھوٹے معاملات کے بارے میں بھی واضح اور سنہری ہدایات عطا فرمائی ہیں، انسان متلون مزاج ہے اس کو کوئی چیز پسند ہوتی ہے اور کوئی ناپسند۔ رسول اللہ نے فرمایا اگر کھانا ناپسند ہو تو اس کا عیب بیان نہ کرے۔ حدیث شریف میں ہے:۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں رسول اللہ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا اگر پسند ہوتا تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔[1]

کھانا کھاتے وقت مسلمان کو بہت پیٹ بھر کر نہیں کھانا چاہیے بلکہ ابھی بھوک باقی ہو تو کھانے سے ہاتھ کھینچ لے۔ اس عمل سے انشاء اللہ پیٹ کی خرابی، بدہضمی، گیس، اپھارہ وغیرہ سب جاتا رہے گا۔ تھوڑا کھانا مومن ہونے کی علامت ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ یَاْکُلُ فِیْ مِعًا وَّاحِدٍ وَالْکَافِرُ یَاْکُلُ فِیْ سَبْعَۃِ اَمْعَاءٍ[2]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں:

ٹیک لگا کر نہ کھاؤ

اسلام نے ٹیک لگا کر کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اصلاً اسلام رسول اللہ کی اداؤں کا نام ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔

---

[1] ابوعبداللہ، محمد بن یزید ابن ماجہ، امام: سنن ابن ماجہ ابواب الاطعمہ [2] ایضاً:

عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اٰکُلُ مُتَّکِئًا۔[1]

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا۔

ٹیک لگا کر کھانا متکبرانہ انداز ہے اور اسلام نے اپنے ماننے والوں کو تکبر و غرور سے دُور رہنے اور سادگی اپنانے کی تلقین کی ہے۔ اگرچہ اس دَور میں اس (اسلام کی) راہ پر چلنا دشوار ہے مگر یقین جانیے جنّت کا رستہ یہی ہے۔

کھانا کھاتے وقت اپنے سامنے سے کھانا چاہیے اِدھر اُدھر ہاتھ گھماتے نہیں رہنا چاہیے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ کا ارشاد ہے، جب دستر خوان بچھایا جائے تو سامنے سے کھاؤ دوسرے کے سامنے ہاتھ نہ ڈالو۔

پھل وغیرہ کھاتے وقت ہاتھ اِدھر اُدھر گھمانا درست ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

حضرت عکراش بن ذُریب روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں ثرید اور روغن سے بھرا ہوا پیالہ لایا گیا ہم نے اس میں سے کھانا شروع کیا میں ہر طرف ہاتھ گھما رہا تھا۔ آپ نے فرمایا اے عکراش ایک جگہ سے کھاؤ کیونکہ کھانا ایک ہی ہے۔ پھر ہمارے پاس ایک تھال مختلف کھجوروں سے بھرا ہوا آیا حضور کا ہاتھ چاروں طرف گھوم

---

[1] ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، امام: سنن ابن ماجہ ابواب الاطعمہ۔

رہا تھا آپ نے فرمایا اے عکراش جہاں سے تمہارا جی چاہے کھاؤ کیونکہ یہ ایک طرح کی چیز نہیں ہے[1]

کھانے کے بعد دُعا

کھانا کھا چکنے کے بعد مومن اللہ کا شکر ادا کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی تعلیم دی ہے حدیث شریف میں ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ جب کھانا تناول فرماتے تو یوں کہتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ[2] تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانے سے فارغ ہوتے تو یوں کہتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا غَیْرَ مَکْفِیٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًی عَنْہُ رَبَّنَا[3]

یہ دعا ہر مسلمان کو زبانی یاد ہونی چاہیے تاکہ کھانا کھانے کے بعد پڑھ سکے اور اللہ کی عطا کردہ نعمت پر اس کا شکر ادا ہو۔

دعوت قبول کرنا

جب کوئی مسلمان اپنے (مسلمان) بھائی کو دعوت دے تو اسے قبول کر لینی چاہیے حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو ولیمہ پر بلایا جائے

---

[1] ابوعبداللہ، محمد بن یزید ابن ماجہ، امام: سنن ابن ماجہ ابواب الاطعمہ [2] ایضاً [3] ایضاً

تو اسے جانا چاہیے[1]

جہاں تک مہمان نوازی کا تعلق ہے اس کے متعلق حدیث صحیح میں آتا ہے:۔
حضرت ابو شریح کعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ ایک رات دن اپنے مہمان کی خوب عزت افزائی کرے جبکہ ضیافت تین دن تک ہے اور اس کے بعد جو کرے گا وہ صدقہ ہے۔ مہمان کے لیے یہ حلال نہیں اتنا ٹھہرے جس سے میزبان کو تنگی نہ ہو۔

اسلام نے کتنے پیارے اصول عطا فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو بلائے تو اسے شادی وغیرہ کی تقریب میں شامل ہونا چاہیے[2]

حضرت جابر کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی دعوت کی جائے وہ اسے قبول کرلے اگر چاہے تو کھا لے اگر نہ چاہے تو نہ کھائے[3]

بن بلائے کھانیوالا چور لٹیرا ہے

جہاں اسلام نے دعوت قبول کرنے کا اصول بیان فرمایا ہے وہاں اس شخص کی بابت بھی بیان کیا ہے جو بن بلائے دعوت میں چلا جائے چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے:۔

---

[1] ابو داؤد سلیمان بن اشعث، امام: سنن ابو داؤد ابواب الاطعمہ [2] ایضاً [3] ایضاً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی دعوت کی جائے اور
وہ اسے قبول نہ کرے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی
جو دعوت کے بغیر کھانے چلا گیا وہ چور کی شکل میں داخل ہوا اور لٹیرے
کی صورت میں باہر آیا[1]

اس حدیث شریف میں رات کے کھانے کے بارے میں تاکید کی گئی ہے،
کوئی مسلمان بھوکا نہ سوئے۔ اہلِ اسلام کا ہمیشہ سے طریق رہا ہے کہ وہ خود بھی
رات کو کچھ نہ کچھ کھا کر سوئے اور اپنے ہمسایوں کا بھی خیال رکھتے سیّدِ عالم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا سلام کو فروغ دو اور کھانا کھلایا کرو یقیناً یہ بہت بڑا ثواب ہے
کہ دوسرے مسلمان بھائی کے کھانے کا خیال رکھا جائے۔ ایک آدمی ساری
رات عبادت کرتا رہتا ہے۔ تلاوت کرتا رہتا ہے یقیناً یہ سب کچھ بڑی نعمت
ہے مگر اس کا ثواب اس کی اپنی ذات کے لیے ہے اس کا فائدہ اس
کی اپنی ہی ذات کو پہنچے گا، لیکن اگر کوئی خود تو روٹی کھا کر ربُّ العالمین کی
یاد میں مشغول ہے اور اس کا ہمسایہ رات بھر بھوکا سویا رہا تو اس کی اس
عبادت کا فائدہ اس آدمی کو کیا ہو گا جو بھوکا سویا رہے یہی وجہ ہے کہ
خدمتِ خلق بہت بڑی عبادت ہے۔ لہٰذا رات کو خود بھی کچھ نہ کچھ کھا کر
سونا چاہیے اور دوسروں کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ اللہ توفیقِ عمل دے۔

---

[1] ابو داؤد سلیمان بن اشعث، امام، سنن ابو داؤد ابواب الاطعمہ

حدیث نمبر (۳۱)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِیْمًا فَھَلْ لِیْ مِنْ تَوْبَۃٍ قَالَ ھَلْ لَکَ مِنْ اُمٍّ قَالَ لَا قَالَ فَھَلْ لَکَ مِنْ خَالَۃٍ فَقَالَ نَعَمْ قَالَ فَبَرَّھَا [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ! مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے کیا میری توبہ کی کوئی سبیل ہے آپ نے فرمایا کیا تیری والدہ زندہ ہیں عرض کیا نہیں تو آپ نے فرمایا کیا تیری کوئی خالہ ہے عرض کیا جی ہے، آپ نے فرمایا اس کی خدمت کر۔

مشعلِ راہ نبی اکرم تاجدارِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مقدسہ اہلِ ایمان کے لیے ہر اعتبار سے مشعلِ راہ ہے قرآن حکیم میں بڑے عمدہ انداز میں اس امر کی جانب اشارہ کیا گیا ہے ارشادِ ربانی ہے:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، امام: جامع ترمذی۔

كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝[1]

بیشک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لیے کہ اللہ اور پچھلے دن کی اُمید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے ؛

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو کامل نمونہ قرار دیا ہے۔ اہل ایمان کو بتایا ہے کہ تمہیں اپنی زندگی کے ہر ہر شعبے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ عالیہ سے رہنمائی حاصل کرنا ہوگی۔ حضورِ انور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی مقامات پر والدین کی عظمت بیان کرتے ہوئے حکم دیا کہ ماں باپ کی ہر لحاظ سے عزت کرنا ہے ان کے خلاف زبان کھولنا تو درکنار کبھی کلمہ اُف بھی نہیں کہنا ہے۔ یہی حکم ربّ العالمین نے قرآن مجید میں دیا ہے :

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝[2]

اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پُوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ہُوں (اُف) نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کرنا ؛

---

[1] سورہ احزاب آیت نمبر ۲۱ [2] سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۳ ؛

اس سے چند نقطے معلوم ہوئے :

(۱) ربّ کی عبادت مخلوق کی اطاعت پر مقدم ہے۔ خیال رہے کہ حضور کی اطاعت ربّ کی عبادت میں داخل ہے۔

(۲) تمام رشتہ داروں میں ماں باپ کی فرمانبرداری مقدم ہے کہ ربّ تعالیٰ نے اسے اپنی عبادت کے ساتھ بیان فرمایا۔

(۳) ماں باپ کافر بھی ہوں تب بھی ان کے حقوق ادا کرے کیونکہ ربّ نے والدین کو بغیر قید کے ارشاد فرمایا۔

(۴) ماں باپ کی جسمانی خدمت بھی کرے اور مالی بھی، کیونکہ احسان بغیر کسی قید کے ذکر ہوا۔

(۵) عبادت ربّ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے اطاعت اللہ کی بھی ہوگی رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بھی۔

ماں باپ کی خدمت واجب ہے

یوں تو ہمیشہ ہی ماں باپ کی خدمت ضروری ہے مگر ضرورت کے وقت بہت ضروری بلا ضرورت ان کی خدمت مستحب ہے اور ضرورت کے وقت واجب ہے لہٰذا بیماری لاچاری میں ان کی خدمت واجب ہے۔ اولاد مُنہ سے ایسی بات نہ نکالے جس سے معلوم ہو کہ ان کی طرف سے طبیعت پر گراں ہے۔ ماں باپ کو ان کا نام لے کر نہ پکارے۔ ماں باپ سے نوکروں کا سا برتاؤ نہ کرے بیٹا انہیں اچھے اور نرم الفاظ سے پُکارے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا کو اَبْ کہہ کر پکارا۔ اے ابّا جان یا ڈانٹ ڈپٹ کر ان سے کلام نہ کرے۔ ان کی بڑھاپے کی

بد خلقی برداشت کرے کیونکہ بڑھاپے میں طبیعت چڑچڑی اور دل وہمی ہو جاتا ہے غصہ جلد آتا ہے۔ یعنی مجمل طور پر ان سے اچھا برتاؤ کرو اور ان پر خرچ کرنے میں تامل نہ کرو کیونکہ تمہاری مجبوری کے وقت انہوں نے تمہیں پرورش کیا اب ان کی مجبوری کے وقت ان کی خدمت کرو۔

اس سے چند نقطے معلوم ہوئے:

(۱) کوئی شخص ماں باپ کے حقوق پورے نہیں کر سکتا لہذا ان کے حق میں دعا خیر بھی کرے۔

(۲) ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے لیے ایصالِ ثواب یعنی تیجا چالیسواں فاتحہ وغیرہ کرنی چاہیے کہ اس میں بھی ان کے لیے دعا خیر ہے۔

(۳) کافر ماں باپ کے لیے ہدایت کی دعا کرے۔

جہانِ رنگ و بُو

اس کارخانۂ قدرت میں انسان ربّ تعالیٰ کا شاہکارِ اعظم ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو بڑے صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں شکل و صورت میں ساری مخلوقات میں بے مثال ہے اور اشرف المخلوقات کے منصب جلیلہ پر فائز ہے۔ عقل و دانش کی نعمتِ عظمیٰ سے اس کو نوازا گیا ہے۔ اسی وجہ سے مخلوق پر فوقیت رکھتا ہے دوسری تمام مخلوق کو اس کی عظمت سے روشناس کرایا گیا ہے اور ان پر اس کو برتری دی گئی ہے حتیٰ کہ نوری فرشتے بھی اس کی عظمت کے معترف ہیں لیکن اس کے باوجود اس جہانِ رنگ و بُو میں اس کو حامی و ناصر کی ضرورت ہوتی ہے چونکہ حضرتِ انسان کو بہت کمزور پیدا کیا گیا ہے اس لیے اس کی خدمت کے لیے والدین کے سینے میں نہایت نرم دل رکھا گیا ہے کہ یہ کبھی بگڑ بھی جاتے تو والدین دشمن نہیں ہوتے۔ لہذا ہر حال میں حضرتِ انسان کو اپنے والدین کی خدمت

کرنی چاہیے کہ دُنیا میں والدین سے بڑھ کر کوئی دوسرا خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔

خراجِ تحسین

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حدیث وارد کی ہے جس میں عظمتِ والدین کو بڑی ہی صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ یوں سمجھئے سچے موتیوں کی لڑی ہے جو پروئی گئی ہے۔ واقعی جو مقام والدین کو اسلام نے دیا ہے وہ کسی دوسرے مذہب میں موجود نہیں ہے دُنیا کے تمام مذاہب سے زیادہ سچّا اور قابلِ عمل مذہب صرف اسلام ہی ہے کہ اس کے مکمل و اکمل ہونے کا اعلان خود خالقِ کائنات نے فرمایا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا[1]

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین پسند کیا۔

چونکہ یہ دین مکمل ہے اور سراسر رحمت بھی اس لیے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ماں باپ کی عظمت کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ عقل و دانش خراجِ تحسین پیش کرتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ؟ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبُوْكَ[2]

---

[1] سورۂ مائدہ آیت ۳ [2] ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام الجامع الصحیح کتاب الادب۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ میری خدمت کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے آپ نے فرمایا تیری ماں، اس نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں، عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں، عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تمہارا باپ۔

سنہری اصول

جو انسان بھی ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گا وہ اسلام کے سنہری اصولوں کے فیوض و برکات سے ضرور فیض یاب ہو گا اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو ایک باپ اور ایک ماں سے پیدا فرمایا ہے اور پھر اس سلسلے کو بطور قانون کائنات میں جاری و ساری فرما دیا ہے۔ دُنیا میں سب سے زیادہ پیار کرنے والی ہستیاں ماں باپ ہی ہوتے ہیں اولاد سے ماں باپ کو بے پناہ محبّت ہوتی ہے اور بے لوث، اسی طرح اولاد کو بھی والدین سے بے حد محبّت ہوتی ہے، لیکن پھر بھی اگر کبھی اولاد کے دل میں والدین کے لیے کوئی غلط فہمی پیدا ہو جائے یا محبّت میں کوئی کمی آجائے تو ایسی صُورت میں اولاد ہی کو حکم دیا گیا ہے کہ تم نے اپنے والدین کو اُف تک بھی نہیں کہنا۔ ظاہر ہے یہ حکم اسی صُورت میں ہے جب اولاد ناراض ہو جائے اور غصے میں آجائے ورنہ معمول کی زندگی میں اس طرح کے حکم کی ضرورت ہی کیا تھی، پس جب کبھی اولاد کو غصہ آجائے تو والدین کے سامنے کلمہ اُف کہنے سے بھی روکا گیا ہے۔

چہ جائیکہ کوئی نااندیش اپنے والدین کو بُرا بھلا کہہ دے بلاشک باپ دن بھر محنت کر کے اپنے بچوں کے لیے روزی کماتا ہے لیکن ماں کا مرتبہ باپ کے مقابلے میں زائد رکھا گیا ہے جیسا کہ ابھی آپ نے حدیث شریف میں

پڑھا ہے کہ تین مرتبہ ماں کی خدمت کا حکم دے کر والد کی خدمت کا حکم دیا ہے لیکن خدانخواستہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ باپ کی توہین کر دی جائے۔

منبعِ اخلاص

ماں ایک ایسا لفظ ہے جس کے زبان پر آتے ہی، بے حد محبّت، بے پناہ شفقت، بے پناہ پیار، بے پناہ چاہت، بے پناہ خلوص، بے پناہ عظمت اور بے پناہ رحم کی مجسم صورت نظر آتی ہے۔ ماں حقیقی معنوں میں اولاد کے لیے جائے پناہ، جائے سکون اور منبع اخلاص ہوتی ہے ہاں ایسا ممکن ہے کہ جب تک یہ نعمت پاس ہو اس کی عظمت کا وہ احساس نہ ہو پائے جو ہونا چاہیے مگر جب یہ نعمت عظمیٰ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے، دُور چلی جاتی ہے۔ آخرت کی طرف سدھار جاتی ہے۔ اس دارِ فانی کو چھوڑ کر دارِ بقا کو لبیک کہہ جاتی ہے۔ اس دُنیا کے عارضی گھر کو چھوڑ کر آخرت کے دوامی گھر میں چلی جاتی ہے تو پھر

اس کی محبّت کا ___ اس کے پیار کا ___ اس کے خلوص کا ___ اس کے رحم کا ___ اس کی شفقت کا ___ اس کی الفت کا ___ اس کی چاہت کا ___ اس کی عظمت کا ___ اس کی شان کا ___ اور اس کی قربت کا صحیح معنوں میں احساس ہوتا ہے۔ اللہ کرے یہ احساس ہر بندۂ مسلمان کے دل میں اپنی ماں کی زندگی میں پیدا ہو جائے تاکہ وہ اس کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ کی مرضی حاصل کر سکے اور حصولِ جنّت میں آسانی ہو۔ اگر بالفرض والدہ کا انتقال ہو جائے تو پھر ویسی خدمت کس کی کرے کہ اجر والدہ کی خدمت کا سا مل جائے ایسی صُورت وہ بندہ اپنی خالہ کی خدمت کرے۔ رسول اکرم تاجدارِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس مرحلہ پر اپنے اُمّتی کو مایوس نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ حضرت برا ابن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْخَالَۃُ بِمَنْزِلَۃِ الْاُمِّ[1] خالہ ماں ہی کی طرح ہے۔

خالہ ماں کی طرح ہے

والدہ بڑی ہی عزت و عظمت والی ہستی کا نام ہے، اس کے قدموں میں جنت ہے، اس کی دعائیں مقبولیت ہے۔ اس کے پیار میں خلوص ہے، اس کی محبت میں جذبۂ صادقہ پنہاں ہے۔ اس کی چاہت میں للّٰہیت ہے، اس کے خلوص میں ایثار ہے، لیکن اگر ماں نہ ہو تو دوسری کون سی ہستی ہے جس کو ماں کی طرح پیار ہوتا ہے یقیناً فرمانِ رسول برحق ہے کہ

خالہ ماں کی طرح ہے۔

پھر خالہ ہی وہ ہستی ہے جو ماں سے ملتا جلتا پیار دیتی ہے۔ اس کی خدمت نافع ہے اس سے خلوص گناہوں کا کفارہ ہے۔ دراصل اسلام اپنے جاننے والوں کو ایک ایسی نہج عطا کرنا چاہتا ہے جس پر چل کر وہ دُنیا کی تمام اقوام سے سربلند ہو جائیں۔ اس کے اخلاق ساری انسانیت سے عمدہ ہوں ان کے جذبات و احساسات دوسرے لوگوں کی نسبت بہت پاکیزہ ہوں۔ وہ دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ پیار کرنے والے ہوں اور دوسروں کی نسبت زیادہ سچے زیادہ دیانت دار ہوں۔ ان کی زندگی کی ایک ایک گھڑی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں بسر ہو اور ان کی زندگیاں قانونِ رب العالمین کا عملی نمونہ ہوں وہ اپنی ذات میں انجمن ہوں اور ان کا ایک ایک عمل دوسروں کے لیے مشعلِ راہ ہو وہ خود جنت کے راستے پر گامزن ہوں اور دوسروں کو

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام جامع ترمذی۔

اس راستے کی طرف دعوت دیں خود راہِ حق پر قائم ہوں اور دوسروں کو راہِ حق کی طرف بلائیں خود اپنے ماں باپ کا احترام کرتے ہوں اور دوسروں کو احترام والدین کا درس دیں وہ خود اپنی خالاؤں کا احترام کرتے ہوں اور دوسروں کو اس کا درس دیں۔ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ماں خالہ کی طرح ہے۔

حدیث شریف ہے کہ اگر والدہ نہ ہو تو خالہ کی خدمت کرو۔ اس کا ثواب ماں ہی کی خدمت کرنے کا ملے گا۔

مُعافی کا سبب

یہ ایک فطری امر ہے کہ جب مومن گناہ کر لیتا ہے تو پھر اُسے پچھتاوا لگتا ہے اس کی تلافی کرنے کی پُوری پُوری کوشش کرتا ہے چنانچہ ابھی ابھی آپ کی نظر سے وہ حدیث گزری ہے جس کی بابت یہ سطور رقم کی جا رہی ہیں اس میں صاف ذکر آیا ہے کہ ایک شخص نے سرکار مدینہ کی بارگاہِ عالیہ میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ مجھ سے گناہِ کبیرہ سرزد ہوا ہے میں کیا کروں۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تیری ماں ہے، عرض کیا "نہیں" تو فرمایا تیری خالہ ہے، عرض کی "جی" تو فرمایا اس کی خدمت کر۔ اس کا واضح ترین مطلب یہ ہے کہ ماں کے بعد خالہ کی خدمت گناہوں کی بخشش اور ان کی معافی کا سبب ہے۔

دعوتِ حق

بڑے چھوٹے کی تمیز مٹتی جا رہی ہے۔ خالہ تو درکنار اپنے حقیقی والدین تک کا ادب ملحوظِ خاطر نہیں رہتا معاشرہ روز بروز بگڑتا چلا جا رہا ہے اس طرف کبھی توجہ دینے کا موقعہ نہیں ملا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے جس سے ہمارا معاشرہ سدھر جائے۔

یقین مانیں اگر ہم نے خود اپنے آپ کو نہ بدلا اور اپنی عادات کو

درست نہ کیا اور اللہ ورسول کے احکامات کو چھوڑ کر دُنیا کے رسم ورواج کی رو میں بہہ گئے تو آنے والی نسلیں کبھی ہمیں معاف نہیں کریں گی۔ یہ اُصول ہے کہ تاریخ اسے ہی زندہ رکھتی ہے جو پائیدار کام کرے اور پائیدار کام مسلمان ہونے کے ناطے صرف اور صرف یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح کریں۔ اپنے گھر والوں کی اصلاح کریں اپنے رشتہ داروں کی اصلاح کریں اور اپنے اہل ملک کی اصلاح کریں لیکن یہ بات ہمیشہ مدنظر رہے کہ اگر ہم نے اپنی اصلاح کئے بغیر دوسروں کی اصلاح کا بیڑہ اُٹھایا تو یہ اپنے اوپر سب سے بڑا ظلم ہوگا۔

آج عہد کیجیے کہ جو زندگی گزر گئی وہ جیسی بھی تھی گزر گئی، لیکن اب ہم اللہ کے حضور سابقہ گناہوں سے نادم ہو کر معافی کے طالب ہیں اور آئندہ جتنی زندگی اللہ عطا فرمائے گا وہ سب لمحات اللہ ورسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق بسر ہوگی۔

یہی وہ راہ ہے جس پر چل کر ہم جنّت تک پہنچ سکتے ہیں۔ جنّت کا راستہ سرکارِ مدینہ کی سُنّت پر عمل کرنے سے ملتا ہے۔

حدیث نمبر (۳۲)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِیِٔ وَلٰکِنِ الْوَاصِلُ الَّذِیْ اِذَا انْقَطَعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بدلہ دینے والا صلہ رحم نہیں بلکہ صلہ رحم وہ ہے کہ جب رشتہ منقطع کیا جائے تو وہ رشتہ جوڑ دے۔

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو زندگی میں چاشنی پیدا کرنے والا نسخہ تعلیم فرمایا ہے۔

رشتہ ٹوٹنے سے رنج و ملال ہوتا ہے

یہ حقیقت ہے کہ اگر کسی انسان سے اس کے رشتہ دار تعلق خاطر توڑ لیں تو اس کو بہت رنج و ملال ہوتا ہے۔ زندگی کا سکون اُجڑ جاتا ہے۔ باہمی محبّت کی جگہ عداوت جنم لیتی ہے۔ خاندانی ترقی کی بجائے تنزّل شروع ہو جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں تو یہ چھوٹی چھوٹی باتیں سالوں بلکہ صدیوں کی لڑائی کا باعث بن جاتی تھیں اسلام نے آکر ان تمام غلط سلط رسموں کا قلع قمع کر دیا۔ اللہ کے بندوں کو باہمی محبّت و پیار کا وہ درس دیا کہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ عداوتوں کی جگہ محبتیں پروان چڑھیں

---

[1] ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام رح ۲۷۹ھ / جامع ترمذی، ابواب البرّ والصلہ:

لڑائی کی جگہ صلح نے لے لی گویا اللہ کے بندے بھائی بھائی بن گئے قرآن مجید میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا ؕ[1]

اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔

تفرقہ بازی نے ہمارے معاشرے کی جڑیں کھوکھلی کر کے رکھ دی ہیں ہمارا کردار بگڑ چکا ہے اور یہ بگاڑ اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اگر اس وقت اس کی اصلاح نہ کی جائے تو آنے والے (آئندہ نسل) اسلام سے بہت دور چلی جائے گی۔ اصلاحِ احوال اسی طرح ممکن ہے کہ ہر ماں اور باپ اپنے بچوں کو گھر میں ہی دین سے روشناس کروائیں، نماز[2] کا انہیں عادی بنائیں۔ روزہ رکھنے کی تلقین کریں اور ہر قسم کی برائی سے بچنے کی ہدایت کریں۔ گھروں میں بچوں کا دل بہلانے کے لیے جھوٹے قصے کہانیاں سنانے کی بجائے اپنے اکابرین۔ صحابہ کرام، اولیاء عظام اور علماء کرام کی سچی حکایات سنائی جائیں تاکہ ان (بچوں) کے دل میں اللہ و رسول کی محبت پیدا ہو اور اپنے اکابر سے عقیدت ہو جائے۔ اس وقت معاشرے میں ایک بہت بڑی خرابی یہ ہے کہ ہر خاندان میں سے کچھ افراد ایک دوسرے سے الجھے رہتے ہیں جس سے کدورتیں اور نفرتیں جنم لیتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب فرمایا، اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔

---

[1] سورہ آلِ عمران آیت ۱۰۳۔

[2] نماز کے مسائل پر ہماری کتاب "حسن ایمان" نہایت سادہ اور عام فہم ہے لہٰذا بچوں کو اس کا مطالعہ کروائیں انشاء اللہ مفید ہو گا (ارشد)

زیادتی کا بدلہ

انسان کا ذہن عام طور پر اسی طرف جاتا ہے کہ اگر اس سے کسی نے زیادتی کی ہے تو وہ بھی اس سے اس کا بدلہ لے۔ اسلام نے بدلہ لینے سے معاف کر دینے کو بہت پسند فرمایا ہے دوسرے کے قصور کو معاف کر دینا اور اس سے بدلہ نہ لینا یہ ایک بہت بڑا ثواب کا کام ہے حدیث شریف میں صلہ رحمی کا تذکرہ ہوا ہے۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو دردا بیمار ہوئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں گویا ہوئے کہ جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے ابو عبدالرحمٰن نہایت صلہ رحمی کرنے ولے اور سب سے بہتر ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں مَیں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سُنا، اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے میں اللہ ہوں اور میں رحمٰن ہوں، مَیں نے رحم کو پیدا کیا اور اس کا نام اپنے سے ملتا جُلتا رکھا۔ بس جو اسے ملائے گا مَیں اسے ملائے رکھوں گا اور جو اس سے الگ ہو گا مَیں اس سے قطع تعلق کر لوں گا۔[1]

اس حدیث نے صاف صاف بتا دیا ہے کہ رشتہ جوڑنا ثواب ہے اور رشتہ توڑنا گناہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنّت کی خوشبو ایک ہزار سال کی راہ سے آنا شروع ہو جاتی ہے مگر والدین کا نافرمان، بوڑھا زانی، تہمد نیچے چھوڑنے والا (جو زمین کے ساتھ گھسٹتی جائے)، اور قطع تعلق کرنے والا بھی جنّت کی خوشبو نہ

---

[1] ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام (م ۲۷۹ھ) جامع ترمذی، ابواب الواصلہ۔

سونگھ سکے گا۔[1]

سوشل بائیکاٹ

اسلام کی آمد سے قبل عزت کا جو معیار تھا اس کو اسلام نے یکسر بدل دیا۔ اہل کفر کے نزدیک عزت و عظمت اس چیز کا نام تھا کہ اگر کوئی ذرا زیادتی کرے تو اس کے خلاف ایسا محاذ بناؤ کہ اس کا جینا دو بھر کر دو اس کی نسل کو تباہ کر دو، اس کے کھیتوں کو اجاڑ دو اس کا سوشل بائیکاٹ کر دو۔ اس کی زندگی میں زہر گھول دو تاکہ وہ سسک سسک کر مر جائے۔

عربوں میں تو یہ بات عام تھی کہ اگر تھوڑا بہت جھگڑا کسی سے ہو گیا تو ان دو افراد کا معاملہ اس قدر گمبیر ہو جاتا تھا کہ دو قبیلے سالہا سال تک باہم لڑتے رہتے بلکہ بعض لڑائیاں تو صدیوں تک جاری رہتی تھیں۔ رشتے منقطع کرنا ان لوگوں کا شعار تھا جو لوگ امیر ہوتے یعنی مالی طور پر خوشحال ہوتے وہ غریب لوگوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے بلکہ ان کو اپنی نشست تک میں نہ بیٹھنے دیتے۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کا نبی مبعوث ہوتا اور لوگوں کو دعوت الی اللہ دیتا تو غریب لوگ اس کی دعوت پر لبیک کہتے اور امراء مخالفت پر اتر آتے جب اس کا پیغمبر ان امراء کو دعوتِ حق دیتا تو وہ لوگ جواب میں کہتے کہ ہم آپ پر ایمان کیسے لائیں آپ کی صحبت میں تو غریب و نادار لوگ بیٹھتے ہیں ان لوگوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمارے شایانِ شان نہیں کہ ہم بھی اس نشست میں آئیں جس میں غریب لوگ ہوتے ہیں قرآن حکیم نے ان کا یہ طرزِ عمل یوں ذکر کیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام (م ۱۳۴۰ھ) حقوقِ والدین ۹

کی قوم کے سرداروں نے کہا:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ [1]

اس کی قوم کے متکبر سردار بولے اے شعیب قسم ہے کہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ والے مسلمانوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین میں آجاؤ کہا کہ اگرچہ ہم بیدار ہوں:

بجائے اس کے کہ وہ لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کی پیروی کرتے اُلٹا مخالفت پر کمربستہ ہوگئے۔ رشتے ناطے سب پامال کردیئے اور حق سے ٹکر لینے پر آمادہ ہوگئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ حق کا ساتھ دینے کی ترغیب دلائی ہے اور فرمایا ہے اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور یتیموں کا ساتھ دو۔ برائی سے نفرت اور اچھائی سے پیار اہلِ حق کا شعار ہے۔ بدی کا بدلہ نیکی سے دینے کا حکم ہے ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ [2]

اور نیکی اور بدی برابر نہ ہو جائیں گی اے سننے والے برائی کو بھلائی سے ٹال بھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست:

---

[1] سورہ اعراف آیت ۸۸ [2] سورہ حم سجدہ ۳۴

احسان دلانے کا بہترین طریقہ

اسلام اپنے ماننے والوں کو صبر اور تحمل کا مجسمہ بناتا ہے، ان کو ہر معاملہ میں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اگر کوئی زیادتی کرے تو اس کو احساس دلانے کا طریقہ یہ نہیں بتاتا کہ تم بھی اس سے زیادتی کرو بلکہ مخالفت سے درگزر کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے نظامِ زندگی میں تمام نظام ہائے زندگی کے مقابلے سراسر پیار اُلفت اور محبّت کی شیرینی ہے۔

یہ بات ہر ذی عقل پر واضح ہے کہ اگر ایک آدمی زیادتی کرے اور دوسرا بھی اسی طرح کرے بلکہ اس سے دو ہاتھ بڑھ کر تو معاشرہ بدامنی کا شکار ہو جائے گا۔ ہر طرف بے چینی ہو گی۔ بے حسّی پھیلے گی۔ اس کی وجہ سے تمام معاشرہ بے رہروی کا شکار ہو گا۔ آپس کا اعتماد مفقود ہو گا باہمی محبّت ختم ہو کے رہ جائے گی بلکہ جگہ جگہ عداوتیں جنم لیں گی اور اس کے نتیجے میں ہر طرف منافقانہ چالوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ ہر شخص اسی طاق میں رہے گا کہ کب موقع ملے تو دوسروں کو ذلیل کرے اس قسم کی سوچ بیمار ذہن کی علامت ہے ایک صحت مند دماغ پھر وہ جو ایمان و اسلام کے نُور سے لبریز ہو اس قسم کی سوچ سے قطعاً مُبرا ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے بڑے واضح انداز میں بتایا ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ اگر ایک آدمی کام صحیح کر رہا ہے مگر اس کی نیّت خراب ہے تو اس کو اس کام سے نہ تو فائدہ پہنچے گا اور نہ ہی وہ عند اللہ اجر کا حقدار قرار پائے گا۔ کسی بُرے آدمی کو احساس دلانے کا یہ طریقہ ہرگز درست و صحیح نہیں ہے کہ اسے نیچا دکھانے کی کوشش کی جائے بلکہ احساس دلانے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ

برائی کرنے والے کو اچھی طرح سے مسخّر کرلیا جائے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالےٰ ہے :

نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی بدی کا بدلہ اس طرح نیکی سے دو کہ وہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی وہ تمہارا دلی دوست بن جائے[1]

ہماری غلط روش

ہم نے جو روش اختیار کر رکھی ہے وہ ہرگز ہمارے لیے فائدہ مند نہیں ہے۔ وہ یہ کہ ہر آدمی دوسرے کو مشکوک نظروں سے دیکھتا ہے۔ حالانکہ مسلم معاشرے کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں ہر فرد امن کا پیکر سچائی کا نشان اور جرأت و بہادری کا مظہر ہوتا ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کبھی نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ ہمیشہ اپنے بھائی کی خیر خواہی میں لگا رہتا ہے جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی پر اعتماد کرے گا اور وہ جس پر اعتماد کیا گیا ہے وہ اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائے گا تو لازمی بات ہے کہ ایسا معاشرہ عمدہ طریق پر گامزن ہو گا، لیکن ہمارے ہاں تو یہ عقلمندی سمجھی جاتی ہے کہ دوسرے کو دھوکہ کیسے دینا ہے۔ دھوکہ دہی کا نام عقلمندی قرار پائے تو رشتے بنا نہیں کرتے ٹوٹا کرتے ہیں۔ رشتے قائم اسی وقت ہوتے ہیں جب معاشرہ دھوکہ دہی سے پاک ہو جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے :

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کے

---

[1] سورہ حٰم سجدہ آیت ۳۴

لیے دیوار ہے کہ ایک حصّہ دوسرے حصّہ کی تقویت کا باعث ہوتا ہے[1]:
کسی بھی معاشرے میں محبّت اور پیار اسی وقت پروان چڑھتا ہے جب اس معاشرے کا ایک ایک فرد خوفِ خدا کی دولت سے بہرہ ور ہوتا ہے اور انسان جب اللہ تعالیٰ سے ڈرنے لگ جاتا ہے تو اس کا ہر عمل اپنے خالق و مالک کی رضا و خوشنودی کے لیے ہوتا ہے۔ وہ اپنے کسی قول یا فعل سے کسی مسلمان کو اذیت نہیں دیتا۔ بلکہ اگر دوسرا بھائی کمزور ہو تو اس کی تقویت کا سامان بنتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول مکرم شفیعِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی (دوسرے مسلمان بھائی) کا آئینہ ہے اگر اس میں کوئی بُرائی دیکھے تو اسے مٹا دے[2]:

ہم دوسرے کی برائی دُور کرنے کی بجائے اس ٹوہ میں رہتے ہیں کہ کب اس میں کوئی برائی ظاہر ہو تو ہم اس کی بے عزتی کریں اس کی عزت خاک میں ملائیں۔ ہماری اس غلط روش نے ہمیں آج پوری دُنیا میں اجتماعی طور پر زبوں حال کر رکھا ہے۔ ہماری خاندانی صورتِ حال سے لے کر قومی معیار تک سب جگہ وہی عصبیت جاہلیت کی بھرمار نظر آتی ہے اگر ہم اپنا رشتہ توڑنا عقل مندی نہ سمجھیں بلکہ رشتہ جوڑنا عقلمندی سمجھیں تو یقیناً دین و دُنیا میں فلاح پائیں۔

رشتہ قائم سچ سے ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں حکم دیتا ہے کہ اے ایمان والو! اسلام میں پورے

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی باب البر والصلۃ [2] ایضاً:

پورے داخل ہو جاؤ شیطان کی پیروی نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور ہم ہیں کہ اپنے ضمیر کی ایک نہیں سُنتے اور شیطان کی روش پر آنکھیں بند کر کے چلے جاتے ہیں۔ ظاہر ہیں وہ جو سبز باغ دکھاتا ہے آخر اس سے متاثر ہو کر ہی ہم اس کی طرف جاتے ہیں نا! لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ یہ سب کچھ صرف اور صرف اس لیے کرتا ہے تاکہ اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے جُدا کر کے بندوں کا رشتہ ربّ سے منقطع کر کے انہیں ذلیل و خوار ہونے کو چھوڑ دے۔

جب شیطان اچانک راہ سے غائب ہو جاتا ہے تو بندہ نہ آگے جانے کا نہ پیچھے ہٹنے کا رہ جاتا ہے، لہٰذا آخر کو جو رسوائی اٹھانا ہے تو بندۂ مومن ابتداً ہی اس کی پیروی نہ کرے جو انتہا و انجام پر ذلت اُٹھانا ہی نہ پڑے۔ بڑے بڑے عجب فریب دیتا ہے مثلاً جب کوئی چیز بازار سے خریدی تو فوراً دل میں ڈال دیا کہ جس قیمت پر خریدی ہے وہ نہیں بتانی اس لیے کہ یہ توہین ہے تمہاری، بلکہ زیادہ بتاؤ۔ اب جب کسی نے پوچھ لیا کہ یہ شے کتنے کی آئی ہے تو خریدنے والے نے اس کی قیمت خرید سے کہیں زائد بتادی۔ ظاہر ہے دوسرا بندہ بازار سے سودا لینے گیا اور اس نے دکاندار سے اسی شے کی قیمت پوچھی اور دوکاندار نے اصل قیمت بتائی تو یہ سمجھا کہ شاید اسے سستی مل رہی ہے، فوراً پیسے نکالے اور خریدلی۔ اس طرح پہلے آدمی کے جھوٹ کی وجہ سے دوسرے کو نقصان بھی ہوا اور آئندہ ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ حالانکہ جو عزت سچ بولنے میں ہے وہ جھوٹ میں ہرگز نہیں۔ رشتہ قائم سچ سے ہوتا ہے اور جھوٹ سے ٹوٹ جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس کی خیانت کرتا ہے نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اسے ذلیل کرتا ہے۔ ہر مسلمان کی عزت مال اور جان دوسرے پر حرام ہے۔ تقویٰ یہاں ہے (دل کی طرف اشارہ کرکے فرمایا) کسی انسان کے لیے اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔[1]

آج کل تو یہ رواج عام ہے کہ ذرا مال آیا دوسرے لوگ (مسلمان) نظروں میں چھوٹے نظر آنے لگے۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی برائی نے جنم لیا حالانکہ بندہ وہی بڑا ہوتا ہے جو خود کو چھوٹا سمجھے۔ اور جو خود کو بڑا سمجھنے لگ جائے تو وہ بڑا نہیں ہوتا اِلاّ یہ کہ کسی منکر کمالات کے سامنے بات کرنے کا موقع آجائے تو ایسے موقع پر اپنے خصائل کا ذکر جائز و صحیح ہو جاتا ہے۔ جیسے امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے بلوائیوں کے سامنے بیان فرمایا کہ کیا تمہیں یاد نہیں میں وہی ہوں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر کنواں خرید کر اہلِ اسلام کے لیے وقف کر دیا تھا اور مجھے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عثمان بھی جنتی ہے۔

منافقانہ روش

قوم مسلم میں نامعلوم یہ روش کیونکر جڑ پکڑ گئی اب تو پورا معاشرہ حقائق سے لاتعلق ہو کر رہ گیا ہے۔ ہر طرف یہی درس دیا جاتا ہے کہ دل کی بات کسی سے نہیں کہنی۔ اگرچہ راز کو راز رکھنا چاہیے یہ درست ہے مگر اس کا یہ معنیٰ کہاں ہے کہ جو بات زبان پر ہو وہ دل میں نہ ہو اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو اسی کا نام تو منافقت ہے

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام، جامع ترمذی ابواب البر والصلہ

جو دل میں ہو وہ زبان پر نہ ہو اور جو زبان پر ہو وہ دل میں نہ ہو۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

مسلمان اسی کو کہتے ہیں جو ترا اک سے رشتے توڑنے والا نہ ہو بلکہ رشتے جوڑنے والا ہو۔ دوسروں کے عیب کھولنے والا نہ ہو بلکہ ان کے عیوب پر پردہ ڈالنے والا ہو۔ گری ہوئی ذہنیت نے یہاں تک نوبت پہنچا دی ہے کہ آج لوگ دین پر عمل کرنے والوں اور ان کی دعوت دینے والوں کے بارے میں یہ رائے قائم کر بیٹھے ہیں کہ یہ سب دال روٹی کا چکر ہے حالانکہ اگر اہلِ علم وفضل کی صلاحیتوں کو دیکھا جائے تو وہ یقیناً دُنیا کے میدان میں عام دنیا داروں سے کہیں زائد پیسے کما سکتے ہیں مگر پھر بھی وہ لوگ دین کا کام کرتے ہیں یہ کام ہر فرد نہیں کر سکتا لہذا یہ روش جاہلانہ ہے اس سے احتراز کرنا چاہیے ورنہ اہلِ علم کی جو فضیلت ربّ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بیان فرمائی ہے اس کا بطلان لازم آئے گا۔

مِلّت میں گم ہو جا اس میں کوئی شک نہیں کہ اہلِ حق کو ہر دور میں بڑی بڑی مشکلات کا سامنا رہا ہے اور رہے گا مگر ان کا پایۂ استقلال اس قدر بلند ہوتا ہے کہ وہ یہ سب کچھ برداشت کر لیتے ہیں لیکن راہِ حق سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹتے۔ ان کی یہی استقامت بالآخر ان کو لوگوں کے دلوں پر حاکم بنا دیتی ہے اور ایسی پکّی چھاپ چڑھاتی ہے کہ جو کبھی اُترنے کا نام نہیں لیتی بلکہ ظاہری زندگی میں تو درکنار اُخروی زندگی میں بھی ان کی یہ فضیلت قائم رہے گی۔ یہ سب کچھ اسی صورت میں ممکن ہے کہ بندہ سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری

سُنتوں پر عمل پیرا ہو جائے۔

انسان دراصل اس جہانِ رنگ و بُو میں آیا ہی اس لیے ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور مخلوقِ خدا کی خدمت کرے۔ رنگ، نسل، خاندان، برادری، علاقائیت، زبان یہ سب چیزیں ثانوی حیثیت کی حامل ہیں اور ایمان و یقین اولیت کا حامل ہے اسی وجہ سے اسلام نے پوری انسانیت کی رہنمائی کا بیڑا اٹھایا ہے وہ تمام جہان والوں کا خیر خواہ ہے۔ بقول اقبال ؎

بُتانِ رنگ و خُوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ افغانی نہ ایرانی

ظاہر ہے یہ تمام خوبیاں رشتہ توڑنے سے پیدا نہیں ہوتیں بلکہ رشتہ جوڑنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ سچ فرمایا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے

بدلہ دینے والا صلہ رحم نہیں صلہ رحم وہ ہے کہ جب رشتہ منقطع کیا جائے تو وہ رشتہ جوڑ دے[1]

دعوتِ حق

بلاشبہ اس دَور میں دین کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اور اس کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین کرنا یہ بہت بڑا جہاد ہے۔ آیئے مل کر دینِ اسلام کے پیارے پیارے قوانین کو پہلے خود اپنائیں اور پھر دوسروں کو ان کے اپنانے کا درس دیں۔ ہم اپنے مشن میں اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جب دل و جان سے اسلام کے قوانین کو قبول کریں اور پھر ان کو دوسروں تک پہنچائیں۔ بعض لوگ صرف اسی لیے ہم سے دُور ہو چکے ہیں کہ ہم نے انہیں

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام، جامع ترمذی، ابواب البر و الصلہ ؛

صحیح طریقے سے اسلام کا تعارف ہی نہیں کروایا۔ اسلام دینِ فطرت ہے اس کا ہر ضابطہ انسان ہی کی فلاح کے لیے ہے، لیکن یہ سب باتیں یقین کی حد کو اسی وقت پہنچ سکتی ہیں جب ہم (بطور مسلمان) قرآن حکیم احادیث مبارکہ اور فقہ کا مطالعہ کریں۔ چونکہ ہم سُنّی مسلمان ہیں اور فقہ حنفی کے ماننے والے ہیں اس لیے ہمارا دعویٰ ہے کہ فقہ حنفی ہی دراصل اسلام کا صحیح نکھار ہے بڑے بڑے اولیاء کرام بھی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد تھے [1]

---

[1] حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

حدیث نمبر (۳۲)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّا یَشْکُرِ النَّاسَ لَا یَشْکُرِ اللّٰهَ [1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا:

اس حدیث مبارکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو معاشرہ میں رہتے ہوئے بہتر کردار اور عمدہ اخلاق پیدا کرنے کی ترغیب دلائی ہے ظاہر ہے جب کوئی شخص کسی دوسرے پر عنایت کرتا ہے تو وہ اس کی طرف سے اس پر احسان ہوتا ہے ایسی صورت میں محسن کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے اس لیے تاکہ آئندہ بھی وہ شخص ایسے نیک کاموں میں حصہ لے سکے یہ ایک فطری سی بات ہے کہ جب ہم کسی دوسرے مسلمان بھائی سے یا کسی انسان سے مدد لے کر اسی وقت اس کا شکریہ ادا کریں تو اس کے دل میں ہمارے لیے ایک جگہ بن جائے گی اس طرح ہمیں اپنی بات اس تک پہنچانے کا موقعہ ملے گا۔ تبلیغ بھی اسی صورت میں موثر ہو سکتی ہے کہ مبلغ اپنے اندر مندرجہ ذیل خوبیاں پیدا کرے:

(۱) خود عامل ہو (۲) عمدہ اخلاق کا مالک ہو (۳) محسن

---

[1] ابوعیسیٰ، محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام، جامع ترمذی، ابواب البر والصلہ:

کا شکریہ ادا کرتا ہو (۴) محبت کرنے والا ہو۔

خود عامل ہو

اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول کے احکامات کو دوسروں تک پہنچانا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے اسی حکمت کے پیش نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"علم حاصل کرنا ہر مرد و عورت پر فرض ہے۔"

اس کا صاف اور واضح ترین مطلب یہ ہے کہ اوّلاً تو ہر مسلمان کو اتنا علم ضرور سیکھنا چاہیے جس سے وہ اپنی زندگی کے معاملات کو سلجھا سکے دوسرا یہ کہ جب علم سیکھے تو پہلے خود اس کے مطابق عمل کرے اور پھر دوسروں کو دعوت دے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے علم حاصل کیا اور اپنے زمانہ کے سردار اور مقتداء بن گئے تو حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكَ بِالْعَمَلِ فَاِنَّ الْعِلْمَ بِلَا عَمَلٍ كَالْجَسَدِ بِلَا رُوْحٍ[1] تجھ پر عمل کرنا ضروری ہے بلاشبہ عمل کے بغیر علم ایسے ہی ہے جیسے روح کے بغیر جسم۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب تک علم کے ساتھ عمل نہ ہو علم کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ علم دراصل عمل صالح کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور عمل صالح انسان میں فقر پیدا کرتا ہے۔ فقر وہ دولتِ لازوال ہے جسے نصیب ہو جائے

[1] علی بن عثمان ہجویری ثم لاہوری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب چھٹی فصل۔

اسے ماسوا اللہ سے بے خبر کر دیتی ہے۔

تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پہ ہے مدارِ قوّتِ حیدری

یہ سچ ہے جب تک علم عمل کے ساتھ نہ ملے صاف نہیں ہوتا نہ زندگی میں خلوص کی کوئی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور جو شخص محض علم پر قناعت کرے وہ عالم نہیں ہوتا۔

کیونکہ عالم کو محض علم پر قناعت نہیں ہونی چاہیے اس لیے کہ علم عمل کا متقاضی ہوتا ہے جیسا کہ ہدایت مجاہدہ کا تقاضا کرتی ہے اور جس طرح مشاہدہ بے مجاہدہ نہیں ہو سکتا اسی طرح علم بغیر عمل کے بے فائدہ ہے دراصل علم عمل کا اصل اور عمل علم کا نتیجہ ہے علم کی کشائش اور اس کا نفع عمل ہی کی برکات سے ہوتا ہے[1]۔

عمدہ اخلاق کا مالک ہو

اللہ کے بندوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ اس زندگی کو عارضی سمجھتے ہیں اور یہاں رہ کر خود نیک عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ دعوت الی اللہ دینے والے کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہونی چاہیے کہ وہ عمدہ اخلاق کا مالک ہو" انك لعلى خلق عظيم" کا مظہر ہو۔ جب مبلغ عمدہ اخلاق کا مالک ہوگا تو اس کا ایک ایک عمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت مقدسہ کے مطابق ہوگا۔ علم سے عمل کی تبلیغ زیادہ مؤثر اور دیرپا ہوتی ہے۔

عمدہ اخلاق یہ بتاتے ہیں کہ اگر کوئی تمہارے کچھ کام آئے تو تم فوراً اس کا شکریہ ادا کرو تاکہ اس کے دل میں تمہارے لیے

---

[1] علی بن عثمان ہجویری، داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، کشف المحجوب :

محبت پیدا ہو جائے وہ اس کی ہر ادا اپنانے کی کوشش کرتا ہے
ہم ہر مسلمان کے دل میں اپنے پیارے محبوب حضرت محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی شمع فروزاں کریں گے تاکہ وہ اپنے
آقا کی ہر ہر ادا اپنائے اور اس جنّت کے راستے پر چل کر جنّت
تک پہنچ جائے۔

محبّت کرنے والا ہو

انسان کی یہ فطرت ہے کہ جو اس کو پیار کرتا ہے یہ اس سے پیار کرتا ہے اور
جو اس سے نفرت کرتا ہے یہ بھی اُس سے نفرت کرتا ہے۔ لہٰذا یہ بات اظہر
من الشمس ہے کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی تبلیغ
کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں سے محبّت کرے، ان کو محبّت
کی نگاہ سے دیکھے تاکہ ان کو اس سے محبت ہو جائے اور پھر یہ انکو دینِ اسلام
کی پیاری پیاری باتیں سُنائے تاکہ اس کی ہر بات ان کے دل میں اُتر جائے۔

؎ دِل سے جو نکلتی ہے وہ بات اثر رکھتی ہے
پَر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

جب ہماری تبلیغ کا یہ انداز ہو گا تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنے مشن
مقامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفّظ اور نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کے نفاذ میں کامیاب نہ ہوں۔ ہماری کامیابی کا راز ہی اس میں مضمر ہے
کہ ہم دوسروں کو دعوت دیتے چلے جائیں خود نیک عمل کریں اور دوسروں
کو نیک اعمال کرنے کی تلقین کریں۔

تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا

وہ بندہ جو اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہو اس کو

اللہ تعالیٰ دُنیا و آخرت دونوں جہانوں میں سربلندی عطا فرماتا ہے اس کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے وہ لوگوں کی نظر میں معزز ہوتا ہے۔ اس کی شان و شوکت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ کی شکر گزاری اتنی بڑی نعمت ہے کہ کوئی دوسری نعمت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بندہ جتنا زیادہ شکر کرنے والا ہوگا اس قدر اس میں تحمل زیادہ ہوگا قوتِ برداشت جتنی زیادہ ہو بندہ اتنا ہی کامیاب ہوتا ہے۔ یہ زندگی چونکہ مصائب و آلام سے پُر ہے اس لیے قدم قدم پر اس کو بڑا سوچ سمجھ کر چلنا پڑتا ہے لیکن جب بندہ شکر گزاری کی نعمت سے مالا مال ہو جاتا ہے تو ربِ کائنات فرماتا ہے:

فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝[1]

تم میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں مذکور ہے یعنی مجھے زبان سے، دِل سے اور اعضاء سے یاد کرو لہٰذا اس میں تمام عبادات آگئیں پھر تم مجھے اپنی زندگی میں یاد کرو میں تمہیں بعد موت یاد کروں گا کہ دُنیا تم پر فدا ہوگی جیسا کہ اولیاء اللہ کی قبور پر رونق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے یا تم مجھے گناہ کر کے توبہ سے یاد کرو میں تمہیں مغفرت سے یاد کروں گا۔ تم مجھے جلوت و خلوت میں یاد کرو میں تمہیں اسی طرح یاد کروں گا۔ جب کفر شکر کے مقابلے میں ہو تو اس کے معنی ناشکری اور جب اسلام یا ایمان کے مقابلے میں ہو تو اس کے معنی بے ایمانی ہے۔ یہاں ناشکری مراد ہے[2]۔

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۱۵۲ [2] مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ، تفسیر نور العرفان زیر آیت سورہ بقرہ ۵۲۔

اجتماع المسلمین

اس آیت کریمہ میں شکر کرنے والے کے لیے بڑے بڑے انعامات کا ذکر ہوا ہے کسی بندے کے لیے اس سے بڑھ کر اور انعام کیا ہوگا کہ اس کا خالق اس کا ذکر عمدہ انداز میں فرمائے اور ظاہر ہے جب بندہ ذکر کرتا ہے تو اپنی بساط کے مطابق کرتا ہے اور رب تعالیٰ اس کا ذکر کرتا ہے تو اپنی شان کے لائق کرتا ہے یہ سب کچھ شکر گزاری کی برکت سے ہوتا ہے بس اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر حال میں اپنے رب کا شکر گزار رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور اگر کوئی بندہ کسی کام آئے تو اس بندے کا شکریہ ادا کرنے کی توفیق بخشے جب بندہ کسی بندے کا شکریہ ادا کرتا ہے تو اس کے دل میں خود بخود جگہ بنا لیتا ہے۔ جب کسی کے لیے کسی کے دل میں جگہ بن جائے تو وہ اس کا محبوب ہوتا ہے اور کوئی محبت قرار پائے اور کوئی محبوب ٹھہرے تو تمام کام بخوبی انجام پاتے ہیں پھر ان لوگوں کے درمیان ریا کاری، ظاہر داری، غیبت، حسد اور کینہ نام کی کوئی چیز نہیں رہتی اسلیے کہ ان کا سب معاملہ فقط محبت پر مبنی ہوتا ہے اسلام سلامتی کا دین ہے اور محبت ہی کا درس دیتا ہے۔ یہ اپنے ماننے والے کو شرافت، دیانت، امانت اور جواں مردی کا وہ جوہر عطا کرتا ہے جو اسے دوسرے لوگوں اور دوسری قوموں کے مقابلے میں سر بلند کرتا ہے اسی جوہر کی بناء پر یہ قوم پوری دُنیا کی اقوام پر غلبہ پا گئی تھی آج بھی اگر اس قوم میں پھر باہمی اتحاد و اتفاق کی ایسی کیفیت لوٹ آئے تو یقیناً پھر وہی عروج پائیگی

اجتماع المسلمین اسی دَور کا تقاضا کرتا ہے یہی اس دَور میں راہِ نجات ہے۔ اسی راہ پر گامزن ہو کر ہم سرخروئی حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی راستے پر چل کر ہم کامیابی کی منزل سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے:

وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا وَ
تَذۡہَبَ رِیۡحُکُمۡ وَاصۡبِرُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ [1]

اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑو نہیں اور پھر
بزدلی کرو گے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بیشک
اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ؛

اس آیت مبارکہ میں صاف صاف بتایا جا رہا ہے کہ قوم مسلم کی کامیابی کا دارومدار صرف اور صرف باہمی اتحاد یگانگت اور اتفاق میں مضمر ہے۔ جب تک یہ قوم ان صفات سے متصف رہے گی کامیابیاں ان کے قدم چومیں گی اور جب یہ قوم ان کمالات سے عاری ہو جائے گی تمام کامیابیاں و کامرانیاں ان سے دور بھاگیں گی اور پھر قوم مسلم ذلت و رسوائی کی وادی میں گھر جائے گی کوئی ان کا پرسان حال نہ ہوگا۔

اس امت کی کامیابی کا راز اس زمانہ میں (۱۴۱۸ھ ۱۹۹۷ء) اسی امر میں مضمر ہے کہ پھر سے یہ قوم قرآن حکیم کے اس ابدی اصول پر گامزن ہو جائے جو مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں گزرا ہے اور اس کی تمام تر کوششیں اجتماع المسلمین کے لیے ہوں جب اجتماع المسلمین بام عروج پر آ جائے تو اس قوم کی تقدیر کا پانسہ پلٹے گا اور دن رات کی محنت سے پھر وہ نظام قائم ہوگا جس میں ہر طرف عدل ہی عدل، انصاف ہی انصاف ہوتا ہے۔ جس میں کسی دوسرے کے حقوق کی پامالی نہیں ہوتی بلکہ اس ملت کا ہر فرد اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کو اپنی سعادت جانتا ہے۔

---

[1] سورہ انفال آیت ۴۶ ؛

؎ بتانِ رنگ و خون کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ افغانی نہ ایرانی

مصیبت میں استقامت

لیکن اس مرحلے پر بڑے ہی صبر کی ضرورت ہوتی ہے اور آزمائش تو ہر موڑ پر آئے گی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبر کا دامن ہر حال میں تھامے رہو۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ مصیبتوں کا شکار کون ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا انبیاء پھر جتنا مرتبہ کم ہو جائے گا اتنی ہی آزمائش کم ہو گی۔ بندے کی آزمائش اس کے دین کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر دین میں وہ سخت ہے تو مصیبت بھی سخت ہو گی اگر دین میں نرم ہے تو مصیبت بھی نرم ہو گی۔ آخر بندے پر مصیبتیں آتی رہتی ہیں یہاں تک کہ وہ زمین پر پاک صاف ہو کر چلنے لگتا ہے[1]

اس حدیث شریف کو پڑھنے کے بعد انسان کی سوچ میں یکسر تبدیلی آجاتی ہے۔ بندہ تو اس جہان میں امن و چین اور سکون کا متمنی ہوتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جتنا بڑا آدمی ہو گا اتنی ہی بڑی آزمائش بھی آئے گی۔ ظاہر ہے کہ اس زندگی کو گزارنے کے لیے صبر کی ایک ایک قدم پر ضرورت ہوتی ہے۔ جو بندہ صابر ہو گا وہی شاکر بھی ہو گا۔ جو صبر

---

[1] سنن ابن ماجہ باب الصبر علی البلاء ۃ

کرنا نہیں جانتا وہ شکر بھی ہرگز نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں بڑھاؤں گا اور اگر تم کفر کرو گے
تو میرا عذاب بڑا سخت ہے[1]

ہم پر ذرا آزمائش آتی ہے تو ہم اپنے اوسان خطا کر بیٹھتے ہیں۔ ہوش ہی نہیں رہتے اور نجانے اس عالم میں کیا کیا کہہ دیتے ہیں حالانکہ اس کیفیت میں صبر کا دامن ہرگز ہاتھ سے نہ چھوٹنا چاہیے تھا۔ ابھی آپ نے حدیث شریف میں پڑھا ہے کہ سب سے سخت مصیبتیں انبیاء کرام پر آتی رہی ہیں۔ ایک روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب دیکھ رہا ہوں اور آپ انبیاء کرام میں سے ایک نبی کی حکایت بیان فرما رہے تھے جن کو ان کی قوم نے مارا تھا۔ وہ اپنے چہرے سے خون پونچھے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے اے میرے اللہ میری قوم کی مغفرت فرما یہ ابھی جانتی نہیں[2]

اب ذرا ان الفاظ پر غور فرمائیں جو اللہ کے نبی (علیہ السلام) کے منہ سے نکل رہے تھے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ یا اللہ میری قوم کو معاف فرما دے یہ لوگ (حقیقت کو) جانتے نہیں۔

حلوہ کھا کر شکر کرنا تو بڑا آسان ہے لیکن پتھر کھا کر صبر کرنا واقعی بڑا

---

[1] سورہ ابراہیم آیت ۷ [2] سنن ابن ماجہ باب الصبر علی البلاء

مشکل ہے۔ پھر جب خون بہہ رہا ہو تب اللہ اللہ اور کمال یہ کہ اس کیفیت میں صبر کے بعد شکر بھی کرنا یہ تو صرف انبیاء کرام ہی کا کام ہے یا پھر اس بندے کا جس کا تعلقِ خاطر اللہ کے نبی سے قائم ہو چکا ہو اور وہ باقاعدہ اپنے محبوب سے ربط رکھتا ہو ایسا عاشق بے اختیار پکار اٹھتا ہے۔

کروں مدح اہلِ دُوَل رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

احساسِ ذمہ داری

اگر آج کسی مسلمان کو راہِ حق کی طرف دعوت دی جائے اس کو کہا جائے کہ آؤ مسجد میں چلیں نماز ادا کریں درسِ قرآن و حدیث کی مجلس میں شریک ہوں تو جواب صاف سا یہ دیا جاتا ہے جناب ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ یہ کہہ کر اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے شاید سبکدوش کر لیا جاتا ہے جو ایک مسلمان پر کلمۂ توحید پڑھنے کے بعد عائد ہوتی ہے حالانکہ اگر دوسری جانب دیکھا جائے تو یہی لوگ فلمیں دیکھنے میں تین تین گھنٹے صرف کر دیتے ہیں اور وقت ضائع ہونے کا ذرّہ برابر احساس نہیں ہوتا۔ آخرت کی تیاری ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ایسی جگہ ہے جہاں تنہا رہنا ہے اور کوئی دوسرا، ماں، باپ، بھائی، بہن، بیوی بچے اور دوست نہیں ہوگا۔ راہِ حق پر چلنے میں دشواری ضرور ہے مگر جو لوگ اس راہ پر چل پڑتے ہیں ان کو وہ راحت اور قلبی سکون میسر آتا ہے اس کا بیان بیان سے باہر ہے۔ کسی ایسے اللہ والے کی مجلس میں بیٹھنا جو واقعی اللہ تعالیٰ سے ظاہر و باطن میں ڈرتا ہو بہت بڑی سعادت ہے۔ ہزار ہا مشکلات کسی اللہ والے کی صرف مجلس میں جانے سے ٹل جاتی ہیں۔ بقول اقبالؒ

نہ تخت تاج میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے
مزہ جو قلندر کی بارگاہ میں ہے

حدیث نمبر (۳۴)

عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْحُمَةِ وَالْعَيْنِ وَالنَّمْلَةِ [1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچھو کے کاٹنے، نظر بد اور پہلو کے زخم (پھنسیوں وغیرہ) میں جھاڑ پھونک کی اجازت دی ہے:

رسول مکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں، آپ کے بعد کوئی اور نبی و رسول ہرگز نہیں آسکتا، اگر کوئی ایسا دعوے کرے گا تو وہ پاگل ہوگا یا پھر کذاب، جیسے ہمارے ماضی قریب زمانے میں مرزا غلام احمد قادیانی گزرا ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا حالانکہ وہ ملعون جھوٹا تھا اس نے اللہ کے دین میں رخنہ ڈالا امت مرحومہ میں پھوٹ ڈالی اور ان کو لڑوایا اور کچھ لوگوں کو ان میں سے بے ایمان کر کے جہنمی بنا گیا۔ اس لیے ہر مسلمان کو اپنے پیارے آقا علیہ السلام کے ارشادات سے اتنی واقفیت ضرور ہونی چاہیے کہ کوئی گمراہ اس کو گمراہی کی طرف مائل

---

[1] ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی، ابواب الطب:

ہی نہ کر سکے۔ بعض لوگ اپنے مطلب کی احادیث کا سہارا لے کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں حالانکہ ان کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہم جو بات کہہ رہے ہیں اس میں کتنی صداقت ہے، مگر اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ لوگ ہرگز اپنے باطل نظریات کا پرچار کرنے سے باز نہیں آتے۔ مثلاً کبھی کہہ دیتے ہیں کہ دم کرنا حرام ہے کبھی کہتے ہیں تعویذ کرنا اور گلے میں ڈالنا شرک ہے، کبھی کہتے ہیں کہ تعویذ پر اگر کوئی کچھ اُجرت دے تو لینا حرام ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ نظر کی تاثیر نہیں ہوتی۔ الغرض اس طرح کی بہت ساری باتیں یہ لوگ بناتے رہتے ہیں اور دوسروں کو ان کی کم علمی کی بناء پر اپنے ہم نوا بنا لیتے ہیں۔ اس طرح جب کوئی سادہ لوح مسلمان ان کی باتوں میں آ کر ان کے ساتھ چل پڑتا ہے تو پھر اس کا واپس لوٹنا محال ہو جاتا ہے۔

دم کرنے کی اجازت

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دم کرنے کی اجازت دی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچھو کے کاٹنے اور پہلو کی پھنسیوں میں جھاڑ پھونک کی اجازت دی ہے[1]۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سورہ فلق اور سورہ والناس سے دم فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن اور نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے یہاں تک کہ سورہ فلق اور سورہ والناس نازل ہوئیں آپ نے ان کو اختیار فرمایا اور دیگر دُعاؤں کو چھوڑ دیا[2]

---

[1] ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی، ابواب طب [2] ایضاً

دم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں البتہ ایسے کلمات سے دم کرنا جن میں کوئی بات اسلام کے منافی ہو یہ درست نہیں ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق یوں دی جا سکتی ہے کہ ناجائز اور شرک پر مبنی کلمات سے تعویذ یا دم جھاڑ کرنا نیز اسے سبب نہ ماننا بلکہ مؤثر حقیقی سمجھنا منع ہے اگر کلام الٰہی سے تعویز کیا جائے اور اسے دیگر اسباب علاج کی طرح ایک سبب سمجھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں[1]۔

تعویز ڈالنے کی اجازت

بعض لوگ خواہ مخواہ تعویز کی مخالفت کرتے رہتے ہیں حالانکہ تعویز ڈالنے کی اجازت ہے اور یہ عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

عمر بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نیند کی حالت میں ڈر جائے تو یہ کلمات کہے:

أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيٰطِيْنِ[2]

میں اللہ کے مکمل و تمام کلمات کے ذریعے اس کے غضب و عذاب بندوں کے شر، شیطانی وسوسوں اور ان کے آموجود ہونے سے پناہ مانگتا ہوں۔

---

[1] مولانا علامہ محمد صدیق ہزاروی: مترجم ترمذی شریف۔

[2] ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی ابواب الدعوات۔

اگر یہ کلمات کوئی شخص پڑھ لے تو ڈراؤنا خواب اس کو کچھ نقصان نہ دے گا۔ ان مقدس کلمات کو زبانی یاد کر لینا چاہیے اور دوسروں کو یاد کر لینے کی تلقین کرنی چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا یہ عمل حدیث شریف میں ہے:

فَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو يُلَقِّنُهَا مَنْ بَلَغَ مِنْ وُلْدِهٖ وَمَنْ لَّمْ يَبْلُغْ مِنْهُ كَتَبَهَا فِيْ صَكٍّ ثُمَّ عَلَّقَهَا فِيْ عُنُقِهٖ[1] عبداللہ بن عمرو اپنے بالغ بچوں کو یہ کلمات (جن کا اوپر ذکر ہوا) سکھاتے تھے اور نابالغ بچوں کے لیے کاغذ پر لکھ کر گلے میں ڈالتے تھے۔

بچوں کے گلے میں تعویذ ڈالنا جائز ہی نہیں بلکہ ایک اچھا کام ہے۔ ممانعت صرف ان تعویذوں کی ہے جن میں شرکیہ کلمات تحریر ہوں لہٰذا ایسے مستحسن کام کو شرک اور بدعت کہنا گمراہی اور جہالت کی علامت ہے۔[2]

حدیث شریف کی رو سے تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالنا بالکل جائز اور درست ہے جو کوئی اس عمل سے روکتا ہے وہ صریح گمراہی کی طرف بہک رہا ہے۔ ایسے لوگوں کو فوراً اپنے باطل نظریات سے تائب ہونا چاہیے اور راہِ حق کی طرف مائل ہو جانا چاہیے۔

تعویذ کی اُجرت

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تعویذ گلے میں ڈالنا ممنوع ہے اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ تعویذ

---

[1] ابوعیسٰی، محمد بن عیسٰی ترمذی، امام: جامع ترمذی، ابواب الدعوات۔

[2] مولانا محمد صدیق ہزاروی: مترجم جامع ترمذی۔

لکھ کر پی لینا بھی حرام اور منع ہے جبکہ حدیث شریف میں اس نظریئے کی سخت تردید وارد ہے چنانچہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر میں بھیجا ہم ایک قوم کے ہاں فروکش ہوئے اور ان سے گذارش کی کہ ہمیں بطور مہمان اپنے ہاں ٹھہرائیں انہوں نے ایسا نہ کیا۔ پھر ان کے سردار کو کسی چیز نے کاٹا اور وہ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے تم میں کوئی دم جھاڑ کرنے والا ہے۔

قُلْتَ نَعَمْ اَنَا وَلٰکِنْ لَآ اَرْقِیْہِ حَتّٰی تُعْطُوْنَا غَنَمًا[1]

(ابو سعید فرماتے ہیں) میں نے کہا ہاں میں ہوں لیکن جب تک تم مجھے چند بکریاں نہیں دوگے دم نہیں کروں گا۔

جب ابو سعید رضی اللہ عنہ نے بکریوں کا مطالبہ کیا تو انہوں نے تیس بکریاں دینے کا وعدہ کیا۔ جب انہوں نے بکریاں دے دیں تو حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے ان کو قبول کر لیا۔

حضرت فرماتے ہیں پھر میں نے اس پر سات مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھی تو وہ ٹھیک ہو گیا[2] اور ہم نے بکریوں پر قبضہ کر لیا۔ فرماتے ہیں ہمارے دلوں میں ان بکریوں کے بارے میں کھٹکا پیدا ہوا تو ہم نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچنے سے پہلے حلال نہ کرو۔ جب ہم بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو تمام قصہ عرض کیا تو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَمَا عَلِمْتَ اَنَّھَا رُقْیَۃٌ اَقْبِضُوا الْغَنَمَ وَاضْرِبُوْا

تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ فاتحہ دم جھاڑ ہے بکریاں قبضہ میں رکھو

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی، ابواب طب [2] ایضاً۔

اِنِّیْ مَعَکُمْ بِسَھْمٍ [1]

اور اپنے ساتھ میرا بھی حصّہ رکھو۔

اس حدیث مبارک سے ثابت ہو گیا کہ دم جھاڑ کرنا جائز ہے اور اگر کوئی اس پر اُجرت لے تو بھی درست اور صحیح ہے۔ اولیاء اللہ کا عمل یہی رہا ہے کہ وہ مخلوقِ خدا کی خدمت کو اپنے لیے باعثِ عزّت و عظمت گردانتے رہے ہیں۔ اللہ کے نیک بندوں کی یہی پہچان ہے کہ وہ دوسروں کے کام آنے کو سعادت سمجھتے ہیں۔

اور اگر دم جھاڑ سے کچھ لیتے تھے تو وہ حسبِ ضرورت خود استعمال فرماتے اور جو کچھ بچ رہتا وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ کے ہاں لنگر جاری ہوتے تھے۔ ان کی زندگیوں میں تو یہ سلسلہ جاری تھا ہی ان کے مرنے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ مثلاً حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا لنگر آج بھی دن رات جاری ہے اور ہزاروں لوگ وہاں سے پیٹ بھرتے ہیں اسی طرح دیگر اولیاء اللہ کے ہاں بھی یہ سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا۔

حضرات القدس کی نگاہ میں وہ اثر ہوتا ہے جو بڑی بڑی قیمتی دواؤں میں نہیں ہوتا۔ نظر وہ کام کر جاتی ہے جو کام بڑی بڑی مہنگی دوائیں نہیں کر سکتیں۔ نظر میں رب العالمین نے وہ تاثیر رکھی ہے کہ ایک لمحہ میں رنگ بدل دیتی ہے ایک لحظہ میں ظاہر و باطن کو تبدیل کر دیتی ہے۔ یہ سب جو بڑی بڑی خانقاہیں اور مدارس و مساجد

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی ابواب طب۔

نظر آتے ہیں۔ یہ سب نگاہوں کے فیضان کا مُنہ بولتا ثبوت ہیں۔ برّصغیر پاک و ہند میں اولیاءِ کرام کی نگاہوں نے وہ وہ کام کیے ہیں جو بظاہر ناممکن نظر آتے تھے یہ حضرات نگاہ ڈال کر دل کی کایا ہی پلٹ دیتے تھے۔ آج بھی اگر ہم اپنے اندر وہ جذبہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو جذبہ حضرات القدس میں تھا تو یقیناً ہم آج بھی تقدیر بدل سکتے ہیں۔

حدیث نمبر (۳۵)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ النَّاسُ اِذَا رَاَوْا اَوَّلَ الثَّمَرِ جَاءُوْا بِهٖ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا اَخَذَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ ثِمَارِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِیْ مَدِیْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَمُدِّنَا اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلُكَ عَبْدُكَ وَنَبِیُّكَ وَاِنَّهٗ دَعَاكَ لِمَکَّةَ وَاَنَا اَدْعُوْكَ لِلْمَدِیْنَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ بِهٖ لِمَکَّةَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ قَالَ ثُمَّ یَدْعُوْا اَصْغَرَ وَلِیْدٍ یَرَاهُ فَیُعْطِیْهِ ذٰلِكَ الثَّمَرَ[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، لوگ جب نیا پھل دیکھتے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں پیش

---

[1] ابوعیسٰی، محمد بن عیسٰی ترمذی، امام: جامع ترمذی، ابواب الدعوات؛

کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پھل کو ہاتھ میں لے کر دُعا
کرتے۔ اے اللہ ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما، ہمارے شہر کو
بابرکت کر دے اور ہمارے صاع اور مُد میں برکت عطا فرما۔ یا اللہ
بے شک ابراہیم تیرے بندے، خلیل اور نبی ہیں۔ انہوں نے تجھ سے
مکے کے لیے دُعا مانگی اور میں (تیرا بندہ) تجھ سے مدینے کے لیے دُعا مانگتا
ہوں اس طرح جس طرح حضرت ابراہیم نے دُعا مانگی تھی بلکہ اس سے
بھی اور زیادہ کر دے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں پھر نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کسی چھوٹے بچے کو بُلاتے اور وہ پھل اسے دے دیتے۔

اس حدیث مبارک میں ہمیں یہ درس دیا گیا ہے کہ جب ہم نیا پھل دیکھیں
تو کس طرح، اللہ کے حضور دُعا کریں اور کیسے اللہ تعالیٰ سے برکتیں طلب کریں
اس حدیث شریف میں مندرجہ ذیل امور کی جانب اشارہ ملتا ہے۔

(۱) بزرگوں کی بارگاہ میں تحفہ لے کر جانا تاکہ وہ دُعائے خیر فرمائیں اور
ان کی دُعا سے اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔

(۲) جب کھانے کی کوئی چیز لائی جائے تو اس پر برکت کی دُعا کرنا تاکہ
اللہ تعالیٰ اس کے ہر پہلو میں خیر بھر دے۔

(۳) مدینہ طیبہ کی فضیلت مکے سے دوگنا ہے اس کے لیے سرورِ عالم
صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی ہے۔

(۴) نیا پھل سب سے پہلے چھوٹے بچوں کو کھلانا چاہیے تاکہ وہ
خوش ہوں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر خصوصی کرم فرمائے۔

تحفہ لیکر جانا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، تحفہ دیا کرو
اور تحفہ لیا کرو، محبت بڑھے گی۔ صحابہ کرام

(رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی عادت تھی کہ جب کوئی نیا پھل آتا وہ سرکارِ مدینہ کی خدمت میں لاتے تھے اور سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر برکت کی دُعا فرماتے تھے اس عملِ صحابہ سے ثابت ہوا کہ اللہ والوں کے پاس تحفہ لے کر جانا یہ بہت بڑا نیک کام ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ تحفہ وہ ہے جو کسی لالچ کے بغیر صرف اظہارِ محبّت کے لیے دیا اور لیا جائے مگر وہ چیز، یا وہ پیسے جو کوئی ماتحت کسی آفیسر کو پیش کرے تحفہ نہیں ہوتے اس لیے اس سے احتراز کرنا ہی ضروری ہے، ہاں اگر ماتحت کو کوئی آفیسر دے تو وہ لے لے اس لیے کہ اس میں رشوت کا پہلو بہت کم ہوتا ہے۔

آج کل تحفے کے نام سے رشوت چلتی ہے اس سے بچنا چاہیے۔

رشوت کی روک تھام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں، آفیسرز کو دیانت اور راست بازی پر قائم رکھنے کے لیے معقول تنخواہیں دیں، تاکہ وہ رشوت ستانی کی طرف راغب نہ ہو سکیں، اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اشیائے ضرورت نہایت ارزاں تھیں تاہم صوبداروں کی تنخواہیں پانچ پانچ ہزار درہم ہوتی تھیں۔ علاوہ ازیں اس کے جوان کو مالِ غنیمت سے حصّہ ملتا تھا۔[1]

کھانے کی چیز پر دُعا کرنا

کھانے کی چیز ہاتھ میں لے کر یا سامنے رکھ کر دُعا کرنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے قرآن حکیم نے بھی اس جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

---

[1] محمد عبداللہ ملک، ایم اے: تاریخِ اسلام ؛

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ٥ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ [1]

توکھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا، اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو۔ کر اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا وہ تو تم سے مفصل بیان کر چکا جو کچھ تم پر حرام ہوا مگر جب تمہیں مجبوری ہو اور اپنی خواہشوں سے گمراہ کرتے ہیں علم کے بغیر بے شک تیرا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے ؛

ان آیات سے ثابت ہوا کہ جس چیز پر اللہ کا نام لیا جائے مثلاً جو جانور اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے، جس کھانے کی چیز پر اللہ کا نام لیا جائے وہ پھل ہو یا حلوہ، گوشت ہو یا کھیر، وہ مٹھائی ہو یا چاول وہ بہرحال حلال و طیّب ہے۔ ختم شریف میں بھی اللہ کی پاک کلام مثلاً سورہ کافرون، سورہ اخلاص، سورہ فلق، سورہ ناس اور سورہ فاتحہ اور دیگر آیات مقدّسات پڑھی جاتی ہیں لہٰذا ختم شریف کی چیز حلال و طیّب ہے اس کو خوشی سے کھانا چاہیے۔

جو لوگ ختم شریف والی چیز کو کھانے سے روکتے ہیں یا خود نہیں کھاتے وہ سخت غلطی پر ہیں ان کو فوراً توبہ کرنی چاہیے اور آئندہ کے لیے ختم شریف کی چیز کو حلال و طیّب سمجھ کر کھا لینا چاہیے۔

---

[1] سورہ انعام آیات ۱۱۸ - ۱۱۹ ؛

حدیث میں بھی سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے کھانے کی چیز پر دُعا فرمائی ہے۔ پوری حدیث شریف تو ابھی آپ کی نظر سے گزری ہے کہ سرکارِ مدینہ کی بارگاہِ عالیہ میں نیا پھل لایا جاتا تو آپ اس پر دُعا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ ثِمَارِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِیْ مَدِیْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَمُدِّنَا [1]

یا اللہ ہمارے پھلوں مین برکت عطا فرما۔ ہمارے شہر میں برکت عطا فرما، ہمارے صاع اور مدّ میں برکت عطا فرما :

اس دُعا نے صاف صاف بتا دیا کہ کھانے کی چیز پر دعا مانگنا نہ صرف درست بلکہ سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اب ایک مسلمان کو اطمینان کر لینا چاہیے کہ کھانے پر دُعا مانگنا بالکل جائز ہے اور جو اس کی مخالفت کرتا ہے وہ سخت غلطی بلکہ گمراہی میں مبتلا ہے۔

مدینہ منوّرہ کی فضیلت

بہت ساری احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ مکہ مکرّمہ سے مدینہ منورہ افضل ہے۔ ہمارے لیے مدینے کی خاک بھی شفاء ہے۔ مومن کو مدینہ منورہ سے والہانہ پیار ہوتا ہے یہی اس کے ایمان کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔ پھر مدینہ طیبّہ اس لیے بھی بہت عظمت کا مالک ہے کہ وہاں ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مزار پُر انوار ہے۔ حدیث پاک میں ہے :-

---

[1] ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی :

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ[1]

جس نے میری قبر کی زیارت کرلی اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مکّہ مکرّمہ کی نسبت دونی برکت کی دُعا مانگی ہے جب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے مانگیں تو اللہ ضرور عطا کر دیتا ہے لہٰذا مدینہ شریف کی برکتیں مکّہ مکرّمہ سے دوگنی ہیں۔

چھوٹے بچّوں کو نیا پھل کھلانا

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب نیا پھل آتا اس پر دُعا فرماتے اور پھر کسی چھوٹے بچے کو بلا کر کھلاتے تھے ہمیں بھی چاہیے کہ جب نیا پھل آئے تو وہ چھوٹے چھوٹے بچوں میں تقسیم کریں تاکہ اس میں مزید برکت ہو۔

---

[1] رواہ ابوداؤد الطیالسی فی سندہ۔

حدیث نمبر (۳۶)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا بے شک اس نے مجھے ہی دیکھا۔ شیطان تو ہرگز میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

اس حدیث شریف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے ان افراد کو خوشخبری سنائی ہے جن کو خواب میں پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حبیب علیہ السلام کی زیارت سے مشرف فرمائے (آمین) ایسے افراد کو یقین دلایا کہ اگر وہ خواب میں مجھے دیکھیں تو بلاشبہ وہ میں ہی ہوں گا اس لیے کہ شیطان میری شکل و صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ دوسری حدیث میں فرمایا۔

خواب نبوّت کا حصّہ ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا: بیشک نبوّت و رسالت ختم ہو گئی، میرے بعد نہ کوئی رسول ہو گا نہ نبی۔ حضرت انس فرماتے ہیں اس فرمان سے لوگ مغموم

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام، جامع ترمذی، ابواب الرؤیا۔

ہوئے۔ سرکار مدینہ نے فرمایا:

لٰكِنِ الْمُبَشِّرَاتُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ رُؤْيَا الْمُسْلِمِ وَهِيَ جُزْءٌ مِنْ اَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ[1]

لیکن بشارتیں (بقایا ہیں) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ بشارتیں کیا ہیں آپ نے فرمایا مسلمان کا خواب اور یہ نبوّت کا ایک حصّہ ہے:

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی جھوٹی بات جان بوجھ کر میری جانب منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔ اس لیے سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کوئی حدیث بغیر تحقیق کیے اور کوئی جھوٹا خواب ہرگز بیان نہ کرنا چاہیے۔ اس کے ذریعے چاہے ساری دُنیا ہی مسخر کیوں نہ ہوتی ہو آخرت کی عزت کے مقابلے میں دُنیا کی عزت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خواب دو طرح کے ہوتے ہیں۔

(۱) اوّل اچھے خواب جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں وہ بشارت ہیں۔

(۲) دوسرے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔

(۳) تیسرے خواب انسان کے اپنے خیالات ہوتے ہیں۔

پیارے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اُٹھ کر (بائیں جانب) تھوک دے اور لوگوں سے بیان نہ کرے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ

"مَیں خواب میں قید کو پسند کرتا ہوں اور طوق (ہتھکڑی) کو ناپسند کرتا ہوں۔ قید دین پر ثابت قدمی کی علامت ہے[2]۔"

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی، ابواب الرؤیا [2] ایضاً

ایک حدیث شریف میں ہے حضرت عبادہ بن ثابت رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِيْنَ جُزْءً مِّنَ النُّبُوَّةِ[1]

مومن کے خواب نبوۃ کا چھیالیسواں حصہ ہے ؛

جھوٹا خواب بیان کرنے کی سزا

جو شخص جھوٹا خواب بیان کرے اس کے لیے سزا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص جھوٹا خواب بیان کرے اسے قیامت کے دن جَو کے دانوں میں گرہ لگانے کا حکم دیا جائے گا اور وہ ہرگز ایسا نہ کر سکے گا، یعنی گرہ نہ لگا سکے گا[2]

بعض لوگوں کو عادت ہوتی ہے پہلے کسی سے لڑنے میں دیر نہ کرنا جلدی سے اُلجھ پڑنا اور پھر جھوٹا خواب بنا کر صلح کرنا یہ بہت بُری بات ہے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

خواب میں دُودھ پینا

ایک حدیث میں آیا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ نے فرمایا، میں آرام کر رہا تھا اس دوران میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا۔ میں نے اسے پیا اور اپنا بچا ہوا فاروق اعظم کو دے دیا، صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس کی تعبیر کیا ہے ؟

---

[1] ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام : جامع ترمذی، ابواب الرویا [2] ایضاً ؛

آپ نے فرمایا "علم"۔[1]

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ جس کو خواب میں دودھ پلایا جائے وہ بڑا خوش قسمت ہے اس کو اللہ تعالیٰ علم کی دولت سے مالا مال فرمائے گا۔

جب کوئی خواب آئے تو اسے کسی کے سامنے بیان نہ کرنا چاہیے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَقُصُّ الرُّؤْيَا اِلَّا عَلٰى عَالِمٍ اَوْ نَاصِحٍ[2]

اپنا خواب، عالم یا خیر خواہ کے سوا کسی سے بیان نہ کرو۔

اس حدیث میں ہمیں یہ سمجھایا گیا ہے کہ خواب جب بھی آئے اسے صرف اور صرف عالم یا خیر خواہ ہی کے سامنے بیان کیا جائے ہمارے لیے بہتر ہے۔

خواب میں کُرتہ پہننا

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کی قدم قدم پر رہنمائی فرمائی ہے

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارک میں ہے:

حضرت سہیل بن حنیف بعض صحابہ کرام سے راوی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے حالتِ خواب میں دیکھا کہ لوگ مجھ پر پیش کیے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کُرتے پہن رکھے ہیں کسی کا کُرتہ سینہ تک ہے کسی کا اس کے نیچے تک، آپ نے فرمایا، پھر حضرت عمر میرے سامنے پیش کیے گئے تو (میں نے دیکھا) کہ ان پر ایک قمیض ہے جسے وہ گھسیٹ رہے ہیں صحابہ کرام نے پُوچھا، یا رسول اللہ! آپ اس کی کیا تعبیر فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا "دین"۔[3]

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی ابواب الرویا [2] ایضاً [3] ایضاً

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ جس کو خواب میں قمیض پہنایا جائے اس کو اللہ تعالیٰ دین کی دولت سے مالا مال فرمائے گا۔ یہی وہ دولت ہے جو لٹانے سے ختم نہیں ہوتی بلکہ جتنی لٹائی جائے اتنی ہی بڑھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی دولت سے بہرہ ور فرمائے (آمین)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے صاحب مدارج النبوۃ فرماتے ہیں:

وہ وجود مبارک جو مدینہ منورہ میں اپنی قبر مبارک میں آسودہ ہے وہی متمثل ہوتا ہے اور ایک آن میں متعدد مقامات میں جلوہ افروز ہوتا ہے۔ جو عوام کو خواب میں اور خواص کو بیداری میں دیدار سے مشرف فرماتا ہے۔ صاحب مواہب اللدنیہ خود فرماتے ہیں کہ جو شخص اولیاء کرام کی کرامتوں کی تصدیق کرتا ہے اور یہ کہ اولیاء کرام اس قابل ہیں اس پر زمین و آسمان کی ہر چیز بے شک و شبہ منکشف ہو جائے تو یہ دیدار بھی اسی قبیل سے ہے اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، عوام میں سے ہر وہ شخص جو کچھ خواب میں دیکھتا ہے اسے خواص حالت بیداری میں پاتے ہیں، عوام جو کچھ محنت و مشقت سے حاصل کرتے ہیں اولیاء کرام ان کو اللہ تعالیٰ کی موہب عطا سے پاتے ہیں۔ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ [1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں دیدار ہونا برحق ہے بہت سارے بندگانِ خدا

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی، محقق، مدارج النبوت

اس نعمت سے نوازے گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار و زیارت سے مشرف فرمائے (آمین)

انسان دراصل اس دُنیا میں آیا ہی اس لیے ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت وہی مقبول ہے جس کا طریق کار پیارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔ سرکارِ مدینہ کی محبّت ہی ایمان ہے اسی کا نام دین ہے یہی بندے کو خدا سے واصل کرتی ہے۔

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

آئیے آج ہی یہ عہد کریں کہ آئندہ زندگی میں اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گے جو حکم اللہ و رسول کا ہم تک پہنچا ہے اس کی پیروی کریں گے یہی دین و دُنیا کی بھلائی ہے اسی میں کامیابی ہے۔ اللہ تعالےٰ عمل کی توفیق دے (آمین)

ابرِ رحمت

نبی اکرم تاجدارِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کے بغیر ایمان ہوتا ہی نہیں ہے۔ دل و جان سے اپنے آقا علیہ السلام پر قربان ہو جانا یہی سعادت مندی ہے یہی دونوں جہان کی بہتری کا سبب ہے۔ ہر صاحبِ ایمان کی دلی تمنّا ہے کہ اُس کو رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہو، لیکن خوش نصیب کوئی کوئی ہوتا ہے جسے وہ نواز دیں۔ بس یہ بات یقین سے جان لیجئے کہ اگر اُدھر ہی سے مہربانی ہو تو مقدر کا ستارہ چمک پڑتا ہے۔ ہاں البتہ یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جب ابرِ رحمت برستا ہے تو وہ اچھے بُرے کی تمیز کیے بغیر برستا ہے اگر ہم ان سے سچی محبت کریں اور ان کی اتباع کریں،

سنّتِ مقدسہ پر عمل پیرا ہو جائیں تو وہ یقیناً نوازیں گے اور اپنی زیارت سے مشرف فرمائیں گے۔

حدیث نمبر (۳۷)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْرًا[۱]

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھے اللہ اس پر دس دفعہ بھیجتا ہے۔"

اس حدیث مبارکہ میں درود شریف پڑھنے کے فضائل کی طرف اشارہ ہے۔ احادیث مبارکہ میں درود پاک کے بہت فضائل مذکور ہوئے ہیں فاضل شہیر حضرت مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہجہان پوری دامت برکاتہم العالیہ نے مندرجہ بالا حدیث کے تحت فائدے کی "ف" لگا کر ان بہت ساری روایات کو جمع کر دیا ہے۔

رحمتِ الٰہی کی بارش درود شریف کے حدیثوں میں بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہونے کے ساتھ اس کے

---

[۱] ابوداؤد سلیمان بن اشعث، امام: سنن ابوداؤد

ذریعے سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت دِل میں جاگزیں ہوتی ہے اور رحمت الٰہیہ کی بارش ہوتی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ حضرات جن کے اوراد و ظائف میں کثرت سے درودیں ہوں ہم یہاں اہل ذوق کی خاطر فضائل درود شریف پر چند احادیث نقل کرتے ہیں [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مُجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ بھیجتا ہے [2]۔

درود شریف ایک ایسی عبادت ہے جو بندے کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب فراہم کرتی ہے سرکار مدینہ کی محبّت ہی کا نام دین ہے اسی کا نام اسلام ہے اس کا نام نیکی ہے۔ جو شخص سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہے وہ بڑا ہی خوش قسمت ہے کاش کہ سارے مسلمانوں کو یہ سعادت نصیب ہو کہ وہ اکثر اوقات اپنے آقا پر درود شریف پڑھتے رہا کریں یہ وہ وظیفہ ہے جو انسان کو جنّت میں لے جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں

---

[1] مولانا عبد الحکیم خاں اختر شاہجہان پوری: مترجم ابوداؤد شریف۔

[2] ابا الحسین مسلم بن الحجاج القشیری، امام: صحیح مسلم۔
ابوداؤد سلیمان بن اشعث، امام: سنن ابوداؤد۔

نازل فرماتا ہے دس خطائیں معاف کرتا ہے اور اس کے دس درجے بلند فرماتا ہے۔[1]

اس حدیث شریف میں درود شریف پڑھنے والے کو تین انعام ملنے کا بیان ہوا ہے جو درج ذیل ہے۔

(۱) درود شریف پڑھنے والے پر دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

(۲) درود شریف پڑھنے والے کی دس خطائیں معاف ہوتی ہیں۔

(۳) درود شریف پڑھنے والے کے دس درجے بلند ہوتے ہیں۔

(۱) ہم میں سے کون ہے جس کو اللہ کی رحمتوں کی حاجت نہ ہو۔ یقیناً ہر مسلمان اللہ کی رحمتوں کا خواہاں ہے۔ بس اللہ کی رحمت کا نزول اس پر ہو گا جو اللہ کے حبیب پر درود شریف بھیجے گا۔

ہمیں چاہیے کہ ہم کثرت سے درود شریف پڑھا کریں جو لوگ محافل درود و سلام کو بدعت قرار دیتے رہتے ہیں ان کو عقل کرنی چاہیے بجائے مخالفت کے خود ایسی نورانی محافل کا انعقاد کیا کریں تاکہ اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پا سکیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے (آمین)

(۲) ہم میں سے کون ہے جس سے خطائیں اور گناہ سرزد نہیں ہوتے ہر مسلمان یقیناً اپنے گناہوں خطاؤں کی معافی چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا نسخہ یہ تعلیم فرمایا ہے کہ میرے پیارے رسول پر ایک مرتبہ درود پڑھو میں دس گناہ معاف کر دوں گا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم کثرت سے درود شریف پڑھیں تاکہ ہمارے گناہوں کی معافی کا سامان بنے۔

---

[1] احمد بن شعیب نسائی، امام: سنن نسائی ؛

(۳) ہم میں سے کون ہے جس کو اپنے درجات کی بلندی کی خواہش نہ ہو، یقیناً ہر مسلمان بلندی درجات کا خواہاں ہوتا ہے اللہ تعالےٰ نے بلندی درجات کا طریقہ یہ بتایا کہ میرے پیارے نبی پر درود شریف پڑھا کرو، اور جو ایک مرتبہ درود شریف پڑھے گا اللہ اس کے دس درجے بلند فرمائے گا۔

ہمیں چاہیے کہ ہم کثرت سے درود شریف پڑھا کریں تاکہ ہمارے درجات بلند ہوں۔ جو لوگ درود شریف کی دن رات مخالفت کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ نہیں پڑھنا چاہیے وہ محض غلط کہتے ہیں اس طرح صلوٰۃ وسلام پڑھنا نہ صرف جائز بلکہ عشاق کا وظیفہ رہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں وہ شخص میرے سب سے زیادہ قریب ہوگا جس نے کثرت سے مجھ پر درود پڑھا ہو۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی دوسری روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ پھرنے والے فرشتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔[2]

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَصَلُّوْا عَلَیَّ

---

[1] ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی۔

[2] احمد بن شعیب نسائی، امام: سنن نسائی۔ دارمی۔

فَإِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ کُنْتُمْ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا اپنے گھروں کو قبرستان نہ بنا لینا اور میری قبر کو عیدگاہ نہ بنا لینا مجھ پر درود پڑھتے رہنا بلاشبہ وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔

اس حدیث مبارکہ میں درود شریف کی فضیلت اس انداز سے مذکور ہوئی ہے کہ پڑھنے والا چاہتا ہے میں دن رات درود شریف ہی پڑھتا رہوں ظاہر ہے جس پر درود شریف بھیجا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں میں سن لیتا ہوں مجھے پہنچا دیا جاتا ہے تو اب کون سی شک والی بات ہے جو ہم درود شریف نہ پڑھیں۔

نیز یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ ہمارے پیارے نبی زندہ ہیں، حیات ہیں الحمدللہ ہم حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہیں۔ صاف ظاہر ہے اگر سرکار (معاذاللہ) حیات نہیں تو درود شریف کس کو پہنچایا جاتا ہے اور کون سنتا ہے؟ یقیناً پیارے آقا حیات ہیں اور ہمارا پڑھا ہوا ہدیہ درود شریف آپ تک پہنچتا ہے رہا زیارت کا مسئلہ تو میاں اگر آنکھ علی بن عثمان داتا گنج بخش غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری جیسی ہو تو آج بھی زیارت ہوتی ہے بشرطیکہ محبت کا وہ معیار تو پورا ہو جو ہونا چاہیے۔

شعر

آنکھ والا تیرے جوبن کا نظارہ دیکھے

دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

---

[1] احمد بن شعیب نسائی، امام: سنن نسائی۔ دارمی۔

جو شخص آقا کی محبّت میں فنا ہو جاتا ہے، وہی آپ کے جلوؤں کا نظارہ دیکھتا ہے۔ کثرت سے درُود شریف پڑھو انشاءاللہ کبھی تو نصیبا جاگے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سرکارِ مدینہ کی زیارت سے مشرف فرمائے (آمین ثم آمین)

مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہجہان پوری رقمطراز ہیں:

لَا تَجْعَلُوا قَبْرِیْ عِیْدًا کا مفہوم

خاتم المحققین حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِیْ عِیْدًا کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

میری قبر کو ایسی عیدگاہ نہ بنالینا جس میں زینت و باجے اور لہو و لعب کے لیے جمع ہوتے ہیں کہ یہ موجب غفلت ہے جیساکہ یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء کی قبروں پر کرتے تھے اور بعض نے کہا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ میری زیارت کو عید کی طرح نہ ٹھہرالینا کہ سال میں ایک دو مرتبہ ہی حاضر ہوا کرو۔ بس اس میں اس بات کی طرف ترغیب و تنبیہ ہے کہ اس بارگاہِ بےکس پناہ میں کثرت سے حاضر ہونا چاہیے[1]

سبحان اللہ! الشیخ نے کیسے پیارے انداز میں حدیث شریف کی وضاحت فرمائی ہے۔ حقیقتاً یہی ایمان افروز بات ہے، اسی بات کو دل مانتا ہے اسی کی طرف مومن میلان کرتا ہے، اس کو ایمان کہتے ہیں اور اس کو حق کی ترجمانی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شیخ کی قبر کو روشن فرمائے (آمین)

---

[1] شیخ عبدالحق دہلوی، محدّث، محقق اشعۃ اللمعات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی ناک خاک آلودہ ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ اس کی ناک خاک آلودہ ہو۔ جو رمضان کا مہینہ پائے اور اپنی بخشش نہ کروائے۔ اس کی ناک خاک آلودہ ہو جو اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پائے یا ان میں سے ایک کو اور پھر جنت میں داخل نہ ہو۔[1]

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکارِ مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو چہرۂ انور پر مسرّت کے آثار تھے فرمایا حضرت جبرائیل میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ آپ کا ربّ فرماتا ہے یا محمدﷺ! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ جو تم پر ایک دفعہ درود بھیجے میں اس پر دس دفعہ بھیجوں، اور جو تم پر ایک دفعہ سلام بھیجے تو میں اس پر دس دفعہ سلام بھیجوں۔[2]

اس حدیث مبارکہ میں صلوٰۃ اور سلام کا ذکر ہے ثابت ہوا کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ مقدسہ میں سلام بھی بھیجو اور صلوٰۃ بھی۔ لہذا صلوٰۃ وسلام خوب پڑھنا چاہیے۔

اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کثرت سے آپ پر درود شریف بھیجا کرتا ہوں۔ میرے

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی [2] احمد بن شعیب نسائی، امام سنن نسائی

اپنے وظائف میں درود کا کتنا حصہ رکھوں؟ کیا نصف حصہ؟ فرمایا جتنا چاہو لیکن اور بڑھا لو تو بہتر ہے میں عرض پرداز ہوا کہ دو تہائی؟ فرمایا جتنا چاہو لیکن اور بڑھا لو تو بہتر ہے۔ عرض گزار ہوا میں سارا وظیفہ درود ہی کو رکھوں گا۔ فرمایا پھر تو یہ تمہارے غموں کے لیے کافی ہے اور تمہارے گناہوں کو دُور کر دے گا۔[1]

شیخ عبدالحق فرماتے ہیں

اس حدیث کی تشریح میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں، جب میرے شیخ محترم جناب عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے مدینہ طیبہ کی زیارت کے لیے رخصت کیا تو فرمایا تمہیں معلوم ہونا چاہیے اس مبارک سفر میں فرض نمازوں کے علاوہ کوئی عبادت سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے جیسی نہیں ہے چاہیے کہ اپنے تمام اوقات کو اسی میں صرف کرو اور کسی دوسرے ورد میں نہ لگانا۔ عرض گزار ہوا کہ اس کے لیے کوئی تعداد مقرر ہونی چاہیے۔ فرمایا کہ اس جگہ مقرر تعداد شرط نہیں ہے بلکہ اتنا پڑھو کہ زبان اسی سے تر رہے اور اسی کے رنگ میں رنگے جاؤ اسی میں سراپا غرق رہو۔[2]

ابن عبید انصاری کی روایت

حضرت فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز تھے کہ ایک آدمی نے آکر نماز پڑھی اور دُعا مانگی اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نمازی! تم نے جلدی کی۔ جب نماز پڑھ لو تو بیٹھ جایا کرو، اللہ

---

[1] ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی [2] اشعۃ اللمعات ج، ص ۴۰۹

تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو جو اس کی شان کے لائق ہے اور مجھ پر درود بھیجو پھر دُعا کرو۔ حضرت فضالہ فرماتے ہیں اس کے بعد دوسرے آدمی نے نماز پڑھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا۔ اے نماز پڑھنے والے دُعا کرو قبول ہو جائے گی۔[1]

اس حدیث مبارکہ سے صاف صاف پتہ چلا کہ دُعا کی قبولیت تبھی ہوتی ہے جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا جائے۔ اس نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھ کر دُعا کرنی چاہیے۔

حضرت علی کی روایت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میری قبر کے پاس درود بھیجے تو میں خود سُنتا ہوں اور جو دور دراز سے بھیجے تو وہ مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے[2]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر ستر مرتبہ درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، دُعا زمین و آسمان کے مابین معلق رہتی ہے اس میں سے کچھ بھی اوپر نہیں جاتا، جب تک تم اپنے نبی صلی اللہ

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی [2] رواہ بیہقی شعب الایمان

[3] مسند احمد، مشکوٰۃ، باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم پر درود نہ بھیجو۔[1]

اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالیہ میں جب بھی دُعا کرنے کا ارادہ کرو تو سب سے پہلے سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہدیۂ درود و سلام عرض کرو پھر دُعا مانگو انشاء اللہ ضرور قبول ہوگی۔

حدیث نمبر (۳۸)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَجَاوَزَ اللّٰهُ لِاُمَّتِیْ مَا حَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَتَکَلَّمْ بِهٖ اَوْ یَعْمَلْ بِهٖ[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے وہ خیالات اور وسوسے معاف فرما دیئے جو ان کے دل میں پیدا ہوں لیکن وہ نہ ان کو زبان پر لائیں اور نہ ہی ان پر عمل پیرا ہوں۔

اس حدیث مبارکہ میں ایک خاص فضل خداوندی کا ذکر ہوا ہے۔ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "مجھے اللہ تعالیٰ نے عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا"[3]۔ یہ سچ ہے کہ جب بندے کے اخلاق عمدہ ہو جاتے ہیں تو قدرتی طور پر اس میں قناعت، تدبر اور حسن نظر اور صبر و تحمل جیسی خصوصیات پیدا

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی [2] جامع ترمذی، ابواب الطلاق
[3] ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، امام: صحیح مسلم۔

ہو جاتی ہیں۔ جس طرح دینِ اسلام نے زندگی کے ہر ہر شعبے کے لیے کامل ہدایات عطا فرمائی ہیں اسی طرح انسان کے دِل میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں ان کی بابت بھی نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو آگاہ فرمایا ہے۔

بُرے خیالات

انسان چونکہ متلون مزاج پیدا ہوا ہے اس لیے اس کی عادات میں تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ تبدیلی کی کئی وجوہات ہوتی ہیں لیکن سب سے اہم اور فوری وجہ وہ حالات و واقعات ہوتے ہیں جو اس کو پیش آتے رہتے ہیں انسان کبھی خوش ہوتا ہے کبھی پریشان کبھی نہایت فرحت کے عالم میں ہوتا ہے اور کبھی نہایت رنج والم میں مبتلا ہوتا ہے کبھی نہایت غصّے کی حالت میں ہوتا ہے اور کبھی نہایت اطمینان کی حالت میں ہوتا ہے اس لیے

(۱) انسان جب خوش ہوتا ہے تو اس کے دل میں پیدا ہونے والے خیالات بھی اس کی خوشی، اس کی فرحت، اس کی مسرّت اور اس کی شادمانی کی عکاسی کرتے ہیں اس کی کیفیت کے اثرات چہرے سے ظاہر ہوتے ہیں۔

(۲) انسان جب پریشان ہوتا ہے تو اس کے دل میں پیدا ہونے والے خیالات بھی اس کی پریشانی، اس کی لاچاری، اس کی بے بسی اور اس کی کسمپرسی کی عکاسی کرتے ہیں۔

(۳) انسان جب بہت خوش ہوتا ہے تو اس کے دل میں پیدا ہونیوالے خیالات بھی سراپا خوشی، سراپا محبّت، سراپا پیار اور سراپا عنایات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں انسان بڑا دریا دل اور نہایت پیارا معلوم ہوتا ہے۔

(۴) انسان جب بہت رنج والم میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے دِل میں

پیدا ہونے والے خیالات بھی اس کی اس کیفیت کی ترجمانی کرتے ہیں ایسی حالت میں انسان نہایت چڑچڑا اور بد مزاج معلوم ہوتا ہے. چہرے کی کیفیت بھی بدلی بدلی لگتی ہے لیکن اللہ والے ایسی حالت میں بھی بہت حد تک اپنے آپ کو مطمئن رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے.

(۵) انسان جب نہایت غصے کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کے دل میں پیدا ہونے والے خیالات بھی اس کی ترجمانی کرتے ہیں انسان کو رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ میں نے اپنے مخالف کو فلاں بات کے جواب میں فلاں بات کیوں نہ کہی ؟ اور فلاں بات کا جواب فلاں بات سے کیوں نہ دیا ؟ ایسی صورت میں انسان کئی اُلٹ پلٹ باتیں بھی سوچ لیتا ہے.

(۶) انسان جب نہایت مطمئن ہوتا ہے تو اس کے دل میں پیدا ہونے والے خیالات بھی اس کی اسی کیفیت کی عکاسی کرتے ہیں. ایسی صورت میں وہ نہایت خوش مزاج معلوم ہوتا ہے نہایت مدبر معلوم ہوتا ہے اور فیصلے تقریباً صحیح کرتا ہے.

ان مختلف حالتوں میں انسان کی سوچ بھی مختلف ہوتی ہے اور ایسی صورت میں جہاں عمدہ خیالات کا آنا درست اور صحیح ہے وہاں بُرے خیالات کا دل میں پیدا ہو جانا اور وسوسوں کا آنا بھی یقینی امر ہے.

کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے دل میں ایسے ایسے کفریہ خیالات پیدا ہوتے ہیں کہ اگر کسی دوسرے موقعے پر وہ خود غور کرے تو اس کو اپنے آپ پر سخت افسوس ہونے لگتا ہے اور بے اختیار پکار اُٹھتا ہے میری توبہ! میں نے کیسا بُرا خیال اپنے دل میں جمایا تھا. یہ وہ گھڑی ہوتی ہے جب انسان کو

ذرا سہارا ملے تو وہ اوّل درجے کا مسلمان بن سکتا ہے اور اگر اس کی راہنمائی نہ ہو سکے تو وہ پرلے درجے کا بدمعاش، غنڈہ، جیب تراش اور قاتل تک بن سکتا ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی گھڑی کے لیے نہایت پیارے انداز میں اپنی اُمّت کی راہنمائی فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے میری اُمّت کے وہ خیالات اور وسوسے معاف فرما دیئے جو ان کے دل میں پیدا ہوں[1]

کرمِ خداوندی رب العالمین نے اپنی مقدس کتاب قرآن حکیم میں صاف فرمایا ہے کہ انسان کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ وہ اچھے اعمال کرے۔ ارشاد ربانی ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۝ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝[2]

بڑی برکت والا ہے وہ جس کے قبضہ میں سارا اقتدار ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا کرم یہ ہے کہ اس نے ہمیں اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّتی بنایا اور دوسرا کرم محبوب کے صدقہ سے یہ فرمایا کہ اگر کبھی ہمارے دل میں بُرے خیالات پیدا ہو بھی جائیں مگر ان کا اظہار زبان سے نہ ہو پائے اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا۔

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی ابوداؤد، ابواب الطلاق [2] سورۂ ملک آیت 1

جیسا کہ حدیث مبارکہ ابھی ابھی آپ کی نظر سے گزری ہے۔ لیجئے یاد دہانی کے لیے پھر ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے وہ خیالات اور وسوسے معاف فرما دیئے جو ان کے دل میں پیدا ہوں، لیکن نہ وہ ان کو زبان پر لائیں اور نہ ہی ان پر عمل پیرا ہوں[1]

اس حدیث شریف کو نقل کرنے کے بعد امام (ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ) ترمذی فرماتے ہیں:

یہ حدیث حسن صحیح ہے اور علماء کا اس پر عمل ہے کہ جب کوئی شخص دل میں طلاق کا خیال لائے تو کچھ نہیں ہوتا جب تک زبان پر نہ لائے[2]

؎ خرد نے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل
دِل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

بنی بگڑتی ہے

قلبِ مومن وہ جگہ ہے جس کا مرتبہ حد و حساب سے باہر ہے۔ شیطان چونکہ انسان کا کھلا دشمن ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں خود نیک اعمال کرتے ہیں اور دوسروں کو ان کی تلقین کرتے ہیں ان سے ابلیس کو خاص قسم کی دشمنی ہوتی ہے کہ ان کے ذریعے سے اس کی بنی بگڑتی ہے وہ اس وجہ سے اپنے مشن میں ناکام ہوتا ہے اس لیے وہ ان لوگوں پر حملہ سختی سے کرتا ہے اور یہ لوگ اسی کے حدف پر رہتے ہیں تاکہ وہ ان کو گمراہ کر کے دوسرے لوگوں کو بدظن کر سکے اور پھر ان لوگوں کو باور کروائے کہ دنیا میں سب لوگ ایسے ویسے ہی ہوتے ہیں لہذا اگر شیطان اپنے

کام (وسواس) سے باز نہیں آتا تو تم بھی اپنے کام نماز پڑھنے سے ہرگز باز نہ رہو آخر شیطان ہی ناکام ہو گا۔

حدیث نمبر (۳۹)

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ یَزْرَعُ زَرْعًا فَیَاْکُلُ مِنْہُ اِنْسَانٌ اَوْ طَیْرٌ بَہِیْمَۃٌ اِلَّا کَانَتْ لَہٗ صَدَقَۃٌ [1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص درخت لگائے یا کھیتی باڑی کرے اس میں سے انسان، پرندے یا جانور کھائیں وہ اس (درخت لگانے والے) کے لیے صدقہ ہے۔

بلاشبہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان میں بے پناہ حکمتیں اور فوائد پنہاں ہوتے ہیں اس حدیث مبارکہ کو پڑھنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک ہونے والے واقعات اور حالات و احوال کا مکمل علم عطا فرمایا ہے۔ جبھی تو آقا علیہ السلام نے درخت لگانے کا ثواب ذکر کیا اور اپنی اُمت کو درخت لگانے کی

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی، ابواب احکام:

ترغیب دلائی ہے۔ آج آپ خود مشاہدہ کرتے ہو کہ حکومتِ وقت بار بار اعلان کرتی ہے جن کا مفہوم یہی ہوتا ہے کہ درخت لگانے چاہئیں۔

درخت لگانے کا ثواب

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "درخت لگانا صدقہ ہے" صدقہ ایک ایسا عمل ہے جو بلا کو ٹال دیتا ہے۔ انسان اس دنیا کی زندگی میں طرح طرح کی آفات و بلیات میں مبتلا ہوتا ہے۔ کبھی بیمار ہو جاتا ہے کبھی اچانک کوئی بُری خبر سنتا ہے اور کبھی کسی عزیز کے بیمار ہو جانے پر پریشان ہو جاتا ہے ایسے ہی کبھی اپنے کسی بچے کے بیمار ہو جانے پر مبتلائے غم ہو جاتا ہے ایسی تمام صورتوں میں صدقہ کرنا ایک ایسا عمل ہے جو انسان کو ان پریشانیوں سے نجات دلاتا ہے، اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے رب کو اس طرح ملائے کہ اس کا ہر عمل اپنے اللہ کی رضا اور رسول مکرّم کی سنّت کے مطابق ہو جائے۔ درخت لگانا صدقہ ہے اس لیے مسلمانوں کو اس جانب توجہ دینی چاہیے اور درخت لگا کر ثواب کمانا چاہیے۔

کھیتی باڑی کا اجر

جہاں درخت لگانا باعثِ ثواب ہے اسی طرح کھیتی باڑی کرنا بھی باعثِ اجر و ثواب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی کھیتی باڑی کرتا ہے اور اس میں سے انسان، پرندے یا جانور کھاتے ہیں تو اس کا ثواب اس شخص کو ملتا ہے جو کھیتی باڑی کرتا ہے[1] مزارعت جائز ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ خیبر سے وہاں

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: جامع ترمذی ابواب احکام۔

کے پھلوں اور کھیتی کی نصف پیداوار کا معاملہ طے کیا[1] ایک اور حدیث میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یُحَرِّمِ الْمُزَارَعَۃَ وَلٰکِنْ اَمَرَ اَنْ یَّرْفِقَ بَعْضُھُمْ بِبَعْضٍ[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت کو حرام نہیں فرمایا لیکن ایک دوسرے کے ساتھ نرمی برتنے کا حکم دیا ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک مزارعت جائز اور درست تھی۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

ہم مزارعت کیا کرتے تھے اور اس میں حرج نہیں جانتے تھے حتیٰ کہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے جب کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تو ہم نے اسے چھوڑ دیا[3]

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مزارعت ناجائز ہے مگر آپ کے شاگردوں حضرت امام یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہے کہ مزارعت جائز ہے لیکن اس کے جواز کے لیے کچھ شرائط ہیں[4] اس کی تفصیل کے لیے بہار شریعت دیکھئے (ج ۱۵، ص ۹۹) مصنفہ صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ[5]

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن علی ترمذی، امام: جامع ترمذی ابواب احکام [2] ایضاً [3] ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، امام: صحیح مسلم [4] مولانا علامہ محمد صدیق سعیدی ہزاروی: مترجم جامع ترمذی [5] جو شخص مسئلہ مزارعت پر تحقیق چاہے اس کے لیے بہار شریعت ہی کافی ہے۔

ہم اگر اپنے دین اسلام کو قریب سے دیکھیں تو ہمیں یقین ہو جائے کہ جیسے سنہری اصول اس پیارے پیارے اسلام نے دیئے ہیں وہ کسی اور نظامِ زندگی میں ہرگز نہیں ہیں۔

حدیث نمبر (۴۰)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَہٰی عَنِ الْوِصَالِ فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فَاِنَّکَ تُوَاصِلُ؟ فَقَالَ اِنِّیْ لَسْتُ کَہَیْئَتِکُمْ اِنِّیْ اُطْعِمُ وَاُسْقٰی[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے روزوں سے منع فرمایا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ تو رکھتے ہیں؟ فرمایا میری حالت تمہارے جیسی نہیں مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں صوم وصال کا ذکر آیا ہے۔ اس سے مراد ایسا روزہ ہے جو بغیر افطار کئے کئی دن تک جاری رکھا جائے مثلاً ایک رات سحری کرنے کے بعد پھر کئی راتیں اور دن گزر جائیں مگر نہ افطاری ہو اور نہ ہی سحری، یہ روزہ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم رکھا کرتے تھے۔ صحابہ کرام نے بھی اسی طرح کا روزہ رکھنے کی اجازت طلب کی تو حضور نے فرمایا تم میرے

---

[1] مالک بن انس، امام: موطا، کتاب الصیام، باب النہی عن الوصال فی الصیام۔

جیسے نہیں ہو یا تمہاری حالت میری جیسی نہیں ہے اس لیے تم صوم وصال نہ رکھو۔

میرا ربّ مجھے کھلاتا پلاتا ہے

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو صوم وصال رکھنے سے منع فرمایا تو ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہو گا کہ پھر سرکار بن کھائے کیسے کئی کئی دن گزار لیتے ہیں؛ اس ذہنی کیفیت کو جان کر آپ نے فرمایا:

أَبِيتُ رَبِّي يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي[1]

میں رات گزارتا ہوں (اس حال میں کہ) میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے؛

یہ وہ خاص فضل خداوندی ہے جو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر من جانب اللہ ہے۔ ربّ العالمین فرماتا ہے:

وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا[2]

اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے؛

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح کا کمال عطا فرمایا ہے صحابہ کرام تو اپنے محبوب کی ایک ایک ادا پر مرمٹتے تھے یہ سچ ہے کہ

دل ہے وہ دل جو تیری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو تیرے قدموں پہ قربان گیا

ایک حدیث شریف میں ہے ایک درزی نے کھانا پکا کر رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] مالک بن انس، امام: موطا، کتاب الصیام [2] سورہ نساء آیت نمبر ۱۱۳؛

علیہ وسلم کی دعوت کی، حضرت انس فرماتے ہیں مَیں بھی اس کھانے میں سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا آپ کی خدمت میں جَو کی روٹی اور پیالے میں کدّو کا سالن پیش کیا گیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَرَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوْلِ الْقَصْعَۃِ فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّآءَ بَعْدَ ذٰلِکَ الْیَوْمِ۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیالے میں سے کدّو کے ٹکڑے تلاش کرتے ہوئے دیکھا اس روز سے ہمیشہ کدّو کو پسند کرتا ہوں۔

اس حدیث مبارکہ کا فائدہ بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہجہان پوری لکھتے ہیں:

سبحان اللہ! یہی ہے فنا فی الرسول ہونا، اور یہی ہے محبّ صادق کی پہچان کہ وہ اپنی پسند اور ناپسند کو محبوب کی پسند اور ناپسند میں فنا کر دیتا ہے، محبّ صادق وہی چاہتا ہے جو اس کا محبوب چاہے اور اسے ہرگز نہیں چاہتا جسے اس کا محبوب نہ چاہے وہ اپنے ذاتی تعلقات کو بھول جاتا ہے، اسے دوستی ہوتی ہے تو محبوب کے دوستوں سے اور دشمنی ہوتی ہے تو محبوب کے دشمنوں سے وہ اس دُنیا کی ہر چیز کو اپنے محبوب کی نظر سے دیکھنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ اس کی زندگی کا ہر قول و فعل محبوب کے لیے وقف ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے جملہ اقوال و افعال کو رضائے محبوب کے قالب میں ڈھال کر زبان سے ہر وقت یہی کہتا رہتا ہے ؎

ان کی دھن، ان کی لگن، ان کی تمنّا، ان کی یاد
مختصر سا ہے مگر کافی ہے سامانِ حیات

محبّ صادق کی تمنّا

وہ ہر چیز کو محبوب کے رنگ میں دیکھنے سے لذّت و لطف محسوس کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس دُنیا کی ہر چیز اور بنی آدم کا ہر فرد اس کے محبوب کا رنگ اختیار کرے، صُورت ہو یا سیرت، گفتار ہو یا کردار، اسے ان میں سے صرف وہی چیز پسند آتی ہے جو اس کے محبوب کی صورت و سیرت اور گفتار و کردار سے مشابہت رکھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کدّو کو پسند کرنے کی جو وجہ بیان فرمائی اس سے ان کے محبّ صادق ہونے کا پُورا پتا مل رہا ہے۔ اس طرزِ عمل کا اظہار بھی اس لیے فرمایا کہ محبوب پروردگار کے بارے میں دوسروں کا زاویہ نظر و اندازِ فکر یہی ہو جائے کیونکہ محبّ صادق کی تمنّا یہی ہوتی ہے کہ ساری دُنیا پر محبوب کا رنگ چڑھ جائے۔

فنافی الرّسول

صرف حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی یہ حالت نہ تھی بلکہ سارے مسلمان اس وقت ایسے ہی تھے۔ سب شمعِ رسالت کے پروانے تھے، ہر ایک پر گمان گزرتا تھا کہ یہ سب سے نرالا ہے حقیقت بھی یہی ہے کہ سارے کے سارے ہی نرالے تھے۔ اپنے اپنے رنگ میں ہر ایک نرالا تھا۔ حبیب خدا کی نگاہ کیمیا اثر نے اللہ کے رنگ میں سب کو ایسا رنگا کہ پوری کائنات سے ممتاز کر دکھایا کہ انبیاء کرام کے بعد ان کی نظیر، نظر نہیں آتی، یہ اس نگاہ کیمیا اثر کا کرشمہ تھا کہ کل جو ننگِ انسانیت تھے آج وہ رہبر ہیں، کل جو گم کردہ منزل تھے آج وہ پورے انسانی قافلے کے رہنما ہیں۔ کل جو جہالت کی مُنہ بولتی تصویریں تھے۔ آج وہ آسمانِ علم و عرفان کے شمس و قمر ہیں۔ کل جو مُردے تھے آج وہ مسیحائے قوم ہیں۔ شمعِ رسالت کے وہ عدیم النظیر پروانے تن من دھن سے اعلائے کلمۃ الحق

کے لیے وقف ہو کر رہ گئے ہیں ایک دانائے راز نے ان کی اس حالت کا نقشہ ان لفظوں میں کھینچا ہے۔

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پر مردانِ عرب

عُلماءِ کرام کی خدمت میں گزارش

ایک طرف عوام الناس ہیں کہ دین سے دُور ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کو اپنی حقیقت کی خبر تک نہیں رہی مسلمان جب اپنی اصلیت سے بے خبر ہوتا ہے تو کمزور و ناتواں ہو کے رہ جاتا ہے اور جب اپنی اصلیت سے واقف ہوتا ہے تو سب مخلوقِ خدا پر فوقیت حاصل کر لیتا ہے۔

آج مسلمانوں کو فرقہ بندی باہمی اختلاف نے اس قدر کمزور کر دیا ہے کہ وہ پوری دُنیا میں کثیر التعداد ہونے کے باوجود بھی پٹ رہے ہیں۔ ان کے حقوق پامال کئے جا رہے ہیں ان کی نئی نسل کو اکابرینِ اسلام کی عظمت سے منحرف کیا جا رہا ہے۔ آخرت کی فکر تو نام کی رہ گئی ہے جہاں تک اعمال کا تعلق ہے وہ تو برائے نام ہیں۔ کہاں وہ عظمت رفتہ کہ دُنیا کے بڑے بڑے جابر بادشاہ ایک مسلمان کے نام سے لرزتے تھے اور کہاں آج کا یہ دَور کہ مسلمان جگہ جگہ زبوں حالی کا شکار ہیں۔

دوسری طرف علماءِ کرام ہیں کہ وہ بھی اپنے مرتبے سے بے خبر ہیں مولانا عبدالحکیم خاں اختر رقمطراز ہیں:

یہ ناچیز علماءِ اہلسنّت کی مقدس بارگاہوں میں بڑے ادب و احترام کے ساتھ یہ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہے کہ حضورِ والا! آپ کا نائب انبیاء ہونا

ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ یقیناً آپ انبیاء کرام کے وارث ہیں
کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی میراث آپ کی الماریوں میں محفوظ
ہے کون نہیں جانتا کہ آج آپ ہی کشتیٔ اُمت کے ناخدا اور سرمایۂ ملت کے
نگہبان ہیں جہاں بوقتِ گفتار آپ کے مُنہ سے پھُول جھڑتے ہیں وہاں آپ
کے کردار کو دیکھ کر لوگ اپنی بے راہ روی کو چھوڑنے پر مجبور ہوتے رہتے ہیں
اور باطل کی ظلمتوں کو تو آپ کے باعث کہیں مُنہ چھُپانے کے لیے بھی جگہ نہیں
ملتی کیونکہ حق کے علمبرداروں کی یہی شان اور غلامانِ مصطفٰے کی یہی پہچان
ہوتی ہے۔

حضور والا! اگر طبع ناز پر گراں نہ گزرے تو عرض پرداز ہوں کہ نصف
صدی سے سرمایۂ ملت کو دن دیہاڑے لوٹا جارہا ہے۔ راتوں کو نقب زنی ہو
رہی ہے اور دن کے اُجالے میں ڈاکے ڈالے جارہے ہیں۔ آپ کے سرمایہ کا اکثر حصہ
لٹیروں کے گھروں میں جا پہنچا ہے اور وہ اسے اپنا مال بتارہے ہیں باقی جو رہ
گیا ہے اس پر بھی نگاہیں جمائی ہوئی ہیں۔ بلکہ خاکم بدہن اب تو وہ اُلٹا آپ
حضرات کو چور بتارہے ہیں۔ بھلا آپ کے عفو و درگزر پر قربان ہونے کو کس کا
جی نہیں چاہے گا جبکہ سرمایۂ ملت کی بربادی کو آپ بچشمِ خود ملاحظہ فرمارہے ہیں
اس کے باوجود "جل تُو جلال تُو، صاحبِ کمال تُو، آئی بلا کو ٹال تُو" کا وظیفہ
پڑھ کر روحانی منزلیں طے فرمانے میں مشغول ہیں خدا کرے کہ کبھی تو آپ کو
ایسے درود و وظائف سے تھوڑی سی فرصت میسّر آجائے جس کے باعث آپ
کے دل و دماغ کے کسی گوشے میں ہم غربائے اہلسنّت کے دین و ایمان کو
بچانے کی فکر بھی سما جائے اور کچھ بھی نہ سہی تو کم از کم ملتِ اسلامیہ کی
حالتِ زار پر آپ کو کبھی دو آنسو بہانے کی توفیق ہی مل جائے۔

قانونِ قدرت

یہ اللہ کا خاص فضل ہوتا ہے۔ اگر بندے کو کچھ نیکی کرنے کی توفیق ملے۔ اس زمانے میں اسلامی اقدار کی پاسبانی اس قدر کم ہو گئی ہے کہ آنے والے زمانے کا خوف دامن گیر ہے کہ کہیں وہ لوگ معاذ اللہ علی الاعلان ہی اسلام سے انحراف نہ کر دیں اگرچہ (انشاء اللہ) قیامت تک ایسا ہو گا نہیں اس لیے کہ اگر مسلمان اپنے دین کی خدمت کرنے کی بجائے اپنے پیارے دین کی تبلیغ و اشاعت کرنے کی بجائے اپنے دین کی خوبیاں بیان کرنے کی بجائے اُلٹا اس کے خلاف ہی چلنا شروع کر دیں اور دوسرے کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن کے رہ جائیں اور جگہ جگہ شکستیں کھائیں۔ اس دنیا کے مال و منال ہی کو سب کچھ سمجھ لیں تو اللہ تعالیٰ اپنے دین کا کام ان لوگوں سے لے لیتا ہے جن سے اس کی توقع تک نہیں ہوتی.

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمان باعمل رہے، دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی ان کو کسی میدان میں شکست نہ دے سکی اور جب یہ بے عمل ہو گئے دُنیا اکٹھی کرنے کو اپنا مطمع نظر بنا لیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی طرف نظرِ رحمت کرنا روک دی اور پھر یہ ذلیل ہونے لگے۔ سلطنت بغداد اور سلطنتِ خوارزم شاہی مسلمانوں کی بہت بڑی بڑی حکومتیں تھیں مگر مسلمانوں کی باہمی چپقلشوں اور اختلافات نے ان کو تباہ کر دیا۔ سلطنتِ خوارزم شاہی تو چنگیز خاں کے ہاتھوں برباد ہوئی وہاں کے حکمران علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے بہت کوشش کی کہ وہ سلطنت کو قائم رکھ سکیں مگر کامیاب نہ ہوئے ان کے بعد ان کے بیٹے جلال الدین محمد خوارزم شاہ نے چنگیز خاں سے کئی لڑائیاں کیں مگر آخر وہ بھی پس پردہ چلا گیا۔ سلطنتِ بغداد ہلاکو خاں کے ہاتھوں تباہ ہوئی یہ مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا سانحہ تھا جس نے اہلِ اسلام کی کمر توڑ کر رکھ

دی، ان حالات میں بظاہر یہ نظر آتا تھا کہ اب اسلام اور اس کے ماننے والے ہمیشہ مغلوب رہیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے چنگیز خاں کی اولاد میں سے کچھ افراد کو ایمان کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ چنگیز خاں ہی کی اولاد آگے چل کر منگول کہلوائی اور پھر منگول سے مغول ہو گئے اور پھر کثرتِ استعمال نے مغول کو مغل کر دیا اور اس طرح خاندانِ مغلاں نے کئی سو سال تک ہندوستان پر حکومت کی۔ اقبال کہتے ہیں ؎

عیاں ہے یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

دعوتِ حق مسلمانو! ہوش میں آؤ، اپنے مقام و مرتبے کو پہچانو، اپنی حیثیت کو جانو، اپنے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرو، اپنی عظمتِ رفتہ کو زندہ کرو۔ یہ سب کچھ تبھی ممکن ہو سکتا ہے جب ہم مدینے والے آقا کے سچے غلام بن جائیں۔ ہمارے دل میں سرکارِ مدینہ کی محبت جاگزیں ہو جائے اور ہمارا عمل اس محبتِ رسول کا غماض ہو۔ جب ہماری صورتِ حال ایسی ہو جائے گی کہ ہم باعمل مسلمان بن جائیں گے تو پھر اس ملک پاکستان میں ہی کیا پوری دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو گا جو قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ کر دے گا۔ قومِ مسلم کی عظمتِ رفتہ (عالی کا) سبب بنے گا۔

مدینے کے گدا دیکھے ہیں دنیا کے امام اکثر
بدل دیتے ہیں تقدیریں محمدؐ کے غلام اکثر (صلی اللہ علیہ وسلم)

اللہ کرے میری یہ کتاب مسلمانوں کے لیے فائدہ مند ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں میری اس سعی

کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں قبول فرمائے اور اس کو میرے لیے وسیلہ نجات بنائے۔ آمین!

آخری التجاء

میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالیہ میں جتنا شکر ادا کروں کم ہے کہ اس نے مجھے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری پیاری احادیث کی تشریح لکھنے کی توفیق عطا فرمائی بلاشبہ اولاد کو پالنے اور اس کی تربیت کرنے میں ماں باپ کا ایک خاص کردار ہوتا ہے بالخصوص والدہ کی تربیت و شفقت بطورِ خاص قابلِ ذکر ہے میں سمجھتا ہوں یہ جو آج مجھ سے کچھ خدمتِ دین کا کام ہو رہا ہے یہ سب میری والدہ ماجدہ مرحومہ مغفورہ کی دُعاؤں کا نتیجہ ہے اس لیے میں ہر اس بزرگ بھائی بہن سے جو میری اس کتاب کو پڑھیں التجا کرتا ہوں کہ وہ میری والدہ ماجدہ کے لیے دُعائے مغفرت ضرور کریں اور اپنی دُعاؤں میں اس احقر العباد کو بھی یاد رکھیں۔

شش کلمے

اوّل کلمہ طیب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں

دوسرا کلمہ شہادت اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے

لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ط

اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں

تیسرا کلمہ تمجید سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ

اللہ پاک ہے اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور اللہ کے سوا

اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ط وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا

کوئی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے گناہوں سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی توفیق نہیں

بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ط

مگر اللہ کی طرف سے جو بہت بلند عظمت والا ہے۔

چوتھا کلمہ توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک

لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ

نہیں، اسی کے لیے ہے بادشاہی اور اسی کے لیے تعریف ہے وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے

وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ اَبَدًا اَبَدًا ذُوالْجَلَالِ وَ
اور وہ زندہ ہے اس کو ہرگز کبھی موت نہیں آئے گی بڑے جلال اور بزرگی
الْاِكْرَامِ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؕ
والا ہے۔ اس کے ہاتھ میں بھلائی ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پانچواں کلمہ استغفار اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ
میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں جو میرا پروردگار ہے ہر
ذَنْبٍ اَذْنَبْتُهٗ عَمَدًا اَوْ خَطَاً سِرًّا اَوْ عَلَانِيَةً
گناہ سے جو میں نے جان بوجھ کر کیا یا بھول کر۔ چھپ کر کیا یا ظاہر ہو کر
وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنَ الذَّنْبِ الَّذِيْ اَعْلَمُ وَمِنَ
اور میں اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اس گناہ سے جس کو میں جانتا ہوں اور اس
الذَّنْبِ الَّذِيْ لَا اَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ
گناہ سے جس کو میں نہیں جانتا (اے اللہ) بیشک تو غیبوں کا جاننے والا اور
وَسَتَّارُ الْعُيُوْبِ وَغَفَّارُ الذُّنُوْبِ وَلَاحَوْلَ وَ
عیبوں کا چھپانے والا اور گناہوں کا بخشنے والا ہے اور گناہ سے بچنے کی طاقت
لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ؕ
اور نیکی کرنے کی قوت نہیں مگر اللہ کی مدد سے جو بہت بلند عظمت والا ہے۔

چھٹا کلمہ ردِ کفر اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ
اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ

أُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّأَنَا أَعْلَمُ بِهٖ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا

میں کسی شے کو تیرا شریک بناؤں جان بوجھ کر اور بخشش مانگتا ہوں تجھ سے

لَا أَعْلَمُ بِهٖ تُبْتُ عَنْهُ وَتَبَرَّأْتُ مِنَ الْكُفْرِ وَ

اس شرک کی جس کو میں نہیں جانتا اور میں نے اس سے توبہ کی اور بیزار ہوا کفر سے

الشِّرْكِ وَالْكِذْبِ وَالْغِيْبَةِ وَالْبِدْعَةِ وَالنَّمِيْمَةِ

اور شرک سے اور جھوٹ سے اور غیبت سے اور بدعت سے اور چغلی سے

وَالْفَوَاحِشِ وَالْبُهْتَانِ وَالْمَعَاصِيْ كُلِّهَا

اور بےحیائیوں سے اور بہتان سے اور تمام گناہوں سے اور میں

وَأَسْلَمْتُ وَأَقُوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ

اسلام لایا اور میں کہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں

نماز پڑھنے کا طریقہ نماز پڑھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ نمازی کا بدن، کپڑے اور نماز کی جگہ پاک ہو اور نماز کا وقت ہو گیا ہو پھر با وضو قبلہ کی طرف منہ کر کے دونوں پاؤں کے درمیان چار پانچ انگل کا فاصلہ کر کے کھڑا ہو اور جو نماز پڑھنی ہے اس کا دل سے ارادہ کرے اور زبان سے کہنا مستحب ہے۔ مثلاً نیت کی میں نے آج کی نماز ظہر چار رکعت نماز فرض یا سنت کی اللہ جل جلالہٗ کے لیے منہ میرا طرف کعبہ کے اگر امام کے پیچھے ہو تو کہے پیچھے اس امام کے اور دونوں ہاتھ اپنے کانوں تک لے جائے اس طرح کہ ہتھیلیاں قبلہ کو ہوں اور انگلیاں نہ کھلی ہوئی ہوں نہ ملی ہوئی بلکہ اپنی حالت پر رہیں۔ اللہ اکبر کہتا ہوا ہاتھ نیچے لائے اور ناف کے نیچے باندھے اس طرح کہ داہنی ہتھیلی بائیں کلائی کے سرے پر ہو اور بیچ کی تین انگلیاں بائیں کلائی کی پشت پر اور انگوٹھا اور چھنگلیاں کلائی کے اغل بغل ہو اور نظر سجدہ کی جگہ پر رہے اور ثنا پڑھے۔

دُعا قبول نہ ہونیکے چند اہم اسباب

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بصرے کے بازار سے گزر رہے تھے۔ تو لوگوں نے آپکی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ حضور قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے تم مجھ سے دُعا مانگو میں قبول کرونگا۔ اور ہم ایک مدت تک دُعا مانگتے رہے ہیں مگر قبول نہیں ہوتی۔ اِسکی کیا وجہ ہے؟

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیا۔ اے لوگو! تمھارے دِل دس۱۰ چیزوں سے مُردہ ہو گئے ہیں۔ پھر تمھاری دُعا کیسے قبول ہو؟

- تم نے خدا کو پہچانا **مگر** اُس کی معرفت کا حق ادا نہ کیا۔
- تم نے قرآن پڑھا۔ **مگر** اُس پر عمل نہ کیا۔
- تم نے محبّتِ رسُول کا دعویٰ کیا۔ **مگر** اُنکی سُنّت پر عمل نہ کیا۔
- تم نے عداوتِ شیطان کا دعوی کیا۔ **مگر** اُسکی مخالفت نہ کی۔
- تم نے جنّت کو چاہا۔ **مگر** اُس تک پہنچنے کیلئے عمل نہ کیا۔
- تم نے جہنم سے پناہ مانگی۔ **مگر** خود ہی اپنے نفس کو اُس میں ڈال دیا۔
- تم نے موت کو حق جانا۔ **مگر** اُس کے لئے تیّاری نہ کی۔
- تم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھائیں۔ **مگر** اُس کا شکریہ ادا نہ کیا۔
- تم نے بھائیوں کی عیب جوئی کی۔ **مگر** اپنے عیب نہ دیکھے۔
- تم نے مُردوں کو دفن کیا۔ **مگر** عبرت حاصل نہ کی۔

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

اَلصُّبحُ بَدَا مِنْ طَلْعَتِہٖ   وَاللَّیْلُ دَجٰے مِنْ وَّفْرَتِہٖ

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

جِبْرِیْلُ اَتٰی لَیْلَۃَ اَسْرٰی   وَالرَّبُّ دَعَا فِیْ حَضْرَتِہٖ

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

فَاقَ الرُّسُلَا فَضْلًا وَّ عُلًا   اَھْدَی السُّبُلَا لِدَلَالَتِہٖ

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

کَنْزُ الْکَرَمِ مَوْلَی النِّعَمِ   ھَادِی الْاُمَمِ لِشَرِیْعَتِہٖ

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

اَزْکَی النَّسَبِ اَعْلَی الْحَسَبِ   کُلُّ الْعَرَبِ فِیْ خِدْمَتِہٖ

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

سَعَۃِ الشَّجَرُ نَطَقَ الْحَجَرُ   شَقَّ الْقَمَرُ بِاِشَارَتِہٖ

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ   اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

دینی اخلاقی اور معاشرتی معاملات کے بارے
میں چالیس احادیث مبارکہ کی تشریح

جنت کا راستہ

از رشحات فکر

حضرت مولانا علامہ محمد ارشد قادری رضوی

مکتبہ تعلیم و تربیت اسلامی